اردو

جلد ۹ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ ع حصہ ۳۶

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

سائنس

انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ

جس کا مقصد یہ ھے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اردو دانوں میں مقبول کیا جاے ' دنیا میں سائنس کے متعلق جو نئی بحثیں یا ایجادیں اور اختراعیں ہو رھی ھیں یا جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ھونگے ' ان کو کسی قدر تفصل سے بیان کیا جائے - ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی - اس سے اردو زبان کی ترقی اور اھل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ھے —

یہ بڑی خوشی کی بات ھے کہ ھندوستان کے سائنس دانوں کے علاوہ یورپ کے فضلا نے بھی اس رسالے میں مضمون لکھنا منظور فرمایا ھے - اس رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ھوا کریں گے —

سالانہ چندہ آٹھ روپے سکۂ انگریزی (نو روپیہ چار آنے سکۂ عثمانیہ) —

امید ھے کہ اردو زبان کے بہی خواہ اور علم کے شائق اس کی سرپرستی فرمائیں گے —

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

فہرستِ مضامین

—— : ● : ——

دور تراجم

از

(جناب حاجی احمد فخری صاحب)

ہمارا زمانہ تعلیم و تربیت کا زمانہ ہے ' ہمارا زمانہ تہذیب و تمدن کا زمانہ ہے ' ہمارے زمانے میں علوم و فنون کی کثرت ہے ' ہمارے زمانے میں اختراعات و ایجادات کی بھر مار ہے - آج کل تصنیفات و تالیفات کا بازار گرم ہے - ان دنوں زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کے آثار نمودار ہیں - مگر اس دور میں جو شے اوروں سے زیادہ ممتاز اور سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ ترجمہ ہے - اس لئے اگر اس دور کو ' دور تراجم ' کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کیونکہ اس زمانے کی تصنیف اور تالیف جو کچھہ ہے وہ ترجمے کے رنگ میں ڈوبی ہوی ہے —

اس امتیاز کی سب سے بڑی وجہ سلطان العلوم اعلیٰ حضرت شہنشاہ دکن کی علم پروری اور اردو نوازی ہے - آپ کی شاہانہ فیاضیوں اور علمی قدر دانی نے ہندوستان میں اردو یونیورسٹی قائم کر کے کم مایہ اور نو عمر اردو کا پایہ عرش اعلیٰ تک بلند کر دیا ہے - اگر چندے یہی لیل و نہار رہے تو وہ وقت دور نہیں کہ یہی سبک مایہ اور نو خیز زبان " السنۂ عالم " کے دوش بدوش نظر آئیگی - جن لوگوں کو حضرت مولانا مولوی سید وحیدالدین سلیم (مرحوم) پروفیسر جامعۂ عثمانیہ کی زندۂ جاوید تصنیف وضع اصطلاحات کے مطالعے کا موقع ملا ہے

وہ جانتے ہیں کہ اردو کی کیا شان ہے اور اس میں ترقی کر کے اعلیٰ علمی زبان بننے کی کس قدر صلاحیت مضمر ہے ––

یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ جب کوئی قوم علوم و فنون میں ترقی کا پہلا قدم اٹھاتی ہے تو سب سے پہلے علمی زبانوں کے تراجم سے اپنی زبان کو سرمایہ دار بناتی ہے - اور زندہ اقوام کی سعی و کوشش کے نتائج کو اپنے اندر جذب کر کے اپنے علمی خزانوں کو معمور کرتی ہے - چنانچہ قدماے عرب نے اپنی ترقی کے زمانے میں یہی کیا کہ دوسری اقوام کے علمی خزانوں کو اپنی زبان میں منتقل کر لیا اور ان کے جواہر ریزوں کو اپنی زبان کے نقش و نگار میں برتا – یہی باعث ہے کہ علوم قدیمہ میں کوئی علم ایسا نہیں ہے جس سے عربی کا خزانہ خالی ہو - اگر دنیامیں عربوں کا وجود نہ ہوتاتوصدیوں تک اقصاے عالم پر جہل و نادانی کابادل اور اسی طرح محیط رہتا جس طرح عروج اسلام سے قبل تھا - اگر ایک ابن رشد کی ذات عالم وجود میں جلوہ گر نہ ہوتی تو ارسطو اور اس کا فلسفہ دونوں کے دونوں صفحۂ ہستی سے اس طرح معدوم ہو جاتے کہ گویا کبھی عالم وجود میں آے ہی نہ تھے ––

جب یہ مرحلہ خاطر خواہ طے ہو چکتا ہے تو قوم ترقی کے میدان میں دوسرا قدم اٹھاتی ہے اور تصنیف و تالیف کا جامہ پہن کر زندہ اور ترقی یافتہ قوموں کی صف میں نظر آنے لگتی ہے - نہ آج تک کبھی اس کے خلاف ہوا ہے اور نہ توقع ہےکہ اس کے خلاف کبھی ہوگا - یہی باعث ہےکہ فرماں رواےدکن کی شاہانہ الوالعزمیوں کے طفیل ہندوستان کے بہترین دل و دماغ اپنی تمام تر توجہ اسی مفید اور کار آمد صنف کی طرف مبذول فرما رہے ہیں - اندریں حالات یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترجمے کے مالہ و ماعلیہ پر غور کریں اور یہ دیکھیں کہ ترجمہ کیا ہے اور وہ اصول کیا ہیں جن کی پابندی سے ترجمہ ترجمہ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے اور جس کی خلاف ورزی سے ترجمہ اپنے مرتبے سے گر جاتا ہے اور اس قابل نہیں رہتا

کہ اس پر ترجمے کا اطلاق ہو سکے ۔ آخر کچھ تو بات ہے کہ ' معرکۂ مذہب و سائنس' اور ' فلسفۂ تعلیم ' معمولی تراجم سے ممتاز ہیں —

ترجمے کی تعریف

ہمارے نزدیک ترجمے کی تعریف یہ ہے کہ کسی مصنف کے خیالات کو لیا جائے ' ان کو اپنی زبان کا لباس پہنایا جائے' ان کو اپنے الفاظ و محاورات کے سانچے میں ڈھالا جائے اور اپنی قوم کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ ترجمے اور تالیف میں کچھ فرق معلوم نہ ہو —

اس تعریف کی روسے یہ امر بلا شائبۂ شک ثابت ہوتا ہے کہ ترجمے ہیں مترجم پر مصنف کے خیالات کی پابندی فرض ہوتی ہے' اس کے الفاظ و محاورات اور اس کے اسلوب بیان کی تقلید فرض نہیں ہوتی ۔ اگر اِن باتوں کی پابندی ضروری ہوتی تو اصل زبان میں کیا برائی تھی کہ زحمت ترجمہ گوارا فرمائی جاتی ۔ اگر اس قسم کی لغو اور لایعنی پابندیاں کہیں نہھ جائیں اور کوئی با کمال مترجم ان بے کار اور غیر ضروری بندشوں سے عہدہ برآ ہو بھی جائے تو اس کو محض اتفاق حسنہ پر محمول کرنا چاہئے اس کو شمع ہدایت سمجھنا اور اس پر فخر کرنا جائز نہیں' اس لئے کہ بسااوقات دو زبانوں کے انداز بیان میں اس قدر مغائرت ہوتی ہے کہ تقلید نا ممکن ہوتی ہے ۔ اگر کوئی خام مذاق اور نومشق مترجم تقلید کے پیچھے پڑتا ہے تو وہ غیر زبان کے الفاظ و محاورات کی بندشوں میں خود گم ہو کر رہ جاتا ہے ۔ پڑھنے والوں پر یہ بھی نہیں کھلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے ۔ اور کس لئے کہہ رہا ہے ۔ مصنف کا مطلب کچھ ہوتا ہے ' مترجم کے الفاظ سے کچھ اور معلوم ہوتا ہے ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تقلید کی بدولت ترجمہ ترجمہ نہیں رہتا بلکہ لفظوں کا گورکھہ دھندا بن جاتا ہے ۔ ہمارے نزدیک ترجمے کا اصل اصول وہی بدنام اور مکروہ شے ہے' جسے عرف عام میں تصرف اور پروفیسرحمیدالمہخاں صاحب کی زبان میں خیانت اور بددیانتی کہتے ہیں تصرف کے بغیر ترجمے میں نہ کبھی کام چلا ہے اور نہ آئندہ چلنے کی امید ہے ۔ اس باب میں

جس قدر آزادی سے کام لیا جائے گا ترجمہ اسی قدر تصنیف کے قریب آ جائے گا۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ترجمے میں تصرف کرنا کچھ اُن ہی بزرگوں کو زیبا ہے جو دونوں زبانوں کے ماہر ہوتے ہیں اور اُس علم میں ید طولیٰ رکھتے ہیں جس کا ترجمہ کرنے کی وہ جسارت فرماتے ہیں؛ بلکہ دونوں زبانوں میں سے ایک زبان مترجم کی مادری زبان ہوتی ہے۔ آج کل جن دوزبانوں کی ضرورت ہے ان میں سے ایک انگریزی ہے اور دوسری اردو۔ ایک قدیم اور سرمایہ دار زبان ہے اور دوسری نوعمر اور کم مایہ۔ ایسی حالت میں مترجم کا فرض ہے کہ انگریزی سے کماحقہ واقف ہو اور اردو اس کی مادری زبان ہو۔ اگر اردو اس کی مادری زبان نہ ہوگی تو وہ ترجمے کی بندشوں سے عہدہ برآ نہ ہوسکے گا اور اگر انگریزی سے پوری طرح واقف نہ ہو گا تو مصنف کے خیالات کی تہ تک نہ پہنچ سکے گا۔ الغرض ان اوصاف سہ گانہ میں جس نسبت سے کمی ہوگی، ترجمے میں اسی نسبت سے خامیاں رہ جائیں گی—

زباندانی کا معیار

اب بحث طلب امر یہ ہے کہ زباندانی کا معیار کیا ہے اور وہ کونسی کسوٹی ہے جس پر کس کر یہ بتایا جاسکتا ہے کہ کون شخص زباندان ہے اور کون نہیں اور کس کے مضمون میں کس قدر الفاظ و محاورات ہیں کہ اس معیار پر پورے اترتے ہیں اور کس قدر ہیں کہ اپنا سا منہہ لے کر رہ جاتے ہیں۔ شمالی ہندوستان اور قلمرو نظام میں ایک شخص بھی ایسا نہ ہو گا جو اُردو دانی کا مدعی نہ ہو اور جسے اس امر کا دعویٰ نہ ہو کہ اردو میری مادری زبان ہے اور میں نے اس کو اُس عالم میں حاصل کیا ہے جب میں میں نہ تھا۔ دلی اور لکھنؤ کے رہنے والے تو خالص اہل زبان ہیں، اُن کا تو کیا کہنا، ان کے لئے تو یہ امر باعث ننگ و عار ہے کہ اُن کا دامن ادب شرمندۂ تعلیم ہو مگر:

جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰ نہیں کہتے هر هاتھہ کو عاقل ید بیضا نہیں کہتے

روزانہ بول چال میں اپنا مافی الضمیر ادا کر دینا اور معمولی چٹھی چپاتی لکھ لینا اور بات ہے اور ادیبانہ انداز سے اپنا مطلب بیان کرنا اور اس میں کشش وگیرائی پیدا کر کے ناظرین کے دلوں پر اثر کرنا اور بات ہے - اس باب میں اہل زبان اور بیگانۂ زبان و لسان، نیم تعلیم یافتہ اور فارغ التحصیل، سب برابر ہیں؛ جب تک کوئی شخص متواتر اور پے در پے زبان کی نزاکتوں پر غور نہیں کرتا اور جب تک اپنے خیالات مختلف اور گونا گوں انداز سے پبلک کے سامنے پیش کرنے کی مشق و مزا ولت بہم نہیں پہنچاتا اس وقت تک وہ ترجمے اور تصنیف و تالیف کی ذمہ داریوں سے سبک دوش نہیں ہو سکتا، لیکن دلّی اور لکھنؤ والے اس میں جس قدر جلد اور جس قدر آسانی سے کمال پیدا کر سکتے ہیں اس قدر جلد اور آسانی سے غیر نہیں کرسکتے؛ خواہ وہ پنجاب کے رہنے والے ہوں یا دکن کے، خواہ وہ دلی اور لکھنو میں سے کسی کی تقلید کو ضروری سمجھتے ہوں یا دونوں سے آزاد ہونا اپنی شان کے شایاں خیال کرتے ہوں —

اس زمانے میں یہ بات عام طور پر دیکھی جاتی ہے کہ لوگ انگریزی میں فی الجملہ بصیرت حاصل کر لیتے ہیں اور اس کے پروں پر اُڑ کر مملکت اردو کو تسخیر کرنا چاہتے ہیں - ان کے دل و دماغ پر اس خیال خام کا غلبہ ہوتا ہے کہ اردو ہماری مادری زبان ہے، اس میں کد و کاوش لا حاصل ہے، اِس میں سعی و کوشش ہماری شان کے شایاں اور ہماری ہمت کے لائق نہیں. اس طرف صرف وہی کوتاہ بیں اور نا عاقبت اندیش لوگ توجہ کرتے ہیں جن کے دماغ عقل سلیم سے عاری ہوتے ہیں - اردو انگریزی کے تابع ہے، جب انگریزی آ گئی تو اردو خود بخود آ جائے گی - " بانو کو تسخیر کر لو باندی خود بخود حاضر ہو جاے گی " - مگر یہ اُن حضرات کی کوتاہ نظری اور خام مذاقی کی دلیل ہے - اردو کتنی ہی سبک مایہ اور نو عمر سہی، مگر زندہ زبان ہے، اس کا وجود انگریزی پر مبنی نہیں - صرف چند بڑے بڑے اصول ہیں کہ انگریزی

سے ملتے جلتے ھیں، ورنہ دونوں میں کوئی تعلق نہیں - جب تک اردو پر اردو کی حیثیت سے توجہ نہیں کی جاتی، اس وقت تک اردو میں بصیرت نصیب نہیں ہوتی- کسی موضوع کو لینا اور اس کو مؤثر اور دلکش انداز سے پڑھنے والوں کے دلوں پر نقش کرنا، ایک فن ھے جو مدتوں کی کد و کاوش اور سالہا سال کی سعی و کوشش سے حاصل ھوتا ھے اور جس شے کا نام ادبی سادگی ھے وہ تو ایک ایسا کمال ھے جو تمام کمالات ادب کے بعد نصیب ھوتا ھے - یہی باعث ھے کہ میرانیس جیسے قادر الکلام بزرگ کو کہنا پڑا ھے کہ:

اس سادگی کی قدر کوئی جانتا نہیں جو جانتا ھے اور کو وہ مانتا نہیں

ھمارے نزدیک مترجم اور مصنف میں کچھہ فرق نہیں، دونوں کی حدیں ایک مقام پر جا ملتی ھیں - کامیاب اور قابل تقلید مترجم وھی شخص ھوسکتا ھے جس میں مصنف بننے اور تصنیف کرنے کی صلاحیت مضمر ھوتی ھے اور ترجمے کی گونا گوں ذمہ داریوں سے وھی شخص عہدہ برا ھو سکتا ھے، جس نے انداز بیان پر اس درجے قدرت حاصل کرلی ھو کہ جس مطلب کو جس پہلو سے چاھے ادا کر جائے - بہترین مترجم وھی بزرگ ثابت ھوے ھیں جن میں یہ قوت بوجہ اتم موجود تھی، لیکن جن لوگوں میں یہ قوت کم تھی وہ کامیابی اور شہرت کے میدان میں اسی قدر پیچھے رہ گئے جس قدر اس قوت میں کمی تھی - جو لوگ مصنف کے انداز بیان کی تقلید سے انحراف کرنے اور ترجمے میں تصرف سے کام لینے کی قوت نہیں رکھتے اُن کی ادبی زندگی محض عارضی اور چند روزہ ھوتی ھے، بلکہ مرنے سے پہلے ھی ان کا خاتمہ ھو جاتا ھے - حیات ابدی اور شہرت سرمدی کچھہ ان ھی بزرگوں کا حصہ ھے جو منظر عام پر جلوہ گر ھونے سے پہلے کمالات صوری و معنوی سے بہرہ اندوز ھوتے ھیں اور شب و روز کی متواتر اور جانکاہ محنت سے اپنے اندر وہ قابلیت پیدا کر لیتے ھیں جو ادائے فرض کے لئے ضروری اور لا بدی ھوتی ھے —

مثال کے طور پر مرزا غالب کو لیجئے اور ان کے ایک شعر پر غور کیجئے۔ فرماتے ہیں :

محرم نہیں ہے تو ہی نواہاے راز کا یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

کیا کوئی شخص اس غیر فانی شعر پر ترجمے کا الزام عائد کر سکتا ہے ' کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ترجمہ ہے ' کیا اس میں وہ تمام خوبیاں موجود نہیں ہیں جو اعلیٰ درجے کے شعر میں ہونی چاہئیں ' کیا اس میں وہ تمام اوصاف و صفات موجود نہیں ہیں جو شعر کی جان اور ادب کی روح رواں ہیں ؟ اب ذرا 'عرفی' شیرازی کا شعر ملاحظہ ہو :

هر کس نه شناسندهٔ راز است و گرنه
اینها همه راز ست که معلوم عوام است

کیا مرزا کا شعر عرفی کے شعر پر مبنی نہیں ہے ' کیا مرزا نے اس سے اِستفادہ نہیں کیا ہے ' کیا مرزا نے اس شعر کی روح کو اپنے الفاظ میں جلوہ گر نہیں کیا ہے ' اور کیا اپنی طرف سے اس پر ایک گونہ لطیف اور پاکیزہ اضافہ نہیں فرمایا ہے ' اور کیا اپنے انداز خاص میں کد و کاوش اور مذاق سلیم کی داد نہیں دی ہے ' کیا اس میں اور تصنیف میں کچھ فرق ہے ' کیا اس میں وہ تمام باتیں موجود نہیں ہیں جو تصنیف کے لئے لازمی ہیں اور کیا مرزا اس میں حق بہ جانب نہ تھے ' کیا اس پر سرقے کا الزام اور چوری کا بہتان عائد ہو سکتا ہے ؟ ہمارے نزدیک اس قسم کے باریک اور لطیف اضافوں پر سرقے کا الزام لگانا اور ان کو خیانت اور بد دیانتی پر محمول کرنا ذوق سلیم کا منہ چڑانا ہے۔ اور یہ صرف ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو انگریزی کے پروں پر اُڑ کر قلم رو اردو کو عبور کرنا چاہتے ہیں۔ اس امر سے کوئی صاحب ذوق انکار نہیں کر سکتا کہ اسی قسم کے نازک اور لطیف اضافے کا نام ' تصرف ' ہے اور یہی ترجمے کی جان اور ادب و انشا کی روح و رواں ہے۔ ہمارے نزدیک ترجمے کی بہترین مثال یہی ہے اور اسی کی تقلید ہونی چاہئے —

اسی طرح شیخ علی حزیں ' کا ایک شعر ملاحظہ ہو ۔ فرماتے ہیں :

چوں نفی نفی اثبات است' از مردن نمی ترسم
بقاے من' چو شمع کشتہ باشد در فنائے من

میر 'انیس' اس کو لیتے ہیں اور اپنے انداز میں یوں ادا کرتے ہیں :

خود نوید زندگی لائی قضا میرے لئے
شمع کشتہ ہوں' فنا میں ہے بقا میرے لئے

کیا میر صاحب کا یہ شعر شیخ کے شعر کا ترجمہ نہیں ہے ' کیا میر صاحب نے اپنے شعر کی بنیاد اسی شعر پر نہیں رکھی ہے اور کیا اس میں اپنی غیر معمولی شاعرانہ قابلیت سے تصرت نہیں فرمایا ہے ؟ اگر میر صاحب زحمت تصرت گوارا نہ فرماتے تو یہ شعر اس بلندی پر جلوہ گر نہ ہوتا ' جس پر اس وقت میر صاحب کے ذوق لطیف کے طفیل نظر آ رہا ہے ۔

ملّا طاہر وحید کا ایک شعر ہے :

ز شیخ شہر جاں بردم بہ تز و یر مسلمانی
مدار اگر بہ ایں کافر نمی کردم چہ می کردم؟

ایک شخص نے اس کو لیا اور ان الفاظ میں اس کا ترجمہ کر دیا :

مسلماں بن کے جاں میں نے بچائی شیخ نجدی سے
مداراگر نہ اس کافر سے میں کرتا تو کیاکرتا؟

کیا یہ شعر ملا کے شعر کا صحیح ترجمہ نہیں ہے ' کیا اس میں کہیں کور کسر ہے ' کیا مترجم نے اس میں تصرت سے کام نہیں لیا ' کیا شیخ شہر کی جگہ شیخ 'نجدی' نہیں کردیا ہے اور "بہ تز ویر مسلمانی کا ترجمہ " مسلماں بن کے" نہیں کیا ' کیا اس سے بہتر انداز میسر ہو سکتا ہے ؟ یہ سب کچھ ہے ' مگر ارباب ذوق جانتے ہیں کہ یہ شعر اس قدر بلند نہیں ہے جس قدر ملا کا شعر ہے ۔ اس لئے کہ تصرت کچھ زیادہ باریک اور لطیف نہیں ہے اور مترجم اپنی طرت سے کوئی

ایسا اضافہ نہیں کر سکا جس سے تصرف کر نے میں حق بہ جانب سمجھا جاے۔
' عرفی شیرازی ' کا ایک اور شعر ہے :

مدہ عنان‌تعلق بہ حسن‌ہر ذرہ   بر آر دستے و برفرق آفتاب انداز

اس کا ترجمہ جناب ' آزاد ' انصاری ان الفاظ میں فرما تے ہیں :

ذرّات کی چمک پر کب تک مٹا رہے گا
اٹھ اور اٹھ کے اک دم ہاتھ آفتاب‌پر ڈال

کیا اس میں جناب ' آزاد ' ترجمے کے فرائض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے ' کیا اس میں تصرف کا عمل جلوہ گر نہیں ہے' کیا جناب 'آزاد' پر خیانت اور بد دیانتی کا الزام لگایا جائیگا ؟ اس لئے کہ ' عرفی' کے شعر میں کہیں اٹھنے کا ذکر نہیں ہے —

اسی طرح حزیں کا شعر ہے :

مسی مالیدہ لب را رنگ پان است
تماشا کن تہ آتش دخان است

'سودا' نے اس کو لیا اور ان الفاظ میں ادا کر دیا :

مسی مالیدہ لب پر رنگ پان ہے
تماشا ہے تہ آتش دھواں ہے

اس میں ' سودا' نے کسی قسم کا تصرف نہیں کیا' اسی‌لئے اصل شعر میں کسی قسم کا اضافہ نہ کر سکا ' بلکہ شعر کو اُس بلندی پر نہ پہنچا سکا' جہاں حزیں نے اپنے شعر کو پہنچا دیا تھا —

قرآن مجید میں ایک آیت ہے - انا عرضنا الامانة الخ - خواجہ حافظ اس کو لیتے ہیں اور اپنے ناقابل تقلید انداز میں یوں ادا کر تے ہیں :

آسماں بار امانت نہ توانست کشید   قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

حقیقت میں ترجمہ اسے کہتے ہیں اور تصرف کی یہ شان ہے —

اسی طرح مندرجۂ ذیل اشعار و اقوال کو لیجئے اور فرداً فرداً ہر ایک پر غور

کیجئے اور یہ دیکھئے کہ ان میں کوئی شعر یا کوئی قول ایسا ہے جو تصرف کی دست برد سے محفوظ ہو:

بوے یار من ازیں سست وفا می آید گلم از دست بگیرید کہ از کار شدم

(نظیری نیشا پوری)

کیفت چشم' اس کی مجھے یاد ہے سودا ' ساغر' کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

(سودا)

در محفل خود راہ مدہ ہم چو منے را
افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

نہ کہیں عیش تمہارا بھی منغص ہو جاے
دوستو! درد کو محفل میں نہ تم یاد کرو (خواجہ میر درد)

دوستاں منع کنندم کہ چرا دل بہ تو دادم
باید اول بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی (سعدی)

پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
ان سے بھی تو پوچھئے تم ایسے کیوں پیارے ہوے (میر تقی میر)

گفتہ بودم غم دل باتو بگویم چو بیائی
چہ بگویم کہ غم از دل برود چوں تو بیائی (سعدی)

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے (مرزا غالب)

داماں نگہ تنگ' گل حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

مرے ذوق نظر کو دیکھنا بزم حسیناں میں
وہ گلچیں ہوں بجاے گل بھرو نگار نگ داماں میں (وفا رام پوری)

عربی اقوال و ضرب الامثال: "الکلب انجس مایکون اذا اغتسل"

سگ بدریاے هفت گانه بشو   چونکه تر شد پلید تر گردد   (سعدی)

الصمت زینة العالم و ستر الجاهل :

ترا ' خامشی' اے خداوند هوش   وقار است' و نا اهل را پرده پوش   (سعدی)

راع اباک یراع ابنیک :

تو بجاے پدر چه کردی خیر   تا همان چشم داری از پسرت   (سعدی)

کُل یوم هو فی شان :

دل بهی تیرے هی ڈهنگ سیکها هے   آن میں کچهه هے آن میں کچهه هے   (درد)

سناء ذکاء لا یزال من دعاء الخفاش :

شپر گر نور آفتاب نه خواهد   نور بازار آفتاب نه کاهد   (سعدی)

السعید من اکل وارع و الشقی من مات ودع :

نیک بخت آنکه خورد و کشت و بد بخت آنکه مرد و هشت   (سعدی)

السطان احوج الی العقلاء من العقلاء الی السطان :

پادشاهاں به خرد مندان محتاج تراند که خرد مندان به پادشاهان

یہاں تک جو کچھہ عرض کیا گیا ہے اس کا تعلق اس ترجمے سے ہے جو عربی اور فارسی سے اردو میں کیا گیا ہے' اس کے بعد اس ترجمے کا نمبر ہے جو عربی اور فارسی سے انگریزی میں کیا گیا ہے - اگر اس پر ایک سر سری نظر ڈالی جاے تو یه مضمون بجاے خود ایک مستقل کتاب بن جاے- اس لئے محض چند نمونے پیش کئے جاتے هیں اور یه دکھا یا جاتا ہے که انگریزی میں مترجم حضرات ترجمے کے باب میں کس قدر آزادی سے کام لیتے هیں اور اس کو کہاں سے کہاں پہنچادیتے هیں - مثالیں ملاحظه هوں :

(۱) منم هر سخن را بیان معانی   منم جان و عقل هنر را قوالب

منم از نژاد بزرگان ساماں که بودند شاهان چتر و کواکب (منوچهری)

I can explain the deepest thought in all sciences,

I am the heart and soul of reason and knowledge.

I am descended from the Imperial House of Saman,

Whose kings bore the power of sovereignty.

(۲) آب جیحون از نشاط روے دوست . خنگ مارا تا میان آیدهمی (رودکی)

Glad at the friend's return, the Oxus deep,

Up to our girths in laughing waves shall leap.

(۳) اگر شه روز را گوید شب است این - بباید گفت اینک ماه و پروین

Should he (the king) say "the night is day"

Reply: Behold the moon and the pleides.

(۴) در شعر سه تن پیمبرانند هر چند که لانبی بعدی

ابیات و قصیده و غزل را فردوسی و انوری و سعدی

The sphere, poetic has its prophets three

(Although there is no prophet after me)

Firdausi in the epic, in the ode

Sadi and in qasida Anwari. (Prof Brown's translation)

(۵) ز شیر شتر خوردن و سوسمار عرب را بجائے رسید است کار

که تخت کیاں را کند آرزو تفو بر تواے چرخ گرداں تفو (فردوسی)

From feeding on camel's milk and desert lizard, so have the affairs of the Arabs prospered

That they covet the throne of the Chosroes.

Shame on thee O circling Heavens, shame,

۶ عاقلے را پرسیدند نیک بخت کیست وبدبخت چیست ' گفت نیک بخت
آنکه خورد و کشت و بد بخت آنکه مرد و هشت (سعدی)

They asked of a wise man who is the man of good fortune & who of bad? He said " The man of good fortune is he who ate & tilled ; the man of bad fortune is he who died and left (everything he had),,

۷ اگر جز به کام من آید جواب - من و گرز و میدان و افر اسیاب (فردوسی)

If the answer prove contrary to my wish
Then I shall take the mace and the field against afrasiyab,

۸ خروشید و جوشید و جامه درید - بزاری بران کودک نا رسید
برآورد بانگ و غریو و خروش زسان تازمان زوهمی رفت هوش (فردوسی)

She screamed and raved and rent her garment in lamentation
over the unblossomed youth.
She sobbed and wailed and shouted & fainted again & again.

۹ دلیرے که بد نام او اشکبوس همی بر خروشید برسان کوس

The intrepid Ashkboos roared like a drum

۱۰ دلم ازخدمت شیراز بکلی بگرفت وقت آنست که پرسی خبر ازبغدادم
سعدیاحب وطن گرچه حدیثے است صحیح نتوان مرد بسختی که من این جازادم (سعدی)

My soul is weary of shiraz, utterly sick and sad
If you seek news of my doings , you will have to ask at Baghdad
Sadi , that love of one's native land is a true tradition is clear,
But I cannot afford to die of want because my birth was here.

۱۱ آن را که جاے نیست همه شهر جاے اوست
درویش هر کجا که شب آمد سراے اوست (سعدی)

The whole town is the home of him who has no home.

The poor man's house is whereever night overtakes him.

۱۲ بندہ چه دعوی کند حکم خداوند راست (سعدی)

What objection can a servant raise? It is for the master to command.

۱۳ بدم گفتی و خور سندم عفاک‌الله نکو گفتی

جواب تلخ می زیبهد لب لعل شکر خا را (خواجه حافظ)

Thou didst speak me ill, & I am content, God pardon thee thou didst speak well.

A bitter answer befits a ruby lip which feeds on sugar.

۱۴ اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا

به خال هندوش بخشم سمر قند و بخارا را

If that beauty of Shiraz would take my heart in hand,

I would give for her dark mole Samarqand & Bukhara.

(From Robinson's Persian poetry)

Sweet maid, if thou wouldst charm my sight,

And bid those arms my neck infold, That rosy cheek that lily hand,

would give thy poet more delight

Than all Bukhara's vaunted gold,

Than all the gems of Samarqand. (Sir william Jones)

۱۵ بده ساقی مئے باقی که در جنت نه خواهی یافت

کنار آب رکنا باد و گل گشت مصلی را

Boy bring me the wine that remaineth, for in paradise thou

wilt not see the banks of the waters of Ruknabad, nor the rose bower of our Moselay. (Robinson's Persian poetry)

Boy, let yon liquid ruby flow.
And bid thy pensive heart be glad,
Tell them their Eden cannot show,
A stream so clesr as Ruknabad,
A bower so sweet as Mosalay. (Sir william Jones)

۱۶ فغان کین لو لیا ن شوخ و شیرین کار و شهر آشوب
چنان بردند صبر از دل که ترکان خوان یغمارا

Alas! those saucy lovely ones' those charming disturbers of our city; bear away patience from my heart as Turkomans their repast of plunder. (Robinson's Persian poetry).

Go boldly forth my simple lay,
Whose accents flow with artless ease,
Like orient pearls at random strung,
My notes are sweet the damsels say,
And oh far sweeter, if they please,
The nymph for whom they are sung. (Sir william Jones)

ز عشق نا تمام ما جمال یار مستغنی است
به آب و رنگ و خال و خط چه حاجت روی زیبارا

Yet the beauty of maidens is independent of our imperfect love, To a lovely face, what need is there of paints and dyes, of mole or down.

حدیث از مطرب و مے گو و راز دهر کمتر جو
که کس نکشود و نکشاید به حکمت این معمارا

Speak of the musician and of wine and search less into the secrets of futurity;

for no one in his wisdom ever hath discoverd or everwill discover that mystery.

من از آں حسن روز افزوں که یوسف داشت دانستم
که عشق از پردهٔ عصمت برون آرد زلیخا را

I can understand how the deauty of Joseph, which added now luster to the day,

withdraw zalikha from the veil of her modesty .

بدم گفتی و خور سندم عفاک الله نکو گفتی
جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکر خا را

Thou hast spoken evil of me , and I am contented - God forgive thee. Thou hast spoken well; for even a bitter word is beseeming when it cometh from a ruby sugar - dropping lip.

نصیحت گوش کن جاناں که از جاں دوست تر دارند
جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

Give ear O my soul, to good counceel , for better than their own souls love youths of happy disposition the admonition of the aged wise.

غزل گفتی و در سفتی ' بیاؤ خوش به خواں 'حافظ'
که بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

Thou hast composed thy ghazal ; thou hast strung thy pearls.

Come and sing it sweetly, O Hafiz, for heaven hath shed upon thy poetry the harmony — of the pleiades.

مندرجۂ بالا سطور میں ترجمے کے جو نمونے هدیۂ ناظرین کئے گئے هیں ' ان سے ارباب بصیرت یہ ضرور محسوس کرینگے کہ ترجمے میں جو زبان برتی گئی هے وہ انگلستان کی ٹکسالی زبان هے ' وہ ایسی زبان هے جو شب و روز وهاں بولی اور لکھی جاتی هے ' وہ ایسی زبان هے جو وهاں کے روز مرہ اور محاورے کے سانچے میں ڈھلی هوی هے' وہ ایسی زبان نہیں جس کو دیکھکر فصحاے انگلستان ناک بھوں چڑھائیں اور ٹکسال باهر سمجھہ کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیں' بلکہ وہ ایسی زبان هے کہ انگلستان کے آدمیوں اور انشا پردازوں کے لئے باعث ناز اور موجب افتخار هے - هم نے متعدد انگریز حضرات سے سنا هے کہ فٹز جیرالڈ نے عمر خیام سے صرف خیالات کا اقتباس کیا هے اور مشرقی جذبات کو مغربی لباس میں اس خوبی اور خوش اسلوبی سے پیش کیا هے کہ اگر وہ عمر خیام کا نام نہ لے تو کوئی متنفس اس پر سرقے کا الزام نہیں لگا سکتا - سی طرح پروفیسر براؤن کی نسبت علماے ادب کی یہ راے هے کہ " فارسی زبان کے شہ پاروں کو فصیح اور بلیغ انگریزی کا جامہ پہنانا اسی کا حصہ هے "- یہ هے ترجمہ جو مترجم کے لئے مایۂ فخر و ناز اور اس کی شہرت اور ناموری کے لئے چشمۂ آب حیات هے - اس کے بر عکس همارے یہاں کے ترجموں کو لیجئے اور ان پر ایک سر سری نظر ڈالئے ' آپ کو معلوم هوگا کہ همارے مترجم حضرات جو زبان برتتے هیں وہ اردو نہیں هے ' بلکہ اچھی خاصی انگریزی هے - وهی الفاظ و محاورات هیں ' وهی بندشیں اور ترکیبیں هیں ' وهی طرز ادا اور وهی اسلوب بیان هیں کہ بے کم و کاست اردو میں برتے جاتے هیں' اس لئے کہ ان بزرگ زادوں کے یہاں تصرف کا نام خیانت اور اجتہاد کا نام بد دیانتی هے —

موجودہ ترجمے اور تالیف کے نمونے

اب ہم موجودہ ترجمے اور تالیف کے چند نمونے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، جن کے مطالعے سے معلوم ہو گا کہ ہمارے نو عمر مترجم اور نو خیز مؤلف اس باب میں کیا کیا گل کاریاں فرمارہے ہیں —

(۱) ....ہمارے پاس جو کچھ ' کافی' معلومات ' ہے' ۔

(۲) (Hest) وہ ہے - (Jps Sout) ' وے' ہیں —

(۳) اطالیہ میں آسکن (Oscan) اور امبرین (Umdvian) کی طرح 'جو' دونوں لاطینی زبان سے تعلق رکھنے والی بولیاں تھیں —

(۴) تاریخی ' زمانے کے ' آس پاس ' (قریب)

(۵) زبانیں ' ترسیل خیال ' کے لئے بنتی ہیں (اظہار خیال)

(۶) انگریزی بولنے والا شخص ایسے شخص کے لئے جو صرف فرانسیسی جانتا ہو ' ناقابل فہم ہے' ۔

(۷) جس کا تلفظ ' کمزور' ہو گیا ہے ؟

(۸) زبان کی 'کوئی' اچھی خاندان واری تقسیم کرنے کے لئے.....الخ (کوئی زائد ہے)

(۹) وہ ' کہیں اور ابھی' ممکن نہیں (انگریزی انداز ہے)

(۱۰) خیام اور حافظ کے بعد کراے دو نے ' سعدی پر' لکھا ہے (پر=متعلق)

(۱۱) سعدی کا مرتبہ بحیثیت ایک 'متفکر اور معلم' کے دکھایا گیا ہے (متفکر غلط)

(۱۲) پہلے اور چوتھے ' بابوں' میں (باب میں)

(۱۳) سعدی ' شیریں ناصح ' اور ' خوشنام شاعر ' مقام شیراز سنہ ۱۱۸۴ ع میں بعہد اتابک پنجم ' فارس' پیدا ہوا۔

(۱۴) اسے دس دینار میں ' خرید کیا ' (خریدا)

(۱۵) خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم کو ' مناظر قدرت کے اندر دکھایا ' ہے ۔

(۱۶) یہ نظم فراغ اور باوسعت ہے —

(١٧) اور پھر 'محکم' اور دل نشین بھی ھے (فراخ اور با وسعت نظم کیسی هو تی ھے ' محکم کے کیا معنی؟)

(١٦) وہ اپنے ایک دوست سے استدعا کرتا ھے 'کہ وہ اس کے لئے اُس کی ادائیگی سے سبکدوشی حاصل کرے' (کہ میری طرف سے میرا قرض بیباق کردیں)

(١٧) اس نے مرافعہ کرنے کو ترجیح دی ھے - (اس نے مرافعہ دائر کیا ھے)

(١٨) جس کی تعریف بذریعۂ حدود کی گئی ھے- (جس کی حدیں معین کردی گئی ھیں)

(١٩) تم کو شریر ھونا چاھئے - (لازم ھے کہ تم شریر ھو)

(٢٠) برطانیہ اپنے اچھے دفاتر استعمال کریگی - (Good office کا ترجمہ ھے)

(٢١) بیکار لوگوں کی مضبوطی (تعداد)

(٢٢) ملکۂ ثریا عنقریب قید ھونے والی ھے - (اس کے بچہ ھونے والا ھے)

(٢٣) جس کی تعریف بطور بیوہ کے کی گئی ھے- (جس کی نسبت کہا گیا ھے کہ وہ بیوہ ھے)

(٢٤) اگر کوئی چیز فائدہ ھوگئی تھی تو اس سے تیکس متعلق تھا - (خدا جانے یہ کونسی زبان ھے)

(٢٥) وہ ایک خوش نصیب سپاھی تھا (Sddier of fortune)

(٢٦) نتیجے میں (٢٧) 'بدنصیب الفاظ' (٢٨) 'قابل افسوس عبارت' -

(٢٩) وہ ان کو 'وقتاً فوقتاً' ٹالتا رھا ھے (From time to time)

(٣٠) مرافع کی سماعت 'ھمارے روبرو' مرافعان کی موجودگی میں کی جاے گی (ھمارے روبرو = جو ھمارے روبرو ھیں)

(٣١) ملازم میں ایسی بداعمالی بھی ھوسکتی ھے جو معاهدۂ ملازمت کو ایک فریق کے بخلاف مرضی فریق ثانی ساقط کردینے کو جائز بنا ے—

(٣٢) وہ مسلمان جو ایک ھی مسجد میں 'عبادت کرتے' ھیں - (نماز پڑھتے ھیں)

(٣٣) ھمیں اس بات کا خفیف سا خفیف اندازہ بھی تو نہیں ھوتا کہ زمانۂ تاریخی سے پہلے جو ھزاروں سال گذرے ھیں ' یعنی اس قدیم زمانے میں جب انسان نے

پہلے پہل زبان کو حیات اجتماعی اور صنعتی اور ذہنی ارتقا کا وسیلہ بنایا تھا، کیا واقعات پیش آئے تھے۔ اگر یہ واقعہ ہے کہ ہم تمام مشترکہ زبانوں کی درجہ بندی نہیں کر سکتے؛ اور ہماری تحقیق اگر کہیں تھوڑی بہت کام آتی ہے تو صرف مختلف مجموعوں کی تقابلی صرف و نحو کے مطالعے میں اور اس صنف میں بھی ہم بجز سامی، فنی، یوگری، ملای، ایشیائی اور بانتو خاندانوں کے اور کسی کے متعلق کچھ نہیں کر سکے ہیں۔ تو ان سب باتوں سے یہ لازم آتا ہے کہ انسانی زبانوں کی وحدت یا کم از کم اُن زبانوں کے جو آج معروف ہیں، آغاز اور ابتدا کے مسئلے کو اٹھانا کچھ زیادہ سودمند نہیں ہوسکتا۔ (یہی زبان ہے جس کو "فرنگی اُردو" کہتے ہیں)

(۳۴) وہ شعر جنسے کسی پادشاہ وقت کی تعریف جو زندہ ہے، پائی جاتی ہو، اڑا دیے گئے ہیں۔ (وہ شعر اُڑا دیے گئے ہیں جن میں کسی بادشاہ وقت کی تعریف پائی جاتی ہو)

(۳۵) اب اشعری اور اہل سنت اکثر عقائد میں ——— ملتے ہیں (کب نہ ملتے ہے؟)

(۳۶) انسان اپنے افعال کا 'خود' مختار ہے (انسان خود مختار ہے۔ یا اپنے افعال کا مختار ہے)

(۳۷) دو سب سے اخیر بابوں میں (اخیر کے دو بابوں میں)

(۳۸) اس کے بعد سعدی کو اپنا ہم خیال بناکر دونوں دوست تفریح کُناں باہر کو روانہ ہوے (یہ دونوں دوست کون ہیں جنھوں نے سعدی کو اپنا ہم خیال بنایا تھا؟) (۳۹) علی الصباح جب واپسی کا ارادہ ہوا تو سعدی نے دیکھا کہ اس کے دوست نے اپنا دامن گل ریحان اور سنبل و ضمیران سے بھر رکھا تھا (بھر رکھا ہے) (۴۰) اس تصور کے زیر اثر نظمیں لکھیں

(۴۱) ممکن ہے کہ میں خود خریدار بن جاؤنگا (ممکن ہے کہ میں خود خریدوں)

(۴۲) ہر ممکن طریقے سے (۴۳) ہر ممکن کوشش کرونگا)

(۴۴) شیر خوار بچہ پھول کو دیکھ کر اپنا ننھا سا ہاتھ بڑھائیگا اور اصرار کریگا
کہ یہ اس سے (مجھسے) جدا نہ ہو —

(۴۵) وہ (یعنی آنکھ) فخریہ کہنے لگتی ہے کہ اس کی (میری) پیدائش
حسن کی خاطر تھی —

(۴۶) اس نے کہا کہ اس کے والد صاحب (میرے والد صاحب) اس سے (مجھسے) بہت
ناراض تھے (بہت ناراض ہیں)

(۴۷) اس نے مجھسے کہا کہ وہ لڑکی سے محبت کرنے لگا ہے (میں اس لڑکی سے محبت
کرنے لگا ہوں)

(۴۸) اسی کو سینے سے لگائے رہ کر میں نے زندگی کے دن گزارے ہیں —

(۴۹) مذہبی نقطۂ نگاہ کو چھوڑ کر (اگرچہ یہ ایک مسلمہ کے لئے نا ممکن ہے)
بھی ہم ترکوں کے طرز عمل کو اپنا نصب العین نہیں بنا سکتے —

(۵۰) اگر آپ اس کے ہمراہ اس کے معمل میں جائیں تو وہ یہی تماشا اپنے شیشے
کے آلات یا برقی بیٹری کے ذریعے بتلائیگا (دکھا ئیگا)

(۵۱) لیکن یہاں آپ کو یہ فائدہ ہوگا کہ آپ آرام و اطمینان سے آگ کے قریب بیٹھے
ہوے اور بغیر بجلی سے مضرت پہنچنے یا بارش سے بھیگنے کے خوف سے سب
کچھ دیکھ سکتے اور سن سکتے ہیں —

(۵۲) وینس کی دلہن —— جس کو شاعری، مصوری، نقاشی، بت تراشی اور موسیقی
ہمیشہ سے آراستہ کرتے آے ہیں (آراستہ کرتی آئی ہیں)

(۵۳) ان بیانات و خیالات کا میں کیا جواب دوں، جس کو سننے کے بعد کیمیاداں
کی نگاہیں اور خیالات ملٹن کے ابلیس کے خیالات کی طرح جو اس کے مرتبے
کے تنزل کے قبل تھے، بجنسہ پستی کی طرف مائل ہوتے ہیں، اور جو بجاے
کسی مقدس یا پاک شے کے نسبتاً دنیوی نمودونمائش دولت اور حقیر
سونے کو پسند کرتا - ان کے حصول کی کوشش کرتا ہے -

(۵۴) انگلستان میں دو عاشق و معشوق کی شادی ہونے والی تھی (عاشق ومعشوق کی شادی ہونے والی تھی)

(۵۵) شادی سے ایک روز پہلے عاشق زار نے اپنی ہونے والی دلہن کے (منگیتر کے) ایک چاہنے والے کی ایک نازیبا حرکت سے مشتعل ہوکر اُسے گولی کا نشانہ بنا کے مار ڈالا (اسے گولی کا نشانہ بنادیا۔ مگر کس کو؟)

(۵۶) ہر وہ شخص نہیں سمجھ سکتا جس نے اقلیدس شروع سے نہ پڑھی ہو ہر فضول ہے)

(۵۷) کلیم پونا کے ایک تعلیم یافتہ نوجوان میں سے تھے ۔ اول ڈویژن میں رہ کر اس نے ایک خاص اعزاز سے انٹرنس کاامتحان پاس کیا —

۵۸) کچھ مدت تک تو متلون مزاج متلون نواب زادہ اپنی بیوی کےساتھ خوش رہا (اپنی بیوی سے خوش رہا)

(۵۹) اور چونکہ سوائے اس بیٹی کے دوسرا کوئی اس کے حصے کا مالک نہ تھا ، اس لئے اپنے خسر کے مرنے کے بعد تمام آلات جغرافیہ اور بہت بڑا ذخیرہ بھری نقشوں اور دیگر مقامات کا جہاں جہاں اس نےاپنی زندگی میں سفر کیا تھا ، معہ گھر کے مال و اسباب ، سب کا مالک بیٹی اور داماد ہوئے ۔

(۶۰) حکمراں شاعر نہیں تھے (نہیں غلط ہے ۔ نہ تھے چاہئے)

(۶۱) اس کا سبب میر نے شاعرانہ طریقے سے بڑا پر لطف پیش کیا ہے (شاعرانہ انداز میں پر لطف طریقے سے پیش کیا ہے)

(۶۲) اس انتخاب میں قدیم طرز کے اشعار میں نے نہیں درج کئے ہیں ۔ اگر کوئی ملیں تو مجھے معاف کیجئے (اگر کوئی ملے یا اگر کچھ ملیں)

(۶۳) ان تینوں کے بعض وہ شعر ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں جن میں اس امر کی طرف اشارہ ہے (۱- بعض ایسے شعر- ۲- وہ شعر)

(۶۴) عطار کا کلام خود ان کے اپنے زمانے میں مدون نہیں ہوا (اپنے زائد ہے)

(۶۵) میں نے خود بھی' عرصہ ہوا ' پند نامہ' ایک خلاصے کے ذریعے سے جو براہ کرم میرے لئے حسن فہمی نے تیار کیا تھا مطالعہ کیا تھا - (پند نامے کا خلاصہ پڑھا تھا وغیرہ)

(۶۶) بعض متداول و معروف تشبیہات کے ساتھہ بعض عالی شان اور جلیل القدر خیالات پائے جاتے ہیں—

(۶۷) پانچ سو (پانسو) آدمی خیال کرتا ہے کہ وہ بوڑھا ہے (میں بوڑھا ہوں) اس کی مثال ایسے اونٹ کی ہے جو بندھی ہوئی آنکھوں سے چکی کے گرد گھومتا ہے- (وہ ایسا اونٹ ہے جس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے اور)

(۶۸) یہ حکایات اس روح (Spirit کا ترجمہ ہے) میں نہیں لکھی گئی ہیں جو سعدی میں پائی جاتی ہے -

(۶۹) جسے میں کسی قدر مختصر پیرایے میں درج کرتا ہوں (مختصر طور پر)

(۷۰) وہ آگ فوراً اس ایندھن میں لگ جاتی ہے' جو ققنس نے جمع کرلیا ہے (جمع کر رکھا ہے) اور ہلکے ہلکے (آہستہ آہستہ) اسے جلا دیتی ہے

(۷۱) قاضی نے صوفی کو حکم دیا کہ وہ ان الفاظ سے توبہ کرے (قاضی نے حکم دیا کہ ان الفاظ سے توبہ کرو)

(۷۲) ۱۰-شوال تاریخ وصال قاضی صاحب کا عرس .... کیا جاتا ہے (کیامعنی؟)

(۷۳) اور اس وقت تک شاعری کی ہر صنف میں قسمت آزمائی کرچکے تھے (طبع آزمائی)

(۷۴) گاؤں کے مکھیا نے قاضی صاحب سے اظہار ہمدردی کی (کیا)

(۷۵) قاضی صاحب نے کہا اچھا لیجئے (لیجئے زائد ہے) میں کوشش کرونگا تمہاری بات نہ ٹالونگا —

(۷۷) شیخ نے فرمایا کہ تصور شیخ کیا کرو۔ اور اس کی مشق یہاں تک بہم پہنچاؤ کہ " من تو شدم تو من شدی " کا قول صادق آجائے اور مرید اور شیخ میں وہی رشتہ اور تعلق نہ ہوجائے جو جسم کو روح سے ہے (نہ غلط ہے)

(۷۸) کتاب کا آخری حصہ جس میں تاریخ تصنیف کتاب ضرور رہی ہو گی (ضرور ہو گی)

(۷۹) ظاہرا شکل و صورت (ظاہری)

(۸۰) اس کی روح ان تمام ردو بدل سے بری ہے (اس تمام ردو بدل سے)

(۸۱) اس کا سمجھنا ذرا بہت مشکل ہے - (ذرا زائید ہے)

(۸۲) دونوں قریب قریب ایک ہی ہیں (دونوں قریب قریب ایک ہیں - بلکہ یکساں ہیں)

(۸۳) ان اشعار میں عشق حقیقی کا اصل ترک دنیا ' ترک آرزو پر نہایت قرینے کے ساتھہ روشنی ڈالی گئی ہے (کیا معنی ہیں ؟)

(۸۴) اگر تم میری مدد کرو تو میرا دامن معصیت بالکل دھل جائے ' مدد کیجئے (شتر گر بہ ہے)

(۸۵) اظہار معصیت محض اس لئے کرتے ہیں تا کہ وہ اپنی عبادت وغیرہ پر تکیہ کر کے نہ بیٹھہ جائیں (تا کہ غلط ہے کہ چاہیے)

(۸۶) بنگ سبب ہے اور محبت اس کا لازمی اثر (نتیجہ)

(۸۷) ایک زمانہ تھا کہ بنگ بنگاب سے بے نیاز تھا (تھی)

(۸۸) اس کی بدولت ہم دنیا سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں (دنیا کو)

(۸۹) بنگاب کے زیر تحت رہیں ' (ما تحت)

(۹۰) بنگ کے سر بستہ ہائے راز کو انہوں نے منکشف کر دیا ہے (راز ہائے سربستہ)

(۹۱) ' ک ' کے نیچے تین نقطے رکھنے سے وہ ' گ ' ہو جاتا ہے (وہ زائد ہے)

(۹۲) ' ر ' کے نیچے تین نقطے رکھنے سے وہ ' ڑ ' ہو جاتا ہے (ڑ ہو جاتی ہے)

(۹۳) کہیں سنہ ۱۸۷۰ ع میں جرمن ایک متحد قوم بن پائے -

(۹۴) ان گدھوں کی طرح ' لاطینی ' حرفوں سے نہ پوچھنا چاہئے کہ جرمن زبان کیوں کر بولی جائے ' بلکہ گھر میں بیٹھنے والی ماؤں سے ' سڑک پر کھیلنے والے بچوں سے ' بازار میں پھرنے والے لوگوں سے (خدا جانے کیا مفہوم ہے)

(۹۵) سولہویں صدی کی ' ادبی پیداوار ' سوائے مذہبی کتبوں وغیرہ کے اور کچھ نہ تھی -

(۹۶) (Plays) 'کھیل ڈراما' کی (Spirit) ' روح' سے خالی ہیں-

(۹۷) اس کا سب سے پہلا ناول ایک آوارہ گرد کی خود نوشتہ سوانح عمری کے طور پر (عنوان سے) شائع ہوا —

(۹۸) اس کی غنائی شاعری موسیقی سے خالی ہے (خالص انگریزی انداز بیان ہے)

(۹۹) ایک گروہ اس کا مخالف تھا ' جو اس کی واقعیت پسندانہ کو مخرب اخلاق سمجھتا تھا (واقعیت پسندانہ کیا ؟)

(۱۰۰) وہ ان پردوں کے پیچھے انسانیت کے عین کو دیکھتا ہے (عین کیا معنی ؟)

(۱۰۱) اس کی سعی سے ملک کے نظم و نسق میں کوئی دیر پا خارجی نتائج حاصل 'نہیں ہوئے' -

(۱۰۲) تمدن کے نمونے اور کلاسیکی روح کے مجسمے ملے -

(۱۰۳) جرمنی کی اسٹیج پر کویلوں کا قبضہ تھا - (فرنگی اردو ہے) -

———

مندرجۂ بالا سطور میں ترجمے اور تالیف کے جو نمونے ھدیۂ ناظرین کئے گئے ھیں وہ ان جوانان ادب کے زور طبع کے نتائج ھیں ' جو شہرت اور ناموری کے پروں پر اُڑے چلے جاتے ھیں - اور انگریزی انشا و ادب کی اعانت و امداد سے سلطنت اردو کو اپنی قلمرو میں شامل کر رھے ھیں - لیکن سوال یہ ھے کہ کیا ان نمونوں پر اردو کا اطلاق ھو سکتا ھے ' کیا کوئی مبصر اور ماھر زبان ان پر اردو کا انہام عائد کر سکتا ھے ؟ کیا کوئی کہہ سکتا ھے کہ یہ اردو روز مرہ کے نمونے ھیں ؟ کیا کوئی شخص لکھہ سکتا ھے کہ ان میں اور انگریزی میں کچھہ فرق ھے ؟ ھرگز نہیں - ھمارے نزدیک تو یہ اچھی خاصی انگریزی ھے 'جو انگریزی داں حضرات کے قلموں سے ٹپک پڑی ھے - سیدھی سادی اردو لکھنی اور دلی اور لکھنو کے روز مرہ کی پیروی کرنی انھیں لوگوں کا کام ھے جو شہرت اور ناموری کے میدان میں پیچھے رھنا چاھتے ھیں -

زندگی کے ھر شعبے میں دو قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ھے - ایک تو وہ لوگ ھیں جو ترقی کرنا اور آگے بڑھنا اپنا فرض سمجھتے ھیں - دوسرے وہ بزرگ ھیں جو روایات قدیم سے انحراف کرنا اور کسی ناسپردہ راستے میں قدم رکھنا خلاف ایمان تصور فرماتے ھیں- اس امر میں سر موشک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ لکیر کا فقیر رھنا اور رسم و رواج قدیم کی بندشوں سے آزاد نہ ھونا گناہ کبیرہ ھے - لیکن جدت طرازی اور اختراع پسندی کے شوق میں مسلمہ حدود و قیود کو نظر انداز کرنا اور قدیم نمونوں کو توڑ پھوڑ کر رکھدینا کونسی دانائی اور کہاں کی ترقی ھے - ھمارے نزدیک جدت طرازی اور حدودشکنی صرف انھی بزرگوں کا حصہ ھے جو سالہا سال غور وفکر کی داد دیتے ھیں اور مدت العمر کی متواتر اور لگاتار کدو کاوش کے بعد اپنی ذات میں وہ قابلیت پیدا کرلیتے ھیں جو آگے بڑھنے اور جدت دکھانے کے لئے ضروری ھوتی ھے - دنیا عالم اسباب ھے یہاں یکساں اسباب سے یکساں

نتائج نکلتے ھیں - نومشق اور خام سداں حضرات نہ کبھی ترقی کرسکے ھیں ' نہ قیامت تک کرسکیں گے - دو آن مل اور بے جوڑ لفظوں کو پاس پاس رکھہ دینا اور اس کو جدت اور ندرت قرار دینا انھی لوگوں کا کام ھے ' جو ذوق سلیم سے بے بہرہ ھیں - جب تک قدامت پرستی اور جدت پسندی ایک جگہ جمع نہیں ھوتیں اس وقت تک اصلی اور حقیقی معنی میں ترقی نہیں ھوتی - ھمارے نزدیک اس دور میں اِس امر کی سخت ضرورت ھے کہ ایک محکمہ قائم کیا جاے اور اس کا نام " محکمۂ احتساب ادب " رکھا جاے - اور اس کو یہ خدمت سپرد کی جاے کہ پہلے ھر مضمون پر نقادانہ نظر ڈال لے اور اس کے بعد اس کو شائع ھونے کی اجازت دے : ورنہ وہ وقت دور نہیں ھے کہ اُردو اُردو نہ رھے گی ' اچھی خاصی انگریزی بن جائے گی —

اس مقام پر ھمارے نام نہاد جدت پسند حضرات کی طرف سے یہ اعتراض ھوگا کہ " ھر زبان کی یہی حالت ھے اور ھر زبان کو کم و بیش یہی مدارج طے کرنے پڑے ھیں - کوئی زبان اس سے مستثنیٰ نہیں ھے - ھر ملک اور ھر قوم کے نوجوان اپنی زبان کی خدمت اپنے دوش ھمت پر لیتے ھیں ' اس میں طرح طرح کے نمونے جمع کرتے ھیں. اور اس طرح اپنی زبان کو سرمایہ دار بناتے ھیں " - اس میں کچھہ شک نہیں کہ یہ عمل یوں ھی جاری رھا ھے اور یوں ھی رھے گا - مگر محکمۂ احتساب بھی ھمیشہ قائم ھوتا آیا ھے اور ھمیشہ قائم ھوتا رھےگا - انگریزی اس قدر وسیع اور سرمایہ دار زبان ھے کہ اس کی تقلید جزو ایمان سمجھی جاتی ھے مگر اس کے باوجود بھی " احتساب " کا یہ عالم ھے کہ بال کی کھال نکالی جاتی ھے اور لفظ لفظ کی قدر و قیمت معین کی جاتی ھے - ' نگار ' ھندوستان میں نہایت مقتدر رسالہ ھے - اُس کے مدیر ھمہ داں ھیں - اطراف و جوانب سے استفسارات کی بھرمار ھوتی ھے - اور وہ ھمہ داں فاضل اُن سب کا جواب دیتے ھیں - اسی مقتدر رسالے کے

کسی نمبر میں ایک دفعہ ایک قدامت پرست بزرگ نے جناب مدیر سے ذهنیت کے متعلق کچھ سوال کیا تھا - آپ نے فرمایا کہ " یہ لفظ Mentality کا صحیح ترجمہ هے ' اس لئے آپ کو بھی اپنی ذهنیت میں تبدیلی کرنی چاهئے " - مگر فاضل همہ داں کو یہ معلوم نہیں هے کہ انگریزی Mentality کے خلاف اس سے کہیں زیادہ جہاد کیا جاتا هے ' جس قدر اردو میں ذهنیت کے خلاف روا رکھا جاتا هے- اگر جناب مفتی ادب کی نظر میں یہ نکتہ هوتا تو اس فضول اور بیکار لفظ کی حمایت سے پرهیز کرتے۔ اس کے علاوہ هم اپنے جدت پسند حضرات سے یہ دریافت کرتے هیں کہ اگر اردو کی جگہ فرنگی اردو نے لےلی تو اس کا نتیجہ کیا هوگا ؟ همارے نزدیک اس کا لازمی نتیجہ یہ هوگا کہ اس اردو کو صرف وهی بزرگ سمجھہ سکیںگے جن کی آنکھیں انگریزی علم ادب کے مطالعے سے روشن هیں اور جن کی نظر میں وہ انداز بیان پہلے سے موجود هے جس کی تقلید مقصود هے - لیکن جو لوگ اس نعمت عظمیٰ سے بے بہرہ هیں ' وہ محروم رہ جائیںگے- اور جب یہ لوگ محروم رهے تو جناب کی جدت طرازیاں اور معنی آفرینیاں کس کام آئینگی - کیا جناب کے سامنے وہ بزرگ زانوے ادب تہ فرمائینگے جو انگریزی تعلیم اور انگریزی اندازبیاں دونوں سے واقف هیں؟ کیایہ حضرات جناب کی سعی وکوشش کے محتاج هیں- یا ان بزرگوں کوآپ کی اعانت و امداد کی ضرورت هے؟ اگر آپ کا یہ خیال هے تو غلط اور سراسرغلط هے - جس قدر جلد آپ اس کو نکال ڈالینگے ملک وقوم اور زبان و ادب پر آپ اسی قدر احسان فرمائینگے - همارے نزدیک جو لوگ آپ کی خدمت کے محتاج اور آپ کی امداد کے خواهاں هیں' وہ وهی لوگ هیں جو آپ کی زبان سمجھنے سے قاصر هیں- کیا هندوستان کے طول و عرض میں کوئی اردو داں شخص ایسا هے جو " اچھے دفاتر" کا مطلب سمجھہ سکے اور " بدنصیب الفاظ " اور "قابل افسوس عبارت" کی کنہ تک پہنچ جاے؟ اگر کوئی شخص ان انوکھی اور نرالی ترکیبوں کو سمجھہ سکتا هے تو وہ وهی شخص هے جس کی آنکھیں "ادبیات انگریزی" سےروشن هیں - همارے

نزدیک "Soldier of fortune" کا ترجمہ " خوش نصیب سپاھی " کرنا اور اس کو دیانت اور امانت قرار دینا دیانت اور امانت کا منہ چڑانا ھے —

اس مقام پر ایک اعتراض اور بھی ھوسکتا ھے وہ یہ ھے کہ ایک زمانہ تھا کہ عربی فارسی وغیرہ سے اردو میں ترجمہ کیا جاتا تھا - اس وقت جو لوگ مشرقی زبانوں سے اردو میں ترجمہ کرتے تھے وہ عربی اور فارسی ترکیبیں اسی کثرت سے برتتے تھے' جس قدر اس دور میں انگریزی ترکیبیں برتتے ہیں - مثلاً

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں

ھر اک سے پوچھتا ھوں کہ جاؤں کدھر کو میں ' مرزا غالب '

اس شعر میں " چھوڑا نہ رشک نے " خالص فارسی ترکیب ھے - جو " رشکم نہ گذاشت " کا لفظی ترجمہ ھے - اس کے جواب میں ھم معترض حضرات کی خدمت میں یہ عرض کرتے ھیں کہ فارسی اور انگریزی میں کسی قدر فرق ھے' اگر وہ فرق نظر میں ھوتا تو یہ اعتراض نہ کیا جا تا - وہ فرق یہ ھے کہ جس وقت فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا جاتا تھا' اس وقت ھماری زبان فارسی تھی یا کم از کم تعلیم یافتہ گھرانوں میں بے تکلف سمجھی جاتی تھی - اس لئے اردو میں فارسی کی تقلید غیرمانوس اور ناقابل فہم نہ تھی بلکہ کلام میں ایک خاص لطف پیدا کردیتی تھی اور سننے والے کو یہ محسوس ھوتا تھا کہ ھماری ھی چیز ھے- جو مختلف لباسوں میں ھمارے سامنے جلوہ گر ھے' لیکن اس زمانے میں انگریزی ھماری زبان نہیں ھے اور نہ کوئی خاندان ایسا نظرآتاھے جس میں انگریزی مادری زبان کی حیثیت سے بولی جاتی ھو اور اگر کوئی ایک آدھ خاندان ایسا ھے بھی تو اُس کو اُردو اور ترقی اُردو' دونوں سے کچھہ سروکار نہیں- اس لئے ھم بلاتکلف کہہ سکتے ھیں کہ فارسی سے ترجمہ کرتے وقت ھماری الفاظ پرستی نبھہ گئی ' لیکن انگریزی سے ترجمہ کرتے وقت نہیں نبھہ سکتی - مثال کے طور پر ھم ایک انگریزی نظم پیش کرتے ھیں جس کا پہلا ٹکڑا یاد رہ گیا ھے "The poem hangs on the berry bush"

اس کا ترجمہ ایک صاحب کہاں بزرگ ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ" نظم " بیری کی جھاڑی " پر لٹکتی ھے" - ھم جناب مترجم کی خدمت میں نہایت ادب و انکسار سے التماس کرتے ھیں کہ آپ تمام ھندوستان کا سفر کریں اور اس سرے سے اس سرے تک چکر لگائیں اور اردو داں حضرات سے دریافت فرمائیں کہ " بیری کی جھاڑی " کے کیا معنی ھیں: اس کے جواب میں ھر شخص یہی کہے گا کہ بیری ایک درخت ھے جس میں بیر لگتے ھیں - آپ کو ایک شخص بھی ایسا نہ ملے گا جو اس کا مفہوم وھی سمجھتا ھو جو جناب کے ذھن میں ھے - اب مجبور ھوکر جناب فرمائیں گے کہ صاحب وہ "بیری کا درخت" ھے' یہ "بیری کی جھاڑی" ھے ' ان دونوں میں فرق ھے' وہ ھندوستانی "بیری" ھے یہ انگریزی "بیری" ھے - اس کے جواب میں وہ عرض کرے گا کہ جناب یہ تو معلوم نہیں کہ انگریزی "بیری" کسے کہتے ھیں اور اس کے معنی کیا ھیں ' لیکن "بیری کی جھاڑی" کے جو معنی ھمارے ذھن میں آئے ھیں وہ تو ھندوستانی ھیں انگریزی نہیں' ھم جاھل اور ناخواندہ لوگ انگریزی کو کیا سمجھ سکتے ھیں - اس کے جواب میں جناب فرمائیں گے کہ حضرت 'درخت' اور جھاڑی میں بہت فرق ھے' آپ دونوں کو ایک کیوں سمجھتے ھیں" - اب وہ کہے گا کہ حضور فرق تو ضرور ھے ' مگر میں نے اپنے دل میں سمجھ لیا تھا کہ آپ کسی ایسے علاقے کے باشندے ھیں جہاں درخت کو جھاڑی کہتے ھوں گے - بہر کیف "بیری کی جھاڑی" سے ھم جو کچھ سمجھ سکتے ھیں وہ تو یہی ھمارا بیری کا درخت ھے' باقی آپ جانیں اور آپ کی "بیری کی جھاڑی" جانے - اس جواب سے کبیدہ خاطر ھوکر جناب فرمائیں گے کہ اچھا "Berry bush" کا ترجمہ کیا کیا جائے - اس کے جواب میں ھم جناب سے عرض کریں گے کہ بیری کو نکال دیجئے "جھاڑی" رھنے دیجئے' کام چل جائے گا - اگر ادب و انشا کی شان دکھانی منظور ھے تو "اشجار و نباتات" وغیرہ الفاظ موجود ھیں' ان سے کام لیجئے؛ لیکن اردو داں پبلک کو اندھیرے میں نہ رھنے دیجئے اس لئے کہ اس نظم میں "بیری" کی کوئی خصوصیت نہیں' جو

چیز مقصود بالذات ہے وہ سرسبز اور ہرا بھرا درخت ہے کوئی خاص درخت نہیں کہ خواہی نخواہی اس کا اظہار کیا جائے - خدا جانے وزن اور قافیے کی کیا کیا مجبوریاں ہوں گی جن کے باعث شاعر کو "Berry bush" لکھنا پڑا ہوگا' اگر یہ مجبوریاں نہ ہوتیں تو آپ دیکھ لیتے کہ شاعر صرف "bush" لکھتا - "Berry bush" ہرگز نہ لکھتا - اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ شاعر کی مجبوریوں کی تقلید کریں اور اردو داں حضرات سے ایسا لفظ رو شناس کرائیں جس کا مفہوم وہ غلط سمجھنے پر مجبور ہیں - اس کے علاوہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ لفظ "Berry" نہایت اہم اور ضروری لفظ ہے اور اس کے بغیر کسی طرح کام نہیں چل سکتا تو ہم عرض کریں گے کہ جذبات انگیزی اور شعر آفرینی میں لفظ "Berry" (بیری) کو جو کچھ دخل ہے وہ انگریزی میں ہے اُردو میں نہیں ہے - اس لئے کہ ہندوستان میں بیری کو واقعات حیات سے اگر کوئی تعلق ہے تو وہ یاس خیز اور غم انگیز ہے' یعنی اس کے پتے گرم پانی میں ڈالے جاتے ہیں اور ان سے مُردے کو غسل دیا جاتا ہے - اگر اس درخت کو جذبات مسرت و انبساط سے کوئی واسطہ ہوتا تو ادب اردو میں کہیں تو ذکر آتا - ہمارے نزدیک اس نظم کا مفہوم یہ ہے کہ تلامیذالرحمٰن حضرات کی شعر بیں نگاہیں جب کسی تر و تازہ اور سر سبز نو نہال کی نازک پتیوں اور نرم نرم پنکھڑیوں پر پڑتی ہیں تو ان میں شعر و قصائد کے دفتر کے دفتر مضمر پاتی ہیں - یعنی جوانان چمن کے خدا داد اور طرب انگیز حسن کو دیکھ کر عاشق مزاج شاعر کے دل میں شعر گوئی اور شعر خوانی کے جذبات موجزن ہوجاتے ہیں - اسی طرح جب شکسپیر کسی بازار میں سے گذرتا ہے تو وہ بازار بازار نہیں رہتا بلکہ تھیٹر بن جاتا ہے - یعنی ملک الشعراے انگلستان کی فطرت شناس نگاہیں بازاروں اور تجارت گاہوں میں فطرت انسانی کے ایسے ایسے اسرار و معارف دیکھ لیتی ہیں جو سطح بیں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں - یہ خداے سخن ان کو لیتا ہے اور ان کو غیر فانی اور لازوال ڈراموں کی تصنیف میں صرف کرتا ہے - ہمارے نزدیک یہاں بھی شکسپیر کی کوئی قید نہیں ہے -

اس لئے کہ یہاں یہ لفظ حقیقت میں اسم معرفہ نہیں ہے بلکہ نکرہ ہے اور اس سے اعلی درجے کا ڈراما نویس شاعر مراد ہے - یعنی جب کسی اعلی درجے کے ڈراما نویس شاعر کا گذر بازاروں اور تجارت گاھوں میں ہوتا ہے تو اس کی فطرت شناس نگاھیں فطرت انسانی کے گہرے اسرار و معارف تک پہنچ جاتی ہیں اور وہ ان کو ڈراما نویسی میں صرف کرتا ہے، حالانکہ بازاروں اور تجارتگاھوں کو شعر گوئی اور مضمون آفرینی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ چیزیں تو شاعرانہ جذبات کے حق میں سم قاتل ہیں- اگر غور سے دیکھا جاے تو شاعر کا منشا وہی ہے جو ' عرفی ' کے اس شعر سے پایا جاتا ہے :

هر کس نه شنا سندهٔ راز است و گرنه
این ها همه راز است که معلوم عوام است

اب ہم فاضل مترجم سے دریافت کرتے ہیں کہ جناب کے ترجمے سے پڑھنے والوں کے دلوں پر یہی اثر ہوتا ہے کہ نہیں - اگر نہیں ہوتا تو کیا جناب کامیاب ہیں اور جناب کی سعی مشکور ہے ؟ کیا ملک و قوم پر جناب کا کوئی احسان ہے، یا زبان و ادب پر جناب کی کوئی عنایت ہے ؟

اگر یہ کہا جاے کہ جامعۂ عثمانیہ کے طلبا انگریزی جانتے ہیں ' اس لئے ان کےسامنے فرنگی اردو کے نمونے پیش کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟ تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ ترجمے کی کیا ضرورت ہے - انگریزی میں علوم کی تعلیم کیوں نہیں دی جاتی ؟ اور برطانی ہندوستان کی اور یونیورسٹیوں کی تقلید کیوں نہیں جاتی ؟ آخر کوئی تو خوبی ہے کہ رسم قدیم سے انحراف کیا گیا اور اردو کو ذریعۂ تعلیم قرار دیا گیا ہے ہمارے نزدیک اردو سے انحراف کرنا اوراس کی جگہ ' فرنگی اردو ' سے کام لینا اس مقصد کو فوت کرنا ہے، جس کے لئے جامعۂ عثمانیہ عالم وجود میں جلوہ گر ہے —

———

اصول تراجم

اب هم اپنی ناقص عقل و راے کے مطابق چند اصول ملک و قوم کے سامنے پیش کرتے هیں اور اپنے الوالعزم نو جوانوں سے درخواست کرتے هیں که ان پر غور کریں اور یه دیکھیں که وه اصول مذاق سلیم کے معیار پر پورے اُترتے هیں که نهیں - اگر اُنهیں اپنے لئے مفید اور کار آمد پائیں تو اُن پر کار بند هوں ' ورنه اپنے لئے کچهه اور اصول مقرر کریں اور ان سے شمع هدایت کا کام لیں تاکه ترجمے کی تنگ و تاریک گهاٹیوں میں سر ٹکراتے نه پهریں —

---

(۱) اسماے معرفه

اسماے معرفه کی دو قسمیں هیں (۱) اسماے اشخاص (۲) اسماے مقامات۔

اسماے اشخاص کے متعلق یه اصول هے که اصل زبان کے تلفظ کا اتباع نه کیا جاے بلکه قطع و برید کر کے اس کو اپنی زبان کے سانچے میں ڈهال لیا جاے - مثلاً Gallon سے جالینوس - ' Socretes ' سے سقراط ' Aristotles ' سے ارسطو اور ' Plato ' سے افلاطون بنانا انهی بزرگوں کا کام تها ' جنهیں ' دربار ادب ' سے ذوق سلیم عطا هوا تها - ورنه همارے زمانے کے نو عمر اور خام مذاق حضرات تو ' Ptolmy ' کو پٹالمی لکهتے هیں اور اس پر فخر و مباهات کی بنیادیں اٹهاتے هیں - حالانکه اب سے صدیوں پهلے بزرگان عرب اس کو ' بطلیموس ' لکهه گئے هیں - همارے نو خیز علماے ادب کے علم و فضل کا یه عالم هے که اُن کو یه بهی معلوم نهیں که انگریزی میں اس کا صحیح تلفظ ٹالمی هے یا پٹالمی ' اگر یه ' علم برداران ادب ' صرف اتنی زحمت گوارا فرماتے که کسی ڈکشنری کو کهول کر دیکهه لیتے تو وه کم از کم اپنی انگریزی دانی کا پرده نه کهلنے دیتے —

اسی طرح انگریزی میں Herschel ایک لفظ هے ' جس کا تلفظ هرشل هے ' مگر

دلدادگان تقلید کا مذاق گوارا نہیں کرتا کہ زبان کے کسی حرف کو بیکار رہنے دے اس لئے وہ اسکو ' ہر سچل ' بنالیتے ہیں - چنانچہ ' شارلمین ' کو چار میگن بنانا اور ' لین ڈین' کو ' لین تیگنی' دکھانا انہی کی شان تبحر کے شایاں اور انہی کی ہمت کے لائق ہے جو محض سرمائے کی بدولت ' سلطنت انشا و ادب' کو فتح کرنا چاہتے ہیں - جن بزرگوں نے ' Pharoah ' کی جگہ فرعون تراشا تھا ان کا مذاق قابل تقلید تھا ' مگر ہمارا مبلغ علم بھی کچھ کم لائق تعریف نہیں ہے کہ انگریزی تلفظ اردو میں برتنا جزو ایمان سمجھتے ہیں اور فرعون کی جگہ پھیروہا ' اور ' موسیٰ' کی جگہ 'موزیز' لکھنا اپنے لئے ذریعۂ نجات خیال کرتے ہیں —

ہمارے نزدیک اس زمانے کے مترجم اور مؤلف حضرات کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ انگریزی اسمائے اشخاص کو لیں ' اس کا صحیح تلفظ معلوم کریں اور یہ دیکھیں کہ ہماری زبان کی نزاکت اس کی متحمل ہو سکتی ہے کہ نہیں - اگر ہو سکتی ہے تو اس کو اصلی صورت میں لے لیں' ورنہ قطع و برید میں سر مو تکلف نہ کریں - مثلاً بلٹن' پوپ گرے ' جانسن' تینی سن' ولیم' واسن' کارلائل' گرین' میکالے' چرچل' سا ئمن' ہکسلے' ریڈنگ' ہلیے وغیرہ ایسے اسم ہیں کہ اردو میں آنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ' ان کے متعلق کسی قسم کی کد و کاوش کی ضرورت نہیں' ان کو بے تکلف اُن کی اصلی صورت میں لےسکتے ہیں —

(۲) اس کے بعد ایسے اسمائے اشخاص کا نمبر ہے جو حروف کے اعتبار سے ثقیل ہیں' مگر تلفظ کے لحاظ سے ثقیل نہیں ہیں ' اس لئے لازم ہے کہ اردو میں ان کو اس انداز سے لیا جائے کہ ثقل دور ہو جائے' مثلاً Vaghan (واگھن) نہایت ثقیل ہے مگر ' وان' ثقیل نہیں ہے اور یہی صحیح ہے - اسی طرح Pugh کا تلفظ 'پگھ' نہیں ہے بلکہ 'پیو' ہے - اس لئے اگر 'وان' اور 'پیو' کو لیا جائے تو ثقل بھی دور ہو جاتا ہے اور مترجم کا دامن سہو و خطا سے بھی

پاک ہو جا تا ہے - ریڈلے ' برلے ' لیسٹر ' گلاسٹر ' پیجٹ وغیرہ بھی اسی قسم کے اسماے اشخاص ہیں کہ حروف کے اعتبار سے ثقیل اور تلفظ کے اعتبار سے لطیف ہیں —

(۳) اس کے بعد ایسے اسماے اشخاص کو لیجئے جن کے املا و تلفظ میں کچھ فرق نہیں ' مگر ہماری زبان کی نزاکت ان کے ثقل کے تحمل سے عاجز ہے - مثلاً Aristotle اس کا تلفظ انگریزی میں بھی یہی ہے جو اس کے حروف سے ظاہر ہے - اس میں جتنے حرف ہیں سب ضروری ہیں - نہ کوئی زائد ہے نہ ساقط از آواز ' مگر اردو میں آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا - یہاں تک کہ قدماے عرب نے بھی اس میں تصرف کیا اور اسے ارسطا طالیس بنالیا جو کم ہوتے ہوتے صرف ارسطو رہ گیا - اب یہ اس قابل ہے کہ اردو میں بے تکلف برتا جاے اسی طرح Socretes (ساک - ری - ٹیز) کا ثقل ناقابل برداشت تھا ' مگر مذاق سلیم کا خدا بھلا کرے ' سقراط ' بناکر ہم پر اور ہماری زبان پر احسان کردیا - اسی طرح Daniel کا صحیح تلفظ (ڈے - نی - ال) تھا جو ذرا سے تصرف سے دانیال بن گیا - قدماے عرب نے جوزف ' جونز اور جیکب کو یوسف ' یونس اور یعقوب بنالیا تھا ' مگر واے برحال ما کہ اپنی شے غیروں سے لیتے ہیں اور اس انداز سے لیتے ہیں کہ اُنھی کا عطیہ معلوم ہوتا ہے —

اس باب میں ہمارے زمانے کے مترجم اور مؤلف حضرات کا فرض ہے کہ اپنے اجتہاد سے کام لیں اور قطع و برید کرکے الفاظ کو اس قدر لطیف کرلیں کہ ہماری زبان پر بار نہ ہوں - مثلاً لیبالٹ ' یا لیبولت ثقیل ہے ' لیبال بنالیجئے ' ثقل دور ہوجاے گا ' لفظ زبانوں پر پھسلنے لگیگا اور اس انداز میں آجائیگا کہ گویا خالص اُردو زبان کا لفظ ہے - اسی طرح لب نٹز کو لب نز بنا لیجئے کہ ثقل سے نجات ملے —

اس مقام پر یہ احتمال ہے کہ کہیں یورپ نواز حضرات کی طرف سے یہ اعتراض نہ ہو کہ جرمنی اور فرانسیسی وغیرہ کی اکثر کتابوں کے ترجمے انگریزی میں شائع ہوتے ہیں، اُن میں اسماے اشخاص میں کسی قسم کا تصرف روا نہیں رکھا جاتا، بلکہ اُن کو بے کم و کاست اُسی طرح ہدیۂ ناظرین کردیا جاتا ہے، جس طرح اصلی زبانوں میں لکھے جاتے ہیں۔ اس کے جواب میں ہم اُن حضرات کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ اُن زبانوں میں اور اُردو میں ایک گونہ فرق ہے۔ وہ سب زبانیں رومی حروف میں لکھی جاتی ہیں، ان کا رسم خط ایک ہے، اس کے برعکس اُردو کا رسم خط ان سے مختلف ہے، وہاں ایک زبان کی تقلید دوسری میں ممکن ہے، یہاں ممکن نہیں ہے۔ اُردو، فارسی، اور عربی کا رسم خط قریب قریب ایک ہے، اس لئے کہ یہ سب کی سب زبانیں عبرانی حرفوں میں لکھی جاتی ہیں۔ جب عربی یا فارسی کی کسی کتاب کا ترجمہ اُردو میں کیا جاتا ہے تو اسماے اشخاص کے باب میں کوئی خاص دقت پیش نہیں آتی، جس طرح وہ عربی فارسی وغیرہ میں لکھے جاتے ہیں، اسی طرح اُردو میں حوالۂ قلم کردیے جاتے ہیں۔ مثلاً عبدالرحمٰن اور عبدالرحیم وغیرہ اُردو میں بجنسہ اسی طرح لکھے جاتے ہیں جس طرح عربی میں لکھے جاتے ہیں لیکن انھی کو رومی حروف میں لکھئے اور 'ال' کو ساقط نہ کیجئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ اسی طرح فارسی کے الفاظ 'خود' و 'خویش' وغیرہ کو لیجئے اور واو معدولہ کو قائم رکھنے کی کوشش کیجئے، ایک آن واحد میں آپ کے علم و فضل کی قلعی کُھل جائیگی —

(ب) اسماے مقامات

(الف) ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ 'روزیٹا' کیا ہے اور 'ڈیمیٹا' کہاں ہے۔ مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ 'رشید' کیا ہے اور 'دمیاط' کس کو کہتے ہیں۔ حالانکہ 'روزیٹا' اور 'ڈیمٹا' انھی دونوں کی خرابی ہے

جب کوئی یورپین بزرگ ' مصر ' کا جغرافیہ لکھنے بیٹھے ہونگے تو ' رشید ' پر ان کی نظر پڑی ہوگی ' اس کو انھوں نے اپنی زبان کی نزاکت پر ایک گونہ بار محسوس کیا ہوگا اور اسے ' رشیت ' یا ' رشیت ' بنا لیا ہوگا اس کے بعد رزیت اور روزیت ہوا ہوگا ' اس کے بعد روزیٹا ہوگیا ہوگا ' جو اب رائج ہے - یہی مصیبت ' دمیاط ' پر نازل ہوئی ہوگی کہ بالآخر ڈیمیٹا ہوکر رہ گیا - جب کوئی ہندوستانی بزرگ (ہندو یا مسلمان) جغرافیہ لکھنے بیٹھے ہونگے تو اُن کے سامنے ضرور کوئی انگریزی تصنیف ہوگی ' اس میں دیکھا ہوگا کہ Rosetta لکھا ہے ' اٹھایا اور 'روزیٹا' لکھدیا - اگر یہ بزرگ ذراسی سعی و کوشش سے کام لیتے اور مصر کا نقشہ اٹھا کر دیکھنے کی زحمت گوارا فرماتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ دریاے نیل کے دہانے پر روزیٹا نہیں ہے ' رشید ہے - اسی طرح ڈیمیٹا نہیں بلکہ ' دمیاط ' ہے - مگر اتنی زحمت کون اٹھاے - یہ تو اسماے معرفہ ہیں' ان میں کد و کاوش لغو اور تحقیق و تدقیق لا یعنی ہے - سبھی پر مکھی ماردی اور کام چلا لیا ' مگر کیا یہ بزرگ تصنیف و تالیف کی اہم ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو گئے ' کیا یہ حضرات اپنے فرض منصبی سے عہدہ برا ہو سکے ' کیا علوم و فنون پر ان کا کوئی احسان ہے ' کیا ہماری زبان ان کی ممنون منت ہے ؟ نہیں نہیں ' ہرگز نہیں - بلکہ آئندہ نسلوں کی سہولت پسندی اور بد مذاقی کی تمام تر ذمہ داری انھی ناقص التعلیم مصنفوں اور انھی غیر ذمہ دار مؤلفوں کی گردن پر ہے --

اسی طرح عربی داں حضرات جانتے ہیں کہ ' اسود ' کے معنی سیاہ فام کے ہیں ' اسی سے لفظ سودان بنا ہے ' جو ملک حبش کا دوسرا نام ہے - انگریزی میں دال کی آواز کہاں کہ صحیح تلفظ ادا کرتی ' اس لئے سوڈان ہو گیا - انگریزی سے اردو میں آیا ' مگر ڈال ساتھ لایا - اس وقت اردو کے کسی اخبار یا کسی رسالے کو

اٹھا کر دیکھئے ' سوتان ' ملایا - ' سودان ' کا کہیں ذکر نہ آے گا - کیا اسی کا نام تحقیق ھے؟ کیا اسی کو اجتہاد کہتے ھیں ؟ کیا نام نہاد مؤلفوں اور مترجموں کا یہی فرض ھے کہ انگریزی کی عامیانہ اور سوقیانہ تقلید کریں اور جو کچھہ وھاں پائیں وھی اپنے ھاں لے آئیں ؟

گزشتہ جنگ عظیم میں ' کنٹارہ ' اس قدر مشہور ھو گیا تھا کہ ھندوستان کا کوئی اخبار اس سے خالی نہ تھا - اس کی صورت اس قدر مسخ ھو گئی ھے کہ عربی سے اسے کوئی نسبت نہیں معلوم ھوتی - دماغ محو حیرت تھاکہ اس میں (ٹ) کہاں سے آ گئی - اتفاق حسنہ سے ارض مقدس جانا ھوا تو ایک اسٹیشن پر جلی حرفوں میں لکھا دیکھا " قنطرۃالخیر " اب سمجھہ میں آیا کہ ' کنٹارہ ' اسی قنطرہ کی بگڑی ھوی صورت ھے - انگریزی میں حروف (ق) و (ط) کی آواز کہاں کہ صحیح تلفظ ادا کرتی ، مجبوراً Kantara لکھنا پڑا - جب ھمارے اخبار نویس حضرات کی صحت پسند نگاھیں اس پر پڑیں تو (K) اور (ٹ) کو موجود پایا - اب کیا شے مانع تھی کہ وہ اس کو کنٹارہ نہ بنالیتے اور ان کے روز افزوں مشاغل انہیں اتنی اجازت کہاں دیتے ھیں کہ کم و بیش تحقیق کر لیتے کہ اصل زبان میں وہ لفظ کیا ھوگا جو انگریزی میں کنٹارہ کی صورت میں جلوہ گر ھے - بجنسہ یہی افتاد لفظ 'قط' پر پڑی کہ رفتہ رفتہ کوٹ ھو کر رہ گیا ھے —

اب تک تو ھم نے اُن اسماے مقامات پر ایک نظر ڈالی ھے جو کسی زمانے میں ھمارے تھے ' مگر اب غیروں کے قبضے میں ھیں اور غیروں کی وساطت سے ھم تک پہنچے ھیں - اب ھم ایسے اسماے مقامات پر غور کرتے ھیں جو غیروں کے ھیں اور غیروں کی وساطت سے ھم تک پہنچے ھیں - اگرچہ توقع تو نہیں ھے کہ ھمارے تقلید پرست حضرات اس باب میں کسی قسم کے تصرف کی تکلیف گوارا فرمائیں گے ' اس لئے کہ جب خود اپنے گھر کے الفاظ کے متعلق ان کی سرد مہری کا یہ عالم ھے تو غیروں کے الفاظ کے متعلق کیا کچھہ نہ ھوگا —

(ب) جن بزرگوں کی آنکھیں عربی ادب سے روشن ھیں اور جن کے مطالعے میں مصری اخبار رھتے ھیں، وہ جانتے کہ Mar-seilles کا فصیح تلفظ کیا ھے اور Brussels کو کیا لکھتے ھیں، مگر ھمارے ابنائے وطن اُن کو جب لکھتے ھیں، مارسلیز اور برسلز لکھتےھیں؛ مارسیل اور بروسیل کے پاس نہیں پھٹکتے، اس لئے کہ یہ جاھلوں اور نا اھلوں کا شیوہ ھے - مگر دیکھنا یہ ھے کہ اردو میں آنے اور زبانوں پر پھسلنے کی صلاحیت کن میں ھے اور کس کے ثقل سے زبان کی نزاکت اِبا کرتی ھے - اس کے علاوہ ھمارے صورت پرست حضرات اس حقیقت کو پس پشت ڈال دیتے ھیں کہ خواہ کتنی ھی کوشش کی جائے مگر اردو داں حضرات ان کا صحیح تلفظ کبھی ادا نہ کریں گے - اس کے یہ معنی نہیں کہ ھماری زبان ان کا صحیح تلفظ ضبط تحریر میں لانے سے قاصر ھے، بلکہ یہ الفاظ اپنی اصلی صورت میں کچھہ اس قدر ثقیل واقع ھوےھیں کہ ھمارے گلے کی ساخت انھیں مشکل سے گوارا کرتی ھے - جن لوگوں کو انگریزی میں شدہ بدہ ھے وہ تو اس کا صحیح تلفظ ادا کرنا سیکھہ جاتے ھیں، باقی حضرات کو ایک گونہ تکلف ھوگا - وہ ان کے صحیح اعراب پر غور نہ کریں گے بلکہ اپنے انداز میں مارسلیز اور برسلز کہنے لگیں گے - اس لئے صورت پسند اشخاص کی یہ وشش رائگاں جاے گی کہ اسماے مقامات میں کوئی حرف ایسا نہ رھنے پاے کہ اردو میں نہ آ جاے - بڑھتے بڑھتے یہ لے یہاں تک ترقی کر گئی ھے کہ ھندوستان کے حدود کے اندر بھی اپنے الفاظ اپنے انداز میں نہیں لکھے جاتے، بلکہ انگریزی سے مستعار لئے جاتے ھیں - ھندوستان میں جھلم ایک مشہور دریا ھے، اس کے کنارے پر ایک خوبصورت شہر ھے، صاحب بہادر کی نوک قلم نے اس کو Ghelum لکھدیا ؛ اب کیا تھا، ھمارے صورت پرست حضرات کو ایک موقع مل گیا، وہ بھی جھیلم لکھنے اور بولنے لگے - اسی طرح سھولی پٹم سے مسولی پٹم اور

منصوری سے مسوری بنگیا۔ یہی افتدہ سپاتو پر پڑی ہوگی کہ ہوتے ہوتے ''سو بیٹھو'' ہو کر رہ گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ دھلی اس تصرف سے اب تک محفوظ ہے' اگر چند روز یہی حال رہا تو وہ وقت دور نہیں کہ یہ عروس البلاد بھی تیلھی ہو جائے گی۔ اور تو اور جب تک حیدرآباد میں قدم نہ رکھا تھا' اس وقت تک یہ نہ معلوم تھا کہ تلنگی بھی کوئی زبان ہے۔ Telugo کو دیکھا تھا' اسی کو جانتے تھے' یہ خبر نہ تھی کہ تلوگو تلنگی کی آفت رسیدہ صورت ہے —

آج کل بعض اصحاب کو خالص سنسکرت الفاظ کے احیا کا شوق دامنگیر ہے۔ مگر ہم ان کی خدمت میں نہایت ہی ادب و احترام سے التماس کرتے ہیں کہ اردو اور سنسکرت میں فرق ہے' سنسکرت ماں ہے اردو اس کی بیٹی ہے' سنسکرت ایک ضعیف اور سن رسیدہ خاتون ہے' اردو ایک نو خیز نو نہال ہے' مگر اس کے باوجود بھی ماں ماں ہے' بیٹی بیٹی ہے' آج کل بیٹی کا وجود ماں کے وجود پر مبنی نہیں ہے' یہ بیٹی کے ارتقا اور اس کے نشو و نما کا دور ہے' ماں کی ترقی کا زمانہ گذر چکا ہے' اس زمانے میں بیٹی کو اختیار ہے کہ جس طرف چاہے قدم اٹھائے اور جو رستہ چاہے اپنے لئے اختیار کرے۔ سنسکرت میں ان الفاظ کا تلفظ یہی ہو گا جو ہمارے بعض اہل وطن لکھتے اور استعمال کرتے ہیں' مگر اردو میں جن الفاظ نے ڈھل ڈھلا کر خاص صورت اختیار کرلی ہے وہ یونہی رہنی چاہئیے' اس میں کسی قسم کا تصرف نہ ہونا چاہئیے۔ ایسے بیشمار لفظ ہیں جو سنسکرت سے آئے ہیں' مگر اردو میں اس طرح نہیں بولے جاتے جس طرح خالص سنسکرت میں بولے جاتے تھے' ایسے الفاظ کو آج کل خالص اردو الفاظ سمجھنا چاہئیے' سنسکرت نہ سمجھنا چاہئے۔ فہرست ملاحظ ہو:

(۱) ہندی الفاظ: گوبر (گرھ) گھڑا (گہت) اُجلا (اُجل) آدھا (آردھ) اندھیرا (اندھکار) آسرا (آشرے) آنکھہ (اکھی) آگے (اگر) انگلی (اگرد) پانی

(پانڑی) برهمن (براهمنڑ) اور تمام اعداد جو اردو میں رائج هیں-

اسی طرح عربی کے اکثر الفاظ هیں که اردو میں غلط طور پر استعمال کئے جاتے هیں، عربی داں حضرات اُن کو دیکهه کر ناک بهوں چڑهاتے هیں اور هم پر علم کی کمی کا الزام لگاتے هیں- هم ان کی خدمت میں بهی وهی التماس کرتے هیں، جو برادران وطن کی خدمت میں کر چکے هیں که جس صورت میں وہ مستعمل هیں اسی میں رهنے دیں، ان میں تصرف نه فرمائیں، اس لئے که وہ اردو الفاظ هیں عربی نهیں هیں- مثالیں ملاحظه هوں :

(۲) عربی الفاظ : غش (غشی) مسلمان (مسلم) مصافه (مصفه) زیاتی (زیادت) سلامتی (سلامت) هدیه (هدیّه) مغیلان (ام غیلان) مدارا (مدارات) وغیرہ-

(۳) عربی الفاظ جو فارسی میں غلط طور پر مروج هیں :

صم و بکم (اصم و ابکم)، حور (حوراء)، ابدال (بدیل)، فضولی (فضول)، حضوری (حضور)، قران (قرآن)، مشاطه (مشّاطه)، مواسا (مواسات)، مفاجا (مفاجات) وغیرہ-

(۴) غیر زبانوں کے الفاظ جو انگریزی میں غلط طور پر برتے جاتے هیں :

کیلف	Caliph	خلیفه	سیپاے	Sepoy	سپاهی
ایڈمرل	Admiral	امیرالبحر	ترے گو مین	Dragoman	ترجمان
مگزین	Magazine	مخزن	تے رت	Tarif	تعریف
کاٹن	Cotton	قطن	پے - رے - ڈائز	Paradise	فردوس(پردیس)
جے کال	Jackal	شغال	کے - رے - ون	Caravan	کاروان
شوگر	Sugar	شکر	ڈیس - پاٹ	Despot	داس پتی
آٹومن	Ottoman	عثمان	منارینٹ	Minaret	منارہ
کرمزن	Grimson	قرمزی			

سائس	Syce	سائیس	مے ۔ ڈان	Maidan	میدان
چٹ	Chit	چٹھی	چیرول	Cheerool	چڑیل

(۵) انگریزی الفاظ جو اردو میں غلط بولے جاتے ہیں :

لاٹ ، جرنیل ، کرنیل ، کپتان ، لفٹین ، سارجن ، پلٹن ، رفل ، کانجی‌ہوز ، کارتوس ، توس ، اردلی ، ڈپٹی ، گارد ، میم ، اجیٹن ، جنوری ، فروری ، مارچ ، اپریل ، مئی ، جولائی ، اگست ، ستمبر ، اکتوبر ، دسمبر ، فراش‌بین ، رس‌بھری ، پلٹس ، پنسل ، پنشن ، اس‌ٹیشن ، انڈریئنس ، مڈل ، کمیٹی ، پتلون ، برجس ، واس‌کٹ ، کرکٹ ، توابیہ ، بسکٹ ، کونین ، کوکین ، دریس ، ساٹن ، بوتل ، دراز ، بگل یا بکل ، لال‌ٹین ، پوٹاس ، تھیٹر ، سنتری ، پکٹ ، مسکوٹ ، سکٹر ، کہان افسر —

(۶) غیر ملکی مقامات ، جن میں ہم تصرف کرتے ہیں : روس ، روم ، امریکہ ، افریقہ ، لندن ، قرطبہ ، اشبیلیہ ، قبرس ، غرناطہ ، قسطنطنیہ ، ادرنہ ، انگورہ ، درۂ دانیال —

(۷) غیر ملکی اشخاص کے نام ، جن میں تصرف کیا گیا ہے : ارسطو ، افلاطون ، فلاطون ، سکندر ، اسکندر ، بطلیموس ، قیصر ، بقراط ، سقراط ، جالینوس ، طامس ، فرادریق ، طالیس ، فیلقوس ، پلاطس ، مرقس ، مریم ، متی ، وغیرہ —

الفاظ سازی اور ازالۂ ثقل کے لئے ”وضع اصطلاحات“ بہترین تصنیف ہے ، جو اُستاذی حضرت مولانا سلیم مرحوم کی مساعی جمیلہ کے ذریعے عالم وجود میں آئی ہے ، اس کی تقلید کیجئے ، ذوق سلیم خود بخود پیدا ہوجائیگا —

(ج) ہمارے نزدیک اُس شخص کا مذاق قابل پرستش تھا ، جس نے انگلینڈ کے لئے ‘انگلستان’ تراشا تھا ۔ یہ لفظ اس قابل تھا کہ اس کی تقلید کی جاتی اورجن‌ملکوں کے اخیر میں ‘ لینڈ ’ ہے اُن سب کا ترجمہ ”ستان“ سے کیا جاتا ، مگر افسوس کے ساتھہ کہنا پڑتا ہے کہ اس کی تقلید نہ کی گئی اور اس کے

وزن پر اور اور الفاظ نہ بنائے گئے، خیر اب بھی کچھہ نہیں گیا، اگر ارباب ذوق چاہیں تو یورپ کے اکثر ثقیل الفاظ کو لطیف بنا کر اپنی زبان اور ادب پر احسان کرسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ اسکات لینڈ کے باشندے ' اسکاچ ' کہلاتے ہیں ' اس سے ' اسکاچستان ' بنالیں ' اسی طرح ' پولینڈ ' کا نام ' پولستان ' اور ہالینڈ کا ' ہالستان ' رکھہ لیں۔ سوئٹزرلینڈ بذات خود جس قدر خوبصورت اور خوش وضع ملک ہے ' نام اسی قدر ثقیل اور بدنما ہے ' اگر اس سے " سوئستان " بنالیا جائے تو کیا مضائقہ ہے ' اس لئے کہ وہاں کے باشندوں اور اُس ملک کی ساختہ چیزوں کو سوئس کہتے ہیں —

اسمائے نکرہ

اسمائے نکرہ کے متعلق کچھہ زیادہ کد و کاش کی ضرورت نہیں ' لغت کی کتابیں اور الفاظ کی فرہنگیں موجود ہیں ' اکثر الفاظ کا ترجمہ ہوچکا ہے ' جو باقی ہیں ان کے لئے نئے نئے لفظ تراشے جارہے ہیں ' الفاظ تراشی اور اصطلاح سازی کے اصول منضبط ہوچکے ہیں۔ ان کی مدد سے ما و شما سب لوگ اپنی اپنی ضرورت کے مطابق الفاظ تراش سکتے ہیں۔ رستے کے نشیب و فراز دور ہوچکے ہیں ' اب صرف ہمت مردانہ کی ضرورت ہے کہ اس ہموار اور سیدھے رستے میں گام زن ہو اور منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ آج کل مترجم حضرات کا فرض صرف اس قدر ہے کہ کسی مستند لغت کی اوراق گردانی کی تکلیف گوارا فرمائیں اور لفظ کے مقابلے میں لفظ رکھہ دیں ' اس سے زیادہ سعی و کوشش کی ضرورت نہیں۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ جوہر قابلیت موجود ہو اور جو صاحب تالیف و ترجمہ پر اپنی ہمت صرف فرمائیں وہ انگریزی اور اُردو دونوں زبانوں کے ماہر ہوں ' اور فرہنگ و لغات میں سے وہی لفظ انتخاب کریں جو سیاق کے

لحاظ سے موزوں اور سباق کے اعتبار سے مناسب ہو۔ اگر اس جوہر میں کمی ہو تو لازم ہے کہ یہ حضرات اپنی زبان و قلم کو اُردو کی خدمت سے روک لیں اور کسی اور مفید اور کار آمد شعبے کی طرف توجہ مبذول کریں، جو ان کی شان کے شایاں اور ان کے مرتبے کے لائق ہو، ورنہ اُن بزرگوں کی مساعی جمیلہ کا ستیاناس ہوجائیگا جنھوں نے سالہا سال کی کد و کاوش اور مدت العمر کے غور و فکر کے بعد ایسے پاکیزہ اور لطیف الفاظ تراشے ہیں، جیسے شہپارے، اور 'اخبار پارے' عادلہ اور مققنہ، حزنیہ اور طربیہ وغیرہ، اس لئے کہ استفادے کا یہ اصول اعظم ہے کہ مستفید اور مستفاد دونوں قریب السطح ہوں، یعنی شاگرد کا دماغ اس حد تک نشو و نما پاچکا ہو کہ وہ استاد کے اسرار و نکات کی کُنہ تک پہنچ سکے اور ان اسرار و معارف کو اپنے اندر جذب کرلے، جو استاد اس کے سامنے پیش کرتا ہے - اگر استاد ہمائے گرم پرواز ہوگا اور شاگرد خرلنگ تو نتیجہ جو کچھ نکلے گا وہ ظاہر ہے۔ یہی باعث ہے کہ اکثر نو مشق اور خام مذاق بزرگ زادے اُن الفاظ و اصطلاحات کو ٹھیک طور پر استعمال بھی نہیں کرسکتے جو بزرگان ادب کی جانکاہ کوششوں کے طفیل ہم تک پہنچے ہیں - مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ انگریزی میں ایک لفظ Line ہے، اردو میں اسے لائن بھی کہتے ہیں اور لین بھی بول جاتے ہیں۔

ڈاکٹر فیلن کی ڈکشنری میں اس کے معنی حسب ذیل ہیں :

(۱) رسی، ڈور، دھاگہ (۲) لکیر، خط، دھاری، ریکھا، جدول، کشش

(۳) [ریاضی] خط، لکیر، ریکھا (۴) حد، مینڈ

(۵) جھری، شکن، خط و خال، مکھ ریکھا

Though on his brow were graven lines austere (Byron)

اگرچہ اس کے چہرے پر جھریاں پڑگئی تھیں -

(۶) قطار، صف، پنکتی آلی باڑ، لنگ۔

Unite thy forces and attack their lines

اپنی فوج فراہم کر کے ان کی صف پر حملہ کرو

(۷) (فن طباعت) سطر - (۸) رقعہ، پرچہ (۹) (اصطلاح شاعری) مصرع، سطر، پد

(۱۰) ڈھنگ - طور - طریقہ - راستہ - پیشہ - (۱۱) نسل - سلسلہ - بنساولی، -

خاندان - گھرانا (۱۲) (جغرافیہ) خط ارضی، مثل خط استوا وغیرہ —

(۱۳) جریب - (۱۴) (فوجی اصطلاح) پیدل - (۱۵) کھائی - خندق - مورچہ -

(۱۶) انچ کا بارھواں حصہ - سوت - (۱۷) (اصطلاح موسیقی) پردہ —

(۱۸) (ریلوے کی اصطلاح) لوہے کی پٹری - ایک سڑک (۱۹) نقشہ، خاکہ

(۲۰) (مثنیات) سیدھ - درست - (۲۱) تاک - سلسلہ - ڈھنگ —

تم کیا کام کرتے ہو -	What line are you in
صف جنگ	Line of Battle
خط حسن، روپ ریکھا	Line of beauty
سطر	Line of writing
رات دن کی برابر لکیریں	Equinoctical lines
خط نصف النہار	Meridian line
جنگی جہاز	Ships of lines

(نوٹ: خط کشیدہ الفاظ اردو میں مستعمل نہیں ہیں)

ایک معمولی سی ڈکشنری میں ایک لفظ کے اس قدر مرادفات موجود ہیں۔ اب اس امر کا انحصار مترجم کے علم و فضل پر ہے کہ ان میں سے وہی لفظ انتخاب کرے جو سیاق و سباق کے اعتبار سے بہترین ہو۔ دنیا میں ایسی کوئی قوت نہیں جو غلط انتخاب کے وقت مترجم کا قلم روک لے اور اس کو صراط مستقیم سے منحرف نہ ہونے دے۔ اگر کوئی شخص 'صف' کی جگہ 'سطر' منتخب کرلے تو اس کا کیا علاج۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ 'فگریزی

میں ایک فقرہ ہے کہ Milton stands in the front line of poets اگر کوئی صاحب کمال اور با مذاق بزرگ اس کا ترجمہ اس طرح فرمائیں کہ ملٹن شاعروں کی پہلی سطر میں کھڑا ہے، تو اُن کے ذوق و کمال کی نسبت کیا رائے قائم جائے گی؟ حالانکہ اسی قسم کی لغزشیں ہیں جن پر 'روح تنقید' کے ذی عمر اور نامور مصنف ناز کرتے ہیں اور اسی قبیل کی فروگزاشتیں ہیں، جن پر آپ فخر و مباہات کی بنیاد یں اُٹھاتے ہیں—

(۲) اس کے بعد ایسے اسمائے فکرہ کا نمبر ہے جن کا ترجمہ اب تک اردو میں نہیں ہوا ہے۔ ایسے الفاظ کے متعلق انجمن ترقی اردو اور جامعۂ عثمانیہ کی سرگرم کوششوں سے توقع ہے کہ وہ اس کمی کو جلد از جلد پورا کر دے گی، لیکن جب تک یہ کمی پوری نہ ہو اس وقت تک 'وضع اصطلاحات' بہترین رہبر اور کامل ترین رہنما ہے۔ اس کے اصول کی تقلید کریں اور ذوق سلیم کے موافق الفاظ تراش لیں۔ جب کسی لفظ کا صحیح مفہوم معلوم ہو جاتا ہے تو لفظ تراشی اور اصطلاح سازی کا کام بہت آسان ہو جاتا ہے۔ مشکل صرف اس وقت تک ہوتا ہے، جس وقت تک دماغ اس کے صحیح مفہوم سے خالی ہوتا ہے اور چشم و گوش اس سے آشنا نہیں ہوتے۔ مثلاً دوران مطالعہ میں ایک لفظ (Telepathy) نظر پڑا، پہلے یہ لفظ نہ آنکھوں نے دیکھا تھا، نہ کانوں نے سنا تھا، اس کے مفہوم سے دماغ آشنا ہوتا تو کیوں کر اور معنی معلوم ہوتے تو کیسے؛ پھر کیف ڈکشنری اُٹھائی، اوراق گردانی کی تکلیف گوارا کی، دماغ پر زور دیا، غور اور توجہ سے مطالعہ کیا، یہاں تک کہ دماغ اس کے صحیح مفہوم کی کنہ تک پہنچ گیا؛ اسی وقت اس کے لئے مندرجۂ ذیل الفاظ تراش لئے:

(۱) قلبی پیغام رسانی (۲) قلبی خبر رسانی (۳) دماغی پیغام رسانی
(۴) دماغی خبر رسانی (۵) ذہنی پیغام رسانی (۶) ذہنی خبر رسانی
(۷) غیبی پیغام رسانی (۸) غیبی خبر رسانی —

اسی طرح پڑھتے پڑھتے ایک اور لفظ [* Subjective) mind)] نظر سے گذرا' یہ پرانا لفظ ہے' بچپن سے پڑھتے چلے آئے ہیں' لفظی معنی معلوم ہیں' مگر اصطلاح کے معنی سمجھنے سے دماغ قاصر ہے' ڈکشنری دیکھی' پیاس نہ بجھی' احباب و آشنا سے دریافت کیا' تسلی نہ ہوی۔ مجبوراً اس خاص صنف کی کتابیں شروع کیں' وہاں اس کی تعریف یہ دیکھی کہ (Subjective mind) حصول معلومات کے لئے Objective mind کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے ذرائع معلومات لاتعداد و لاانحصی ہیں۔ اب کیا تھا' ایک نکتہ ہاتھہ آگیا Subjective mind کا ترجمہ ' نفس باطن' اور Objective mind کا ' نفس ظاہر' کردیا اور کام چلا لیا۔ بالکل یہی کیفیت لفظ Suggestion کی ہوئی' اس کے لئے لفظ تحریک بنالیا —

جب گردش تقدیر سے حیدرآباد (دکن) جانا ہوا تو مولانا (سلیم) مرحوم سے ذکر آیا' آپ نے ویبسٹر اتھائی' اشتقاق معلوم کیااور سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے Telepathy کے لئے ' دور پھتک دور پھتکی' دوربیماری اور بالآخر دورتشخیصی' دور تعلقی فرمایا اور نفس باطن اور نفس ظاہر کی جگہ نفسی شعوری اور نفس زیرشعوری تجویز کئے' اس لئے کہ اس صورت میں انگریزی سے تعلق قائم رہتا ہے اور ' ظاہر و باطن' کی پیروی سے اس میں فرق آجاتا ہے۔ اور اسی اصول پر آپ نے 'وضع اصطلاحات' میں بہت زور دیا ہے۔ ہمارے نزدیک مولانا مرحوم کے 'سبقلاحی' اصول کی تقلید اس وقت ہونی چاہئے جب روزمرہ کے معمولی اور سیدھے سادے لفظوں سے کام نہ چلے' اور غیرمعروف اور نا مانوس لفظ اس وقت برتے جائیں' جب معروف اور مانوس الفاظ نہ ملیں۔ دیرینہ تعلقات اور شب و روز کی صحبتوں کے باوجود بھی ' نزدیکنا ' اور ' بعیدنا ' کاٹے کھاتے ہیں —

---

* Suggestion کامعروضی اور ' Objective ، کاموضوعی ' Subjective کا اثر آفرینی ترجمہ کیا گیا ہے — اڈیٹر

اس امر میں سر مو شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مولانا مرحوم علم کے پتلے اور ادب کے مجسمے تھے - ان کا دماغ معلومات کا خزانہ تھا - الفاظ تراشی اور اصطلاح سازی میں آپ کو خاص ملکہ تھا - اور یہی ملکہ تھا کہ بڑھتے بڑھتے ' مانئے ' کی حد تک پہنچ گیا تھا جس کا نتیجہ ' قریبنا ' اور ' اطفانا ' جیسے ثقیل اور غیر ضروری الفاظ میں نظر آتا تھا ' لیکن اس علم و کمال اس قدر معلومات کے باجود بھی آپ انسان تھے - آپ کا دماغ محدود تھا ' آپ کا دل محدود تھا ' آپ کے قوا محدود تھے ' غرض آپ کے قبضۂ قدرت میں جو کچھ تھا ' وہ سب محدود تھا - اندریں حالات ایک شخص واحد سے یہ کیوں کر توقع ہو سکتی ہے کہ دنیا کے تمام علوم و فنون پر اس کا احاطہ ہو - جو کچھ ہو ' اس کی نظر میں ہو ' کوئی بات اس سے پوشیدہ اور کوئی شے اس سے چھپی نہ ہو - وہ ہر علم کا مطالعہ بطور خود کرے اور ہر فن کی اصطلاحوں کو سمجھے اور ان کے ایسے الفاظ تراشے - یہ تو نا ممکن ہے اور سرا سر نا ممکن' نہ آج تک کسی سے ہوسکا ہے نہ کبھی ہو سکے گا - اس لئے بہترین طریقہ وہی ہے جو مولانا مرحوم نے ایجاد فرمایا ہے - یعنی ڈکشنری کھول کے دیکھ لیں اور سبقلاحی اصطلاحیں گھڑ لیں - لیکن ضرورت تو اس امر کی ہے کہ ہماری قوم میں ایک سلیم نہیں سیکڑوں سلیم ہوں ' بلکہ ہر شخص سلیم ہو کہ پہلے بطور خود غور و فکر کی داد ہے ' پھر مولانا مرحوم کے اصول سے مدد لے —

(۳) اس کے بعد ان اسمائے نکرہ پر غور کرنا ہے جو اردو میں آ چکے ہیں - مثلاً : بوٹ - کالر - ٹائی - اسٹیشن - اسکول - کالج - سگریٹ - سگار - سوڈا وغیرہ - ان کے متعلق کسی قسم کی کد و کاوش کی ضرورت نہیں - جس طرح یہ الفاظ اردومیں بولے جاتے ہیں' اسی طرح استعمال ہونے چاہئیں - اس حالت میں انہیں اردو کے الفاظ سمجھنا چاہیے غیر نہ سمجھنا چاہیے — مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ موٹر کے لئے عربی میں سیارہ اور ہوائی

جہاز کے لئے طیارہ وضع کئے گئے ہیں - لفظ خوب ہیں مگر اردو میں رائج نہیں ہیں - اس لئے موٹر کے استعمال میں مضائقہ نہیں - ہوائی جہاز ہمارے گھر کا لفظ ہے، اس کا تو کیا کہنا! ان کو چھوڑنا اور سیارہ اور طیارہ استعمال کرنا اردو کو عربی کا جامہ پہنانا اور اپنی چیز چھوڑ کر اغیار کے آگے ہاتھہ پھیلانا ہے - مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اس قبیل کے الفاظ میں انگریزی تلفظ کی تقلید جائز نہیں، ان کو اسی صورت میں برتنا لازم ہے، جس صورت میں وہ اردو میں آئے ہیں —

مقام حیرت ہے کہ ایک طرف تو ہمارے انگریزی‌داں حضرات اس امر کے دلدادہ ہیں کہ انگریزی الفاظ کا صحیح تلفظ بے کم و کاست محفوظ رکھا جائے اور دوسری طرف صراط مستقیم سے اس قدر منحرف ہیں کہ 'رستوران' کو ریستورانت بناتے ہیں اور اس طرح اپنی لیاقت و قابلیت کی داد دیتے ہیں - اگر یہ بزرگوار ذرا بھی تحقیق و تدقیق سے کام لیتے تو انھیں معلوم ہو جاتا کہ یہ فرانسیسی لفظ ہے، جہاں 'ت' کا نام اور نقل کا نشان نہیں - اس لحاظ سے اس کا تلفظ 'رستورانت' ہونا چاہیے تھا، مگر حرف اخیر بھی ساقط الصوت ہے، اس لئے یہ لفظ 'رستوران' رہ گیا - اسی طرح یہ لفظ عربی، مصری وغیرہ میں لکھا جاتا ہے اور اسی طرح اہل زبان حضرات کی زبان سے سنا گیا ہے —

اب سوال یہ ہے کہ انگریزی میں (ن) اور (ت) کیوں قائم ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ انگریزی میں نہ 'ت' ہے نہ نون غنہ، انگریز کریں کو کیا کریں اور بولیں تو کس طرح بولیں، مجبوراً انھیں 'رستوران' کہنا پڑا -

ہمارے گلے سے یہ دونوں آوازیں ادا ہو سکتی ہیں، اس واسطے ہمارے لئے کونسی مجبوری ہے، ہم آسانی سے 'رستوراں' کہہ سکتے ہیں - کیا وجہ ہے کہ ہم انگریزی مجبوریوں کی بھی تقلید کریں اور اس پر اپنی طرف سے بھرنڈا اضافہ بھی فرمائیں - اسی طرح انگریزی میں ایک لفظ Seignior آتا ہے، یہ لاطینی

زبان کا لفظ ہے ' اس کا صحیح تلفظ سینیر ہے ' مگر اکثر اخباروں اور رسالوں میں سگنور دیکھا جاتا ہے' خدا جانے ہمارے فاضل مترجموں اور بے بدل مؤلفوں کو یہ تلفظ کہاں سے معلوم ہو گیا - خرافات یونانی میں (Atlas) کرہ بردار دیوتا کا نام ہے ۔ اسی مناسبت سے مجموعۂ خارطات کو بھی (Atlas) کہنے لگے ہیں - قدمائے عرب اس کو اطلس لکھتے چلے آئے ہیں ' مگر ہمارے علم و فضل نے اس کو بھی اٹلس بنا لیا ہے —

(۴) اسمائے نکرہ کے متعلق یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ بعض اوقات اسمائے معرفہ ' اسمائے نکرہ کے طور پر برتے جاتے ہیں اور ان سے وہی معنی مراد لئے جاتے ہیں جو اسمائے نکرہ کی ذات میں مضمر ہوتے ہیں- اس صورت میں اسمائے معرفہ نہیں ہوتے بلکہ حقیقت میں اسمائے صفات ہوتے ہیں ۔ مثلاً ملٹن انگلستان کا ہومر ہے ' یہاں ہومر سے اعلی درجے کا رزم نگار شاعر مراد ہے - یا مولانا حالی مرحوم ہندوستان کے سعدی ہیں - اس میں سعدی کے معنی ہیں ' وہ تمام اوصاف و صفات جن میں مولانا موصوف سعدی سے مشابہ تھے —

ان کی دو صورتیں ہیں - صورت اول تو یہ ہے کہ مشبہ بہ اس قدر مشہور و معروف ہو کہ اردو داں حضرات اس سے واقف ہو چکے ہوں اور اپنے زمانۂ حیات میں جو کچھہ اس نے کیا ہے اس سے کم و بیش ہمارے کان آشنا ہوں- ایسے اسمائے معرفہ کو لینے اور مشبہ بہ کے طور پر برتنے میں کچھہ مضائقہ نہیں ' اگر کم و بیش شرح کردی جاے تو بہتر ہے ' ورنہ کچھہ ضرورت نہیں ' جاننے والے جان لیں گے اور پڑھنے والوں کے دل و دماغ پر اس کا وہی اثر مرتب ہو جاے گا جو مترجم اور مؤلف حضرات کرنا چاہتے ہیں - صورت ثانی یہ ہے کہ مشبہ بہ غیر معروف اور نامانوس ہے - نہ ہم اس کی ذات و صفات سے واقف ہیں' نہ ہمارے کان اس کے کار ناموں سے آشنا ہیں' نہ ہم نے اس کے متعلق

کچھ پڑھا ھے، نہ کسی نے اس کے متعلق کچھ لکھا ھے - اس صورت میں شرح اور تفصیل لازم ھے، اس کے بغیر ترجمہ ترجمہ نہ رھے گا، بلکہ مہمل اور بے معنی الفاظ کا گورکھ دھندا بن جائے گا - مثلاً مولانا حالی ھندوستان کے کار دوشی تھے - یہاں کاردوشی محتاج تشریح ھے - اس کے علاوہ ایک اور صورت ھے، وہ یہ ھے کہ بعض اوقات مشبہ بہ بالکل اجنبی اور غیر مانوس ھوتا ھے، اس صورت میں تصرف کی زیادہ ضرورت پیش آتی ھے - مثلاً To out Zola Zola کے یہ معنی ھونگے، زولائیت میں زولا کو مات کر دینا، زولائیت میں زولا سے سبقت لے جانا، وغیرہ - لیکن سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ زولائیت اور زولا کے معنی کیا ھیں، اس لئے ان کی شرح کرنی چاھئے اور ذیلی نوٹ میں یہ بیان کرنا چاھئے کہ Zola (زولا) ایک فرانسیسی ناول نگار ھے جو سنہ ۱۸۴۰ع میں پیدا ھوا تھا، اس کی یہ نمایاں خصوصیت ھے کہ جب لکھنے بیٹھتا ھے تو جائز و ناجائز کا خیال نہیں رکھتا، جو چاھتا ھے لکھہ جاتا ھے اور جوکچھہ دماغ میں آتاھے، حوالۂ قرطاس کردیتاھے، اس کو اس امر سے کچھہ سروکار نہیں کہ پبلک کے دل ودماغ پر اس کا کیا اثر ھوگا اور پڑھنے والے اس سے کیا نتیجہ نکالیں گے - وہ واقعات زندگی کو لیتاھے اور ان کی عریاں اور پوست کندہ تصویر پبلک کے سامنے پیش کر دیتا ھے - اس کے نزدیک معیار صداقت یہی ھے کہ جو واقعہ پیش آئے، بے کم وکاست بیان کردیا جائے اور گفتنی اور ناگفتنی باتوں میں کوئی امتیاز نہ کیا جائے - اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے ناول خلاف اخلاق اور حیاسوز مضامین کا مجموعہ ھو کر رہ گئے اور وہ مدعا فوت ھو گیا، جس کے لئے یہ مفید اور کار آمد شے عالم وجود میں جلوہ گر ھوئی تھی -

اس قدر تشریح کرنے سے پڑھنے والوں کو معلوم ھوگا کہ زولا کے معنی ھیں "حیاسوز ناول نگار" اور زولائیت سے مراد ھے "خلاف اخلاق تصنیف و تالیف"، اب ان کی سمجھہ میں اس فقرے کے معنی بھی آجائیں گے کہ فلاں شخص نے زولائیت میں زولا کو مات کر دیا ھے، یعنی فلاں شخص فحش نویسی میں بڑے سے بڑے فحش نویس سے بڑھ گیا ھے، یا اس نے

کوکائیت میں کوکا پنڈت کو نیچا دکھا دیا ہے -

اسمائے مجموعہ Collective Nouns

خدا کا شکر ہے کہ آج تک ایسی کوئی لغزش نظر سے نہیں گذری، جو اس باب میں ہمارے مترجم حضرات سے ظہور میں آئی ہو. بظاہر اس کا سبب یہ ہے کہ اس باب میں انگریزی اور اردو دونوں ہم آہنگ ہیں، دونوں میں کسی قسم کا اختلات نہیں ہے، یہاں انگریزی کی عامیانہ تقلید بھی نبھ جاتی ہے - مگر اسی کی ایک شق ہے جسے Noun of multitude کہتے ہیں. اس میں البتہ ہمارے مترجموں سے لغزش ہو جاتی ہے - مثلاً انگریزی میں لفظ کمیٹی مفرد بھی ہے اور جمع بھی - جب مفرد ہے تو Collective اسم مجموعہ کہلاتا ہے اور جب جمع ہے تو Noun of multitude نام پاتا ہے - مگر اردو میں یہ لفظ ہمیشہ مفرد بولا جاتا ہے، کبھی جمع کے طور پر نہیں برتا جاتا. یہی باعث ہے کہ ہماری گرامر میں کوئی اصطلاح ایسی نہیں ہے جو Noun of multitude کا مفہوم ادا کر سکے اور یہی باعث ہے کہ ہم نے اس کا ترجمہ کرنے کی کوشش نہیں کی - جب لفظ کمیٹی مفرد ہوتا ہے تو اس طرح برتا جاتا ہے کہ The Committee is sitting یعنی کمیٹی اجلاس کر رہی ہے، یا کمیٹی کا اجلاس ہو رہا ہے، وغیرہ —

اور جب جمع ہوتا ہے تو یوں کہتے ہیں: The Committee is divided in their opinion یعنی ارکان کمیٹی کی رائے میں اختلات تھا، کمیٹی کے ممبر مختلف الرائے تھے — مگر یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ کمیٹی اپنی رائے میں مختلف تھے، یا پولیس میرے پیچھے پڑ گئے ہیں، یا پارلیمنٹ اجلاس کر رہے ہیں، وغیرہ وغیرہ — اس صورت میں ہم مجبور ہیں کہ ترجمے میں تصرف سے کام لیں اور لفظ "ارکان" اپنی طرف سے بڑھائیں —

اسماے مادہ Material Nouns

اس باب میں کسی مبسوط بحث کی ضرورت نہیں ' جو جو اصول اسماے نکرہ کے متعلق عرض دئیے گئے ہیں ' وہی یہاں بھی قابل اطلاق ہیں - ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ کو اُردو میں اس انداز سے برتا جاے کہ ان کا وجود ہماری زبان کی نزاکت پر بار نہ ہو اور اس کا ثقل اس حد تک دور کیا جاے کہ خالص اُردو الفاظ معلوم ہوں ' مثلاً انگریزی میں ایک لفظ Tin ہے ' اُردو میں اسے ٹین بولنے لگے ہیں - اس لئے اسے ٹین ہی لکھنا چاہئے ' ٹن نہ لکھنا چاہئے - اسی طرح Canister (کین - اسٹر) کو اُردو میں کنستر بنا لیا ہے ' اس صورت میں اسے خالص اُردو زبان کا لفظ سمجھنا چاہئے —

اسماے مادہ کا استعمال زیادہ تر علوم طبیعی ' صنعت و حرفت اور تجارت میں ہوتا ہے - اس لئے ان علوم و فنون کے مترجم حضرات کا فرض ہے کہ اپنے گوشۂ عزلت سے باہر آنے کی تکلیف اٹھائیں ' صنعتی کارخانوں اور تجارتی کوٹھیوں میں جائیں اور یہ معلوم کریں کہ ہمارے ہندوستانی صناع اور مزدور خالص عامی الفاظ کو کس طرح استعمال کرتے ہیں اور بڑے بڑے شاندار لفظوں کو روزمرہ کی سیدھی سادی اور بے تکلف زبان میں کیوں کر برتتے ہیں ' ان حضرات کو چاہئے کہ اُن الفاظ کو لیں ' اُن میں اپنے مذاق کے موافق کم و بیش تصرف کریں اور اُردو میں بے تکلف برتنے لگیں - یہ اُردو زبان کی ساخت اور ترکیب کے لحاظ سے بہترین الفاظ ثابت ہونگے —

اس باب میں یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ اکثر چھوٹے چھوٹے اور خوبصورت الفاظ انہی صناعوں ' مزدوروں اور تاجروں کے دماغ کا اختراع ہیں - اِس باب میں ہماری زبان ماہران علوم کی شرمندۂ احسان نہیں ہے - مثلاً ' فلی نل ' کو فلالین اور ' لین ترن ' کو لال ٹین بنانا انہی کے دماغوں کا کام ہے ' جو غرور عام سے

عاری هوں۔ انگریزی میں ایک کپڑے کا نام سیٹن هے، عام لوگوں نے ساٹن اور اور دلی والوں نے فرمه بنا لیا - اسی طرح هزاروں لفظ هیں که بے علم اور ناخوانده لوگوں نے زبان میں شامل کردیے هیں اور اس انداز سے شامل کردئے هیں که کہیں حرت گیری اور نکته چینی کی گنجائش نہیں۔ اور اگر غور سے دیکھا جاے تو یه کام ایسے هی لوگوں کا هے جن کے دل و دماغ قیود علمی سے آزاد هوں، خواه یه آزادی جہالت اور نادانی کے باعث هو، یا اس کا راز تبحر علمی میں مضمر هو۔ یعنی یا تو انسان نوشت و خواند سے بالکل بے بہره هو، یا اس کا علم و کمال اس حد تک ترقی کرگیا هو، جہاں جہالت اور تعلیم دونوں ایک نقطے پر جمع هوجاتی هیں۔ جو لوگ ان دونوں حالتوں کے بین بین نظر آتے هیں، وه تعصب اور پاس داری کا شکار هوتے هیں، ان سے نه آج تک کوئی جدت ظہور میں آئی هے نه آئنده آنے کی توقع هے —

اس مقام پر یه عرض کرنا غالباً بے جا نه هو گا که همارے زمانے کے لغت نویس اور فرهنگ نگار حضرات کا یه فرض هونا چاهئے که صناعوں، تاجروں، پیشه وروں اور مزدوروں تک رسائی حاصل کریں اور ان کے پیشوں اور صنعتوں کی جزئیات معلوم کریں۔ اگر یه علم دوست حضرات یه تکلیف گوارا فرمائیں‌گے تو ان کو معلوم هو گا که کسی پیشے میں کوئی چیز ایسا نہیں هے جس کے لئے کوئی نه کوئی نام موجود نه هو - مثلاً کسی بڑھئی کے پاس جائیے اور میز، کرسی یا کواڑ، کڑي کے اجزا دریافت فرمائیے تو آپ کو معلوم هو گا که سینکڑوں الفاظ هیں جو وه برتتا هے اور جن‌سے روز مره کے کاروبار میں مدد لیتا هے - اسی طرح درزی، لُہار اور سنار وغیره کی دربار داری کیجئے اور نوعمر اور نادار زبان کو سرمایه دار بنائیے- اگر یه جد و جہد آپ اپنے دوش همت پر لینگے اور اصلی و حقیقی معنی میں کد و کاوش کی داد دینگے تو کسی معترض کی یه مجال نه هوگی که آپ کی زبان کو بے مایه اور غیر علمی زبان کہه سکے۔ امید هے که انجمن ترقی اُردو کے

ذی علم اور فرض شناس ارکان اس بارعظیم کو اپنے دوش ہمت پر لینگے زبان اور معہان زبان کو ممنون منت فرمائینگے - ہمارے نزدیک اس علم پرور اور اُردو نواز انجمن کا سب سے زیادہ اہم فرض یہ ہے کہ وہ اُردو میں کوئی ایسی کتاب تصنیف فرمائے جیسی انگریزی میں H. W. Fowler کی Dictionary of Modern English Usage ہے —

اس لئے کہ یہ کام اس قدر اہم اور مہتم بالشان ہے کہ کسی شخص واحد کی مساعی جمیلہ سے اس کی انجام دہی ممکن نہیں - اس کے لئے لازم ہے کہ پرستاران اردو میں سے بہترین دل و دماغ اس طرف توجہ فرمائیں اور ہر لفظ اور ہر محاورے کی تحقیق و تدقیق میں سعی و کوشش کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کریں اور اس طرح اپنے نوجوان اور نومشق انشاپردازوں کی ہدایت و رہنمائی کا سامان بہم پہنچائیں - اور اس تیرہ و تار رستے میں شمع ہدایت روشن کریں تاکہ علمی اور ادبی کام کرنے والے حضرات اندھیرے میں سر ٹکراتے نہ پھریں بلکہ اس شمع ہدایت کی روشنی میں منزل مقصود تک پہنچ جائیں- اگر انجمن مذکور کی توجہ سے کوئی ایسی تصنیف عالم وجود میں آ گئی تو ہماری زبان رہتی دنیا تک اس کا احسان نہ بھولیگی، بلکہ قیامت تک اس کی توصیف و ثنا کے راگ گائیگی-

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ انگریزی میں ایک لفظ ہے 'Any' بچہ بچہ جانتا ہے کہ اردو میں اس کا مرادف 'کوئی' ہے - مگر یہ دونوں لفظ ایک دوسرے پر بالکل منطبق نہیں ہوتے - بلکہ ایک مقام ایسا بھی آ جاتا ہے جہاں ان کی حدیں الگ ہو جاتی ہیں، یعنی انگریزی میں لفظ 'Any' واحد اور جمع دونوں میں برتا جا سکتا ہے، مگر اردو میں لفظ 'کوئی' صرف واحد کے لئے مخصوص ہے جمع میں نہیں آ سکتا - مثلاً انگریزی میں آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ Have you got any books on history مگر اردو میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ "کیا آپ کے پاس تاریخ کی 'کوئی' کتابیں ہیں" - بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ "کیا آپ کے

پاس تاریخ کی 'کوئی' کتاب ہے" یا آپ کے پاس تاریخ کی کچھ کتابیں ہیں ؟"
اگر ہمارے نوجوان اردو نواز حضرات کو یہ نکتہ معلوم ہوتا تو ان کے قلم سے یہ فقرہ نہ نکلتا کہ " اس انتخاب میں قدیم طرز کے اشعار میں نے درج نہیں کئے ہیں اگر کوئی ملیں تو مجھے معاف کیجئے " - یہاں ہونا چاہئے " اگر کوئی ملے تو مجھے معاف کیجئے" -

اسی طرح حقدار اور مستحق میں ایک خاص فرق ہے، جو نظر انداز نہ ہونا چاہئے، ہم اپنے والدین کے ترکے کے حقدار اور بزرگان قوم کی ہمدردی کے مستحق ہیں۔

——(۲) نا خواندہ اور عوام النّاس کی عملی خدمت کے نمونے)——

اگر ہمارے اردو پرور ' حضرات اپنے کاشانۂ ' عزلت سے نکل کر باہر تشریف لائینگے اور کسی فوج کی بارگوں میں جانے کی تکلیف گوارا فرمائینگے تو ان کو معلوم ہو گا کہ معمولی اور ناخواندہ سپاہی Officer Commanding کو کمان افسر اور Adjutant کو اجیٹن کہتے ہیں ' اسی طرح Barrack کو ' بارگ ' اور Sappers & Miners کو ' سفرمینا ' بولتے ہیں - جن بزرگوں کی آنکھیں عربی اور فارسی سے روشن ہیں ' ان کو معلوم ہو گا کہ عربی اور فارسی اخباروں میں ' مانورہ ' اور ' موزہ ' جیسے خوبصورت اور لطیف الفاظ لکھے جاتے ہیں - ہمارے نزدیک یہ الفاظ اسی قدر سبک اور خوشگوار ہیں جس قدر Manouvre اور Museum ثقیل اور ناگوار ہیں —

تذکیر و تانیث

اردو میں صرف دو جنسیں ہیں، ایک ' مذکر' دوسری ' مؤنث' - ہمارے یہاں ایسی کوئی جنس نہیں جسے ' مخنث ' کہا جائے اور جس سے مردہ اور بے جان چیزوں کے اظہار میں مدد لی جائے - اس کے نہ ہونے سے اردو میں اس قدر دقتیں اور دشواریاں پیدا ہو گئی ہیں کہ ان سے عہدہ برا ہونا قوت بشری سے

بالا تر ہے - اس باب میں اس قدر اختلاف ہیں کہ اتحاد و اتفاق کسی طرح ممکن نہیں - ایک لفظ ہے کہ دلی میں مذکر اور لکھنؤ میں مؤنث بولا جاتا ہے - دوسرا ہے کہ لکھنؤ میں مذکر اور دلی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے - یہ دونوں زبان کے مرکز ہیں ' دور افتادہ لوگ حیران ہیں کہ کس کی تقلید کریں اور کس کی نہ کریں - ہمارے نزدیک اس باب میں ان دونوں کا فرض ہے کہ وسیع النظری اور کشادہ دلی سے کام لیں اور ایک دوسرے کو حق بہ جانب سمجھیں - اس وقت ہندوستان کے طول و عرض میں ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کا مذاق مسلمہ طور پر قابل تقلید ہو اور جس کے سامنے تمام ادیب اور انشا پرداز حضرات سر تسلیم خم کردیں اور اس کے اجتہاد سے منحرف نہ ہوں- ایسے بزرگوں میں سب سے اخیر مولانا ' حالی ' مرحوم و مغفور تھے ' چنانچہ آپ کا ارادہ بھی تھا کہ اس صنف پر قلم اٹھائیں اور اپنے خیالات حوالۂ قرطاس فرمائیں ' مگر افسوس ہے کہ عمر نے وفا نہ کی ' ورنہ خدا جانے اس باب میں کیا کیا نکات و معارف عالم وجود میں جلوہ گر ہوتے ' جن کو مرحوم اپنے ساتھ قبر میں لے گئے - اندریں حالات، مترجم اور مؤلف حضرات کا فرض ہے کہ وہ حتی الامکان دلی یا لکھنؤ میں سے کسی کی تقلید کریں اور اتنی احتیاط برتیں کہ جن الفاظ کی تذکیر و تانیث متفق علیہ ہے ' اُن میں انگریزی کی تقلید کرکے اپنی زبان میں غلطیوں کا اضافہ نہ فرمائیں - مثلاً انگریزی میں Ship مؤنث ہے ' اردو میں جہاز مذکر ہے - اس لئے ترجمے میں انگریزی کی تقلید نہ کرنی چاہئے' بلکہ اردو کی پیروی روا رکھنی چاہئے - اس کے متعلق افعال و صفات جس قدر ہیں وہ سب مذکر ہوں ' کسی حالت میں بھی مؤنث نہ ہوں - بعینہ کیفیت لفظ Moon کی ہے کہ انگریزی میں مؤنث اور اردو میں مذکر ہے - یہاں بھی اردو کی تقلید لازم ہے —

جانوروں میں تذکیر و تانیث اصلی ہوتی ہے اور نر کے مقابلے میں مادہ اور

مادہ کے مقابل نر موجود ہو تا ہے - مگر اردو میں کبھی محض نر بو لا جا تا ہے ' مادہ نہیں بولا جاتا اور کبھی مادہ بولا جاتا ہے نر حذف کردیا جا تا ہے - مثلاً چیل مؤنث ہے اور کوا مذکر ؛ چیلا اور کوی مستعمل نہیں ہیں - اسی طرح اردو میں لومڑی مؤنث ہے مگر انگریزی میں Fox مذکر ہے ' ایسے موقع پر اردو کی تقلید کر نی چاهئیے خواہ مخواہ اور بے ضرورت لومڑ نہ تراشنا چا ہئیے —

بسا اوقات فصحاے انگلستان مردہ اور بے جان چیزوں سے اس طرح خطاب کرتے ہیں کہ گویا وہ زندہ اور صاحب حیات ہستیاں ہیں - اور اس حالت میں انہیں 'مخنث' نہیں رہنے دیتے - بلکہ حسب موقع مذکر یا مؤنث بنا لیتے ہیں - مثلاً اے موت ! اے خواب ! یہ انداز بیان بعض اوقات اُردو کے خلاف ہوتا ہے - اس حالت میں بھی اُردو کی تقلید فرض ہے ' مثلاً انگریزی میں موت مذکر ہے ' اس کے افعال و صفات سب مذکر آئیں گے ' مگر اُردو میں موت مؤنث ہے ' اس کے متعلقات بھی مؤنث ہوں گے - اسی طرح 'خواب' اور اس کے متعلقات مذکر اور 'نیند' اور اس کے متعلقات مؤنث ہوں گے —

Number (واحد و جمع)

اُردو میں دو قسم کی جمعیں مستعمل ہیں (۱) فاعلی اور (۲) غیر فاعلی یا مغیری —

(۱) جمع فاعلی وہ ہے جس کے بعد حروف مغیرہ میں سے کوئی حرف نہیں ہوتا -

(۲) جمع غیر فاعلی یا جمع مغیری وہ ہے' جس کے اخیر میں حروف مغیرہ میں سے کوئی حرف ہوتا ہے —

(نوٹ حروف مغیرہ ہیں : میں' سے' تک' (تلک) پر' پہ' کا' کے کی' کو' وغیرہ)

—— (جمع فاعلی بنانے کے طریقے) ——

جمع فاعلی بنانے سے پہلے (۱) یہ دیکھنا لازم ہے کہ وہ لفظ مذکر ہے یا مونث جس کی جمع بنانی مقصود ہے —

(۲) اگر وہ لفظ مذکر ہے تو یہ دیکھنا فرض ہے کہ اس کے اخیر میں الف ہے کہ نہیں۔

(۱) اگر الف ہے تو ساقط ہوجائیے گا اور اس کی جگہ یاے مجہول (ے) کا اضافہ کردیا جاے گا۔ مثلاً لڑکا، لڑکے، بیٹا، بیٹے —

(۲) اگر اخیر میں الف نہیں ہے بلکہ کوئی اور حرف ہے تو وہ لفظ اپنی اصلی صورت پر قائم رہے گا، اس میں کوئی تصرف نہ کیا جاےگا۔ مثلاً : گھر، مکان، پتھر، درخت، آلو، صندوق وغیرہ وغیرہ۔

نوٹ : اس قبیل کے الفاظ واحد اور جمع میں یکساں رہتے ہیں، اُن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی - یہی باعث ہے کہ ان میں کم و بیش ابہام ضرور ہوتا ہے۔ مگر یہ ابہام صرف الفاظ تک محدود رہتا ہے، فقرات میں باقی نہیں رہتا - اس میں کچھ شک نہیں کہ مکان، کے لفظ سے بادی النظر میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ واحد ہے یا جمع، مگر اسی کو فقرے میں استعمال کیجئے پھر دیکھیے کہ ابہام باقی رہتا ہے کہ نہیں - مثلاً، مکان بنا، اس فقرے میں، مکان، واحد ہے - اور، مکان بنے، اس میں جمع، اس ابہام کا ازالہ کبھی افعال و صفات کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی اعداد و ضمائر کے ذریعے - مثلاً ایک مکان واحد ہے، دو مکان جمع ؛ اچھا گھر واحد اور اچھے مکان جمع، آپ کا مکان واحد اور آپ کے مکان جمع —

اس باب میں ہمارے نو مشق اور خام مذاق حضرات عربی اور فارسی کی کورانہ تقلید کیا کرتے ہیں اور اسموں کی جمع 'ان' یا 'ین' سے لاتے ہیں - مثلاً آپ فرماتے ہیں: انتظامیہ کمیٹی کے دس ممبران موجود تھے، یا قدیم مورخین لکھتے ہیں - یہاں جمع کی قطعاً ضرورت نہیں - ہم آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ انتظامیہ کمیٹی کے دس ممبر موجود تھے، اور قدیم مورخ لکھتے ہیں —

ہمارے نزدیک اب وقت آ گیا ہے کہ اس قسم کی ترکیبوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جائے اور اردو کو اس انداز کے فضول اور غیر ضروری تصرف سے آزاد کیا جائے - ایک دفعہ ایک نو عمر صاحبزادے نے ایک فقرہ لکھا کہ اسٹیشن پر پندرہ ' صنادیق ' پڑے تھے - ان سے دریافت کیا گیا کہ ' صنادیق ' کی کیا ضرورت ہے کیا ' صندوق ' کافی نہیں ہے - فرمانے لگے کہ انگریزی میں Boxes جمع ہے ' اس کے مقابلے میں اردو میں بھی ' صنادیق ' چاہیے ' صندوق نہ چاہیے اس لئے کہ جمع کے مقابلے میں واحد لانا دیانت اور امانت کا منہ کالا کرنا ہے :

(ب) اگر وہ لفظ مؤنث ہے (جس کی جمع بنانی مقصود ہے) تو (ا) یہ دیکھنا لازم ہے کہ اس کے اخیر میں یائے معروف (ی) ہے کہ نہیں ' اگر (ی) ہے تو جمع ' اں ' سے بنیگی مثلاً بیٹی سے بیٹیاں ' لڑکی سے لڑکیاں —

اس صنف میں بھی قدرے حزم و احتیاط کی ضرورت ہے - بعض حضرات ایسے الفاظ کی جمع اکثر ' یں ' سے اڑا جاتے ہیں - مثلاً (ا) کرسییں لاؤ ' اور ' جو تیتں ' پہنو —

اس مقام پر یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ بعض الفاظ ایسے ہیں کہ صورت میں مؤنث اور حقیقت میں مذکر ہیں - یعنی ان کے اخیر میں یائے معروف موجود ہے مگر وہ مؤنث نہیں ہیں مذکر ہیں - مثلاً موتی ' پانی ' گھی ' دھی ' ہاتھی ' جی ' منشی ' آدمی ' قاضی وغیرہ وغیرہ - ان الفاظ کی جمع (اُں) نہ آنی چاہیے - بلکہ جمع کی صورت میں بھی ان کو ان کی اصلی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے - مثلاً ہاتھی آ یا ' ہاتھی آئے وغیرہ - موتی کی جگہہ ' موتیاں ' لکھنا سرا سر غلط ہے —

(۲) اگر اُس لفظ کے اخیر میں ' ی ' نہیں ہے (جس کی جمع بنانی مقصود ہے) تو ' یں ' کا اضافہ کیا جائے گا - مثلاً میز کی جمع میزیں اور عورت کی جمع ' عورتیں ' ہو گی —

جمع غیر فا علی

جمع کی دوسری صورت جمع غیر فا علی یا جمع مغیری ھے - اس کی علامت ھمیشه (وں) ھوتی ھے - مثلاً گھر کی جمع 'گھروں' مکان کی 'مکانوں' دکان کی 'دکانوں' لڑکی کی 'لڑکیوں' اور میز کی میزوں آے گی - اتنی بات ضرور ھے که جب واحد مذکر کے اخیر میں الف ھو گا تو گر جاے گا - مثلاً 'لڑکا' سے 'لڑکوں' بیٹا' سے 'بیٹوں' وغیرہ —

اس قسم کے الفاظ کی جمع اکثر 'حضرات' 'ان' سے لاتے ھیں' مثلاً آپ فرماتے ھیں که یه مقدمه تین 'ججان' کے اجلاس میں پیش ھو گا - ھمارے نزدیک وہ بزرگ بھی حق به جانب نہیں ھیں جو 'وں' کی جگهه 'ین' سے جمع مغیرہ بنا جاتے ھیں - مثلاً مورخین نے لکھا ھے اور مدبرین کا قول ھے - اگر مورخین' اور مدبرین' کی جگهه مورخوں' اور مدبروں' کہا جاے تو زیادہ واضح اور زیادہ فصیح ھو گا - ھمارے نزدیک یه امر نہایت اھم اور ضروری ھے که جمع بنانے کے عربی اور فارسی انداز صرف عربی اور فارسی ترکیبوں تک محدود رکھے جائیں - خالص اردو ترکیبوں میں نه برتے جائیں - مثلاً شاعران ھند اور شعراے فارس' نہایت عمدہ ترکیبیں ھیں - مگر ھندوستان کے شاعران' اور فارس کے شعراء' ثقیل اور نا گوار ھیں —

ان کے علاوہ جمع بنانے کے اور بھی اکثر قاعدے ھیں که عربی میں رائج ھیں مگر ھمارے موضوع سے خارج ھیں' اس لئے نظر انداز کئے جاتے ھیں - لیکن مترجم اور مؤلف حضرات سے اس قدر التجا کی جاتی ھے که یه دیکهه لیں که عربی کی جو جمع اردو میں استعمال کرنی مقصود ھے' وہ اردو میں رائج ھے که نہیں - اگر رائج ھے تو اس کے استعمال میں کچهه مضائقه نہیں' اگر رائج نہیں تو یه دیکھنا فرض ھے که وہ اردو میں رائج ھونے کی صلاحیت رکھتی ھے

که نہیں - اگر اس کی ذات میں یہ صلاحیت مضمر پائیں تو بے تکلف لے آئیں ورنہ پرہیز فرمائیں - مثلاً تاج کی جمع ' تیجان ' اور نار کی جمع ' نیران ' ہے - مگر یہ نہ اردو میں آئی ہیں نہ آنے کی صلاحیت رکھتی ہیں ' ان سے حذر لازم ہے —

انگریزی میں اکثر الفاظ ہیں کہ جمع میں برتے جاتے ہیں لیکن اردو میں ان کے مرادف الفاظ واحد کے طور پر مستعمل ہیں' اس صورت میں بھی اردو کی پابندی لازم ہے ' انگریزی کی تقلید ضروری نہیں ہے - مثلاً Siessors جمع ہے اور قینچی واحد ' اسی طرح Trousers جمع ہے اور پاجامہ واحد -

بعض اوقات انگریزی الفاظ واحد اور جمع مختلف معنوں میں استعمال ہوتے ہیں' یعنی کسی لفظ کے واحد میں جو معنی ہوتے ہیں وہ جمع میں باقی نہیں رہتے' بلکہ اس سے بالکل مختلف ہو جاتے ہیں - ایسی صورت میں مترجم حضرات کا فرض ہے کہ سیاق و سباق سے بصیرت حاصل کریں اور جمع کے وہی معنی لیں جو انگریزی میں لئے جاتے ہیں - واحد پر قیاس کر کے سہو و خطا کا ارتکاب نہ فرمائیں - مثلاً .Good کے معنی ہیں : اچھا اور عمدہ وغیرہ - مگر Goods میں کہیں عمدگی کا شائبہ تک نہیں ' اس کے معنی ہیں : مال و اسباب - اسی طرح Return کے معنی ہیں : ' واپسی ' اور Returns کے معنی : اعداد و شمار - اس لئے Returning Officer کا ترجمہ ہونا چاہیے: افسر انتخاب - مگر ہمارے اخباری مترجم حضرات کرتے ہیں : افسر واپسی -

مزید الفاظ کی فہرست

جمع			واحد		
اطلاع	"	Advices	نصیحت	"	Adivce
فوج	"	Forces	قوت	"	Force
خلل دماغ	"	Vapours	بخار	"	Vapour

مناجات شام ,, Vespers شام ,, Vesper

اسلحہ ,, Arms بازو ,, Arm

اس سے زیادہ حزم و احتیاط کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے، جہاں واحد کے صرف ایک معنی ہوتے ہیں اور جمع کے ایک سے زیادہ۔ ان میں سے پہلے معنی واحد سے مشتق ہوتے ہیں، مگر دوسرے مشتق نہیں ہوتے۔ فہرست ملاحظہ ہو :

واحد	معنی	جمع	(۱) معنی قریب	(۲) معنی بعید
Effect	اثر	Effects	(۱) اثرات	(۲) اثاثہ
Pain	تکلیف	Pains	(۱) تکالیف	(۲) مصائب یعنی حزم و احتیاط
Custom	رسم و رواج	Customs	(۱) رسم و رواج	(۲) محصول درآمد
Number	عدد	Numbers	(۱) اعداد	(۲) نظم
Part	حصہ	Parts	(۱) حصے	(۲) قابلیت
Manner	طریقہ	Manners	(۱) طریقے	(۲) اوضاع و اطوار
Premise	قضیہ	Premises	(۱) قضایا قضیے	(۲) عمارات
Spectacle	نظارہ	Spectacles	(۱) نظارے	(۲) چشمہ، عینک

بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے معنی واحد میں بھی ایک سے زیادہ ہوتے ہیں اور جمع میں بھی - مثلاً :

1. Letter خط (۲) حرف (۱) ؛ Letters ادب (۳) خطوط (۲) حروف (۱)

2. Ground سبب (۲) زمین (۱) | Grounds تلچھٹ (۳) سبب (۲) باغ (۱)

انگریزی میں بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے واحد میں دو معنی ہوتے ہیں مگر جمع میں صرف ایک رہ جاتے ہیں، مثلاً واحد میں Horse کے معنی ہیں (۱) گھوڑا (۲) سوار - جمع میں سوار گر جاتے ہیں، گھوڑے رہ جاتے ہیں - فہرست ملاحظہ ہو :

واحد			جمع	
1. Horse	(۱) گھوڑا	(۲) رسالہ	Horses	(۱) گھوڑے
2. Foot	(۱) پاؤں	(۲) پیدل فوج	Feet	(۱) پاؤں
3. Practice	(۱) مشق	(۲) کام' پیشہ	Practices	(۱) مشقیں
4. People	(۱) قوم	(۲) لوگ	Peoples	(۱) اقوام - قومیں
5. Powder	(۱) سفوف	(۲) بارود	Powders	(۱) سفوف
6. Light	(۱) روشنی	(۲) چراغ	Lights	(۱) چراغ
7. Wood	(۱) لکڑی	(۲) جنگل	Woods	(۱) جنگل

نوٹ' لفظ Compass کے واحد میں دو معنی ھیں (۱) حلقہ (۲) قطب نما اور جمع میں صرف ایک یعنی پر کار - انگریزی میں بعض الفاظ صورتاً جمع ہوتے ھیں مگر معناً واحد - ایسے الفاظ میں معنی کی تقلید لازم ہوتی ھے' صورت سے کوئی سروکار نہیں ھوتا - مثلاً Summons کا ترجمہ سمن یا طلبی نامہ ھونا چاھئے - یہی حال Riches اور Alms کا ھے - ان کا ترجمہ دولت اور خیرات ھونا چاھئے اسی قبیل کا ایک لفظ ھے 'Eaves' اس کا ترجمہ انگریزی انداز بیان کا متحمل ھوسکتا ھے' اس لئے اس کا ترجمہ 'اولتیاں' کرنا محاورے اور روز مرہ کے خلاف نہ ھوگا —

یہاں تک جو کچھہ عرض کیا گیا ھے' اس کا تعلق محض لفظوں بلکہ چند اسموں سے ھے - اگر کوئی صاحب ذوق و فرصت بزرگ اس طرف توجہ فرمائیں تو دیگر اصناف کلام پر بھی اسی طرح نظر ڈال سکتے ھیں - اور اپنے اولوالعزم نوجوانوں کی رہنمائی کے لئے شمع ھدایت روشن کر سکتے ھیں - ھم تو صرف نحو کے متعلق ایک اصول بیان کر کے اس کو ختم کرتے ھیں —

اتنی بات ھر تعلیم یافتہ شخص جانتا ھے کہ انگریزی انداز بیان کی دو صورتیں ھیں- ایک Direct اور دوسری Indirect مگر ھمارے اکثر تعلیم یافتہ

حضرات اس نکتے سے بے خبر ہیں کہ اردو میں صرف ایک انداز بیان ہے اور وہ Direct ہے Indirect کا کہیں نام نہیں - اس لئے مترجم اور مؤلف حضرات سے درخواست کی جاتی ہے کہ جب کہیں Indirect انداز بیان پائیں اس کا لفظ بہ لفظ ترجمہ نہ فرمائیں بلکہ پہلے اس میں تبدیلی کرلیں پھر قلم اُٹھائیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

Indirect	Direct	ترجمہ
Akber says that he is ill	Akber says " I am ill".	اکبر کہتا ہے کہ میں بیمار ہوں
Akber said that he was ill .	Akber said " I am ill "	اکبر نے کہا کہ میں بیمار ہوں
Hamid told me that I was ill.	Hamid said to me "I am ill"	حامد نے مجھ سے کہا کہ میں بیمار ہوں
Hamid said that he was ill .	Hamid said " I am ill "	حامد نے کہا کہ میں بیمار ہوں-
Hamid told him that he (zahid) was ill.	Hamid said to him (zahid) " you are ill"	حامد نے زاھد سے کہا کہ تم بیمار ہو -
Hamid told me that I was ill.	Hamid said to me "you are ill"	حامد نے مجھ سے کہا کہ تم بیمار ہو
Abid said that he did not know that man.	Abid said "I do not know this man"	عابد نے کہا کہ میں اِس آدمی کو نہیں جانتا
Abid said that there was no need to go just then	Abid said " There is no need to go just now"	عابد نے کہا کہ ابھی جانے کی ضرورت نہیں ہے
Abid said that this book was his.	Abid said "This book is mine".	عابد نے کہا کہ یہ کتاب میری ہے
Abid asked me why I did not go home	Abid asked me why do you not go home"	عابد نے مجھ سے پوچھا کہ تم گھر کیوں نہیں گئے
Abid asked him whether the mangoes were ripe	Abid said to him "are th e mongoes ripe"	عابد نے اس سے پوچھا کہ آم پکے ہیں (کہ نہیں)
The master demanded of the boys what they meant by such conduct"	The master said to the boys "what do you mean by such conduct"	ماسٹر نے لڑکوں سے پوچھا کہ اِس رویے تمھارا مدعا کیا ہے -
He enquired of him where he was going	He said to him " where are you going"	اس نے اس سے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو
He told him not to talk nonsense.	He said to him " Do not talk nonsense".	اس نے اس سے کہا کہ بیہودہ نہ بکو -

Indirect	Direct	ترجمہ
He requested me to lend him my pen	He said to me " Lend your pen please "	اس نے مجھہ سے کہا کہ مہربانی سے ذرا اپنا قلم دیدیجئے
He cried out what a disaster it was	He said " Good heavens! what a disaster "	اس نے کہا توبہ کیا مصیبت ھے -
Struck with awe he cried out what a disaster it was	"	"
He exclaimed that he wished he could see them	He said "O that I could see them"	اس نےکہا کہ کاش میں اُن کو دیکھہ سکتا
The captive prayed that Heaven might hear his cry	The captive said " May Heaven hear my cry"	قیدی نے کہا کہ کاش خدا میری فریاد سن لے
The captive prayed Heaven to hear his cry.	"	"

——:A G:——

حافظ عبدالرحمٰن خاں 'احسان'

صمصام الدولہ شہامت جنگ دہلوی

[تاریخ پیدائش : سنہ ۱۱۸۳ ہجری تاریخ انتقال : سنہ ۱۲۶۷ ہجری]

از

(جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی - اے دہلوی)

بیس یا بائیس برس ہوے جب شیکسپیر کی کسی کتاب میں پڑھا تھا :

for affection

Master of passion; sways it to the mood,

Of what it likes or loathes.

یعنی "جذبات انسانی رجحان طبیعت کے تابع ہیں - طبیعت اپنے حسب دلخواہ ان جذبات کو نفرت یا رغبت جدھر چاہے پھیر دیتی ہے" - "اس مقولے کا عملی ثبوت حافظ عبدالرحمٰن خاں 'احسان' کے حالات لکھنے میں مجھے اچھی طرح مل گیا - مدتوں سے ان کے دیوان دیکھنے کا شوق تھا - ذوق سے پہلے یہی لال قلعہ میں استاد تھے اور استاد بھی کیسے کہ جگت استاد - بادشاہ ان کے شاگرد' ولی عہد ان کے شاگرد' سارے شہزادے اور سلاطین زادے ان کے شاگرد - شاہ نصیر سے ان کے مقابلے ہوے' ذوق سے ان کے مقابلے ہوے' لیکن یہ ایک سے بھی نہ دبے - مرتے دم تک اسی دم خم سے مقابلے پر تلے رہے - خیر سنئے' مجھے ان کے دیوان کی تلاش تھی - دیوان کمیاب کیا نایاب ہے - لالہ سریرام صاحب دہلوی کے پاس ایک نسخہ تھا - اس تک پہنچ مشکل تھی - ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے معلوم ہوا کہ ایک

قلمی دیوان نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانے میں ھے - کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچا - دیوان مانگا - یہ کسی کو کوئی قلمی کتاب نہیں دیتے' اور دینی بھی نہ چاھئے - کیونکہ ان کے ہاں کی ہزاروں کتابیں نصیب دشمناں ہوچکی ھیں - خدا معلوم مجھ پر کیا عنایت تھی کہ مانگتے ھی دیوان دے دیا - گھر پر لایا - نقل کر ڈالی - مگر بجائے بڑھنے کے جوش ٹھنڈا ہوکر رہ گیا - ہر قسم کے صنائع لفظی اور خاص کر رعایت لفظی سے مجھے کچھہ للہی بغض ھے - ان کا سارے کا سارا دیوان اسی سے بھرا پڑا ھے - نقل تو کرلی مگر دل چھوٹ گیا - یہ نقل یوں ھی ایک سال تک پڑی رھی - اب ایک دفعہ ھی خیال آیا کہ جب نقل کرنے کی محنت اٹھائی ھے تو لاؤ اس پر ایک مضمون ھی لکھہ ڈالو - محرم کی چھٹیاں ھیں - لکھنے بیٹھہ گیا ھوں - اگر خدا نے پورا کردیا تو شاید چھپ جائے - نہیں تو جہاں دیوان کی نقل کونے میں پڑی ھے وھیں یہ ادھورا مضمون بھی پڑا رھے گا —

حالات لکھنے سے پہلے میں ان دیوانوں کا کچھہ ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ھوں جن کو میں نے خود دیکھا ھے یا جن کا 'احسان' کے حالات کی تلاش میں مجھے پتہ چلا ھے - ایک نسخہ تو وہ ھے جو نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانے میں ھے اور دوسرا نسخہ 'احسان' کے نواسے آغا حیدر حسن پروفیسر اردو نظام کالج حیدرآباد کے پاس ھے - یہ دونوں نسخے تو میرے دیکھے ھوے اور اچھی طرح دیکھے ھوے ھیں - تیسرا نسخہ لالہ سریرام صاحب دھلوی کے پاس اور چوتھا لندن کے انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ھے - تیسرے نسخے کا حال خمخانۂ جاوید میں لالہ صاحب نے لکھا ھے اور چوتھے نسخے کا ذکر جیمس فلر بلوم ھارٹ نے اپنی فہرست کتب لندن میں کیا ھے - میری راے یہ ھے کہ شہزادہ معزالدین 'ثابت' نے جو دیوان مرتب کیا تھا یا تو وھی نواب سالار جنگ بہادر کے ھاں ھے یا اس کی نقل ھے - کیونکہ جو دیباچہ ثابت نے دیوان کے شروع میں لکھا ھے اس سے معلوم ھوتا ھے کہ صاحب عالم نے صرف انھی غزلوں کو ایک جگہ جمع کیا تھا جو ان کی فرمائشی تھیں یا جو 'احسان' نے

مشاعروں میں پڑھی تھیں اور اس طرح اس دیوان کی شکل کلیات کی نہ تھی بلکہ یہ صرف غزلوں کا مجموعہ تھا - نواب سالار جنگ بہادر کے ہاں جو دیوان ہے' اس میں صرف غزلیں ہی غزلیں ہیں۔ دیوان کی ظاہری حالت بتا رہی ہے کہ کسی شاہی کتب خانے کا ہے - نہایت نفیس کشمیری کاغذ ہے' کل ۱۰۱ ورق ہیں اور ہر صفحے میں ۱۱ سطریں - صفحوں پر سنہری اور شنگرفی جدول ہے - خط نستعلیق ہے' پختہ ضرور ہے مگر کچھ زیادہ خوب صورت نہیں - البتہ غلطیاں بہت کم ہیں - قلم اوسط درجے کا ہے' نہ بہت موٹا نہ بہت باریک - اگر کسی سطر میں کوئی مصرع پورا نہیں آیا ہے تو بقیہ حصہ حاشیے پر لکھدیا ہے - کاٹ چھانٹ بالکل نہیں ہے ورق کے نمبر قطعہ کے لئے "ق" اور تخلص سرخی سے دیے ہیں - بہر حال خط ایسا ہے کہ پڑھنے میں دشواری نہیں ہوتی- البتہ بعض جگہ لفظوں کو ملا کر لکھنے کی وجہ سے ذرا نکالنے میں دقت ہوتی ہے - یہ دیوان "احسان" کی زندگی میں مرتب ہوا تھا - اس لئے ہر ردیف کے بعد خالی صفحے چھوڑ دیے گئے ہیں تاکہ اگر کوئی اور غزل مل جائے تو بڑھانے میں دقت نہ ہو —

بقیہ جو تین نسخے ہیں وہ دیوان نہیں کلیات ہیں - ان میں اردو غزلوں کے علاوہ فارسی غزلیں بھی ہیں' تاریخیں ہیں' قصیدے ہیں' مخمس ہیں' مسدس ہیں' مثنویاں ہیں' قطعے ہیں' ہجویں ہیں' غرض سب کچھ ہے - آغا حیدر حسن صاحب والے کلیات میں شروع کے پہلے کچھ صفحے غائب ہیں' باقی ساری کتاب مکمل ہے - یہ نسخہ بڑی تقطیع پر ہے اور اس کے ۲۳' ۲۳ سطروں کے ۱۰۲ ورق ہیں - اس کا خط بھی معمولی ہے اور کاغذ بھی معمولی' مگر صحت کا بہت خیال رکھا گیا ہے - ہر غزل وغیرہ کے شروع میں اس کی بحر سرخی سے دے دی ہے - اس مضمون کی ترتیب میں مجھے اس نسخے سے بہت مدد ملی —

آغا صاحب نے بڑی خوشی سے مجھے یہ نسخہ دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ جب تک چاہو اپنے پاس رکھو - اس کے علاوہ 'احسان' کے حالات زیادہ تر مجھے ان

ھی سے معلوم ھوے - ان کے بستے جاکر دیکھو بالکل عمر و عیار کی زنبیل یا مداری کا تھیلا معلوم ھوتے ھیں - جو چیز مانگو انھی بستوں میں سے نکل آتی ھے -
آغاصاحب نے اپنے نانا نواب احمد حسن خاں سے پوچھ پوچھ کر ' احسان ' کے حالات لکھ لئے ھیں - وہ کاغذات بھی انھوں نے مجھے دیدئے اور کیوں نہ دیتے ' مفت میں ان کے پڑ نانا کا حال ایک بھلا مانس لکھ رھا تھا - خیر میں ان کا شکریہ ادا کروں ' یہ میرا ادا کریں - اور آپ سب پڑھنے والے ان کا اور میرا دونوں کا شکریہ ادا کریں - چلو عوض معاوض گلہ ندارد —

میرا جہاں تک خیال ھے ' اسی کلیات کی ایک نقل لالہ سریرام صاحب کے پاس ھے اور دوسری لندن میں - کیوں کہ لالہ صاحب نے جو حال کلیات ' احسان ' کے متعلق خمخانۂ جاوید میں اور جیمس فلربلوم ھارٹ نے اپنی فہرست کتب میں دیا ھے ' وہ حرف بحرف آغا صاحب والے نسخے سے ملتا ھے - لندن والے نسخے کی تاریخ تحریر یکم جمادی الثانی ۱۲۵۷ ھجری ھے - لالہ صاحب نے اپنے نسخے کی تاریخ درج نہیں کی اور آغا صاحب والے نسخے میں یہ حصہ جھینگر چاٹ گئے ھیں - لیکن حالات کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ھے کہ یہ دونوں نسخے بھی اسی تاریخ یا اس کے زمانۂ قریب میں مرتب ھوے ھیں - جیمس فلربلوم ھارٹ نے لکھا ھے کہ لندن والے دیوان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ایک قصیدہ کسی دوسرے شخص کا بھی ھے - لیکن تخلص چھوٹ گیا ھے ' اس لئے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ قصیدہ کس کا ھے - آغاصاحب والے دیوان سے یہ چیستاں حل ھوجاتی ھے —

اس قصیدے کا ابتدائی حصہ نقل کئے دیتا ھوں —

مسدس منقبت حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم شاگرد مصنف دیوان ھذا محمد قادر بخش ' موزوں ' —

السلام اے پیشواے اولین و آخریں　　السلام اے بادشاہ اتقیاو مرسلیں
الصلوٰۃ والسلام اے ھادی راہ یقیں　　تم کو کہتے ھیں یہی سب حامل عرش بریں

الصلوٰۃ والسلام یا شفیع المذنبین
الصلوٰۃ والسلام اے رحمۃً للعالمین

یہ مرزا قادر بخش 'موزوں' دہلی کے سلاطین زادے اور مرزا قادر بخش 'صابر' کے سالے تھے - 'احسان' کے شاگرد تھے اور اُستاد کی ان کے حال پر خاص نظر تھی - ان واقعات کو میں آئندہ درج کرونگا - یہاں صرف یہ بتا دینا چاھتا ھوں کہ بظاھر یہ معلوم ھوتا ھے کہ جس طرح مرزا معزالدین 'ثابت' نے اُستاد کا دیوان مرتب کیا ' اسی طرح مرزا قادر بخش 'موزوں' نے ان کا کلیات ترتیب دیا - ورنہ اس قصیدے کو اس کلیات میں آنے کی کوئی وجہ نہ تھی - چونکہ اُستاد کا حال دیباچے کی شکل میں مرزا معزالدین 'ثابت' لکھہ چکے تھے اس لئے 'موزوں' نے یہ دیباچہ بھی اس کلیات میں شریک کردیا (واللہ اعلم بالصواب) اور آخر میں مولوی امام علی المتخلص بہ 'مقتول' کی تقریظ لگا دی —

'ثابت' کا مرتب کیا ھوا جو دیوان ھے ' اس میں غزلیں اس حمد سے شروع ھوتی ھیں :

یہ دو جو بحر ھیں یہاں کون ناخدا میرا خدا ھی دونوں جہاں میں ھے ناخدا میرا

لالہ سریرام صاحب والے نسخے کا حال معلوم نہیں - اغا صاحب والے نسخے کے پہلے چند صفحے غائب ھیں - البتہ لندن والے نسخے میں اس حمد سے پہلے تین شعر اور دیے ھیں —

یہی وظیفۂ مجنون دشت (بدشت؟) عشق رھا فدا ھوں اس پہ کہ اسری بعبدہ لیلا
گرا جو شام کو دست فلک سے ساغر بھر (مے؟) نشے میں عشق کے ھے چور گنبد مینا
جبین عرش معلیٰ ھے سجدہ ساز (کاہ؟) نیاز اس آستان پہ سبحان ربی الاعلیٰ

تینوں نسخوں کے شروع میں شہزادہ معزالدین 'ثابت' کا لکھا ھوا دیباچہ ھے - جس میں پہلے لوگوں کی طرح صرف لفاظی ھی نہیں کی بلکہ اُستاد 'احسان' کا بہت کچھہ حال بھی لکھا ھے - دیباچے کی زبان فارسی ھے ' مگر ایسی فارسی ھے کہ

اس کو ایرانی شاید فارسی کہنے میں تامل کریں - کیا اچھا ہوتا کہ صاحب عالم یہ دیباچہ اُردو میں لکھ دیتے - کم سے کم یہ تو فائدہ ہوتا کہ ہمیں ترجمہ کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑتی - خیر - جب پڑی ہے تو اُٹھائیں گے - لیجئے دیباچہ ملاحظہ ہو٭ فرماتے ہیں :

---

* (دیباچے کا ترجمہ) اس رحمن کا احسان ہے جسنے ہر ایک عبد مؤمن کو اپنی رحمت خاص سے ایمان کی دولت عطا فرمائی اور زبان کو جو صرف ایک گوشت کاٹکڑا ہےگویائی کی قوت دیکر سخن سنج بنایا - مصرعہ: "حکیمے سخن بر زبان آفرین"— اپنی قدرت کاملہ سے دونوں عالم کی هستی کی بنیاد رکھی اور شعرا کی زبان کی شیرینی کو شہد کے ساتھہ ملایا - دونوں جہان کی ابتدا کا مطلع انتہا کا مقطع اور وسعت کا قصیدہ اس کی صنعت مختصر ہے —

انسان کی پانچوں انگلیوں کا مخمس آنکھہ اور کان کی رباعی اعضا کے قطعات اور کل مخلوقات (یعنی جن وانس) کی مثنوی اسی سے منسوب ہے —

اے ساختۂ تو پیکر ما — احسان تو هست بر سر ما
رحمے که زره بروں نباشم — از حکم تو گه دروں نباشم
ثابت حمدت چه سازد انشا — هستی تو معز دین و دنیا
صد شکر که ذات مصطفیٰ را — آن سرور جمله انبیا را
پیغمبر ما بداں نمودی — رحمے بر عاصیاں نمودی

ایسا پیغمبر جس نے ہم عاصیوں کو شفاعت کا مژدہ سنایا اور اپنی عنایت کا دستر خوان ہر طرف بچھایا ' شفیع ' مطاع نبی ' کریم —

ایسا صادق کہ جناب فیض مآب حضرت صدیق کو یارغار بنایا - ایسا عادل کہ حضرت عمر کو ایک مدت تک اپنی تربیت سے نوازا - ایسا جامع (کمالات) کہ حضرت عثمان کی ذات بابرکات کو جامع قرآن کیا - ایسا امیرکہ امیرالمومنین حضرت علی کو ولی کا رتبہ بخشا —

ایسا محسن کہ اس کے طفیل سے حضرت حسنین کے ابر رحمت کا سایہ ہمارے سروں پر ہے' ایسا قادر کہ اس کی عنایت سے شیخ الارض و السموات شیخ عبدالقادر جیلانی

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

احسان آن رحمن که هر یک عبد مومن خود را از رحمت خاص خود دولت ایمان بخشیده - وزبان را که پارهٔ گوشت است قوت نطق داده وسخن سنج گردانیده مصرعه: ' حکیمی سخن بر زبان آفرین ' - از قدرت کاملهٔ خود بنای هستی دوعالم ریخته - و شیرینی لسان شعرا را باشهد آمیخته - مطلع بدایت و مقطع نہایت وقصیدۂ مطول

(بقیه بر صفحه گذشته)

رنج و تکلیف میں ہمارے دستگیر ہوے - ایسا آقا کہ عبدالرحمن کے نام کو پسند فرمایا اور یہی نام رکھنے کا حکم دیا - اللہم صل علیٰ محمد و آل محمد و اصحابہ و اتباعہ و بارک و سلم —

امابعد یہ عاصی عزلت گزین مرزا معز الدین ابن شاہ عالم بادشاہ غازی انارالله برہانہ کہ ' ثابت ' تخلص رکھتا ہے اور محبت کے رستے میں ثابت قدم ہے ' عرض کرتا ہے کہ مجھ ناکارہ کو بچپن سے فارسی اور اردو شعر کہنے کا شوق تھا چاہتا تھا کہ کسی ایسے استاد سے اصلاح لوں جسکی استادی مسلم ہو - اسی تلاش میں والد ماجد مغفور کی مجلس خاص میں جایا کرتا تھا - مجلس خاص سے مرادیہ ہے کہ سلامی دیوان خاص میں حاضر ہو کر مجرا بجا لاتے اور چلے جاتے اور حضرت ظل سبحانی خاصہ تناول فرمانے کے بعد سونے کے لئے پھر دیوان خاص میں تشریف لاتے - چونکہ اعلیٰ حضرت ممدوح کو شعر کہنے کا بڑا شوق تھا اس لئے اس وقت ہر روز کوئی مطلع یا رباعی یا غزل فی البدیہ فرماتے چنانچہ حضرت صاحب عالم و عالمیان برادر صاحب قبلہ یعنی مرزا محمد ایزد بخش بہادر عرف مرزا نیلی صاحب دام اقبالہ کے استاد حافظ عبدالرحمن خاں 'احسان ' ہمیشہ حاضر رہتے - اعلیٰ حضرت بھی ان کو استاد کہتے اور ان کے حال پر بہت عنایت رکھتے تھے — استاد مذکور فارسی اور اردو غزلیں فی البدیہہ کہتے اور اپنی شیریں کلامی سے بادشاہ جم جاہ کو خوش کرتے تھے —

ایک دن بادشاہ سلامت نے میرے سامنے فرمایا کہ حافظ جیو میں نے ریختہ کا ایک مصرعہ کہا ہے دوسرا مصرعہ فی البدیہ لگایئے - خود میرے خیال میں نہیں آتا - کہا جو حکم - فرمایا - مصرعہ: "صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں" خان مذکور نے دوسرا مصرعہ فوراً عرض کیا - مصرعہ " نا مناسب ہے یہاں وقت سحر گاہ نہیں"

(بقیه بر صفحه آئنده)

دو جہاں صنعت مختصر اوست - مخمس پنج انگشت انسان و رباعی چشم و گوش و قطعہاے اعضا و مثنوی کل مخلوقات منسوب بدوست -

اے ساختۂ تو پیکر ما　　احسان تو هست بر سر ما
رحمے کہ زرہ بروں نباشم　　از حکم تو کہ بروں نباشم

(بقیۂ صفحہ گذشتہ)

بادشاہ سلامت نے ھنسکر فرمایا: اب غزل پوری کردو - استاد مذکور نے وھیں بیٹھ کر غزل اتنی جلدی پوری کردی گویا اپنی کہی ہوئی غزل یاد تھی - مجلس میں ابو محمد خاں داروغۂ خاصہ اور نور علی خاں داروغۂ توشک خانہ وغیرہ موجود تھے ' سب نے تعریف کی - لیکن میں نے استاد کے کہے ہوے مصرعہ پر اعتراض کیا اور کہا کہ یا تو وقت سحر ہونا چاھئیے یا سحر گاہ - وقت اور سحر گاہ دونوں کے یہاں ایک ہی معنی ہیں اس لئے "وقت سحر گاہ" بے معنی ہے - استاد نے ھنسکر فرمایا : شاید حضرت علم شعر سے ناواقف ہیں - اور یہ بات شعرائے کامل کی صحبت کے بغیر حاصل ہونا مشکل ہے - یہاں تک کہ یہ گفتگو بادشاہ سلامت نے بھی سماعت فرمائی اور مجھ عاصی سے کہا کہ حافظ جیو اپنے وقت کے استاد ہیں' انہوں نے یہ لفظ بغیر سند نہ کہا ہوگا - میں نے عرض کی کہ یہ فارسی لفظ ہے ' جب تک کسی ایرانی مسلم‌الثبوت استاد نے نہ کہا ہو اس پر بھروسا نہیں ہوسکتا - حافظ جیو نے کسی قدر تامل کے بعد مرزا محمد علی 'صائب' تبریزی کا یہ شعر سند میں پڑھا :

آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد　　خواب در وقت سحر گاہ گراں می گردد

بادشاہ سلامت نے فرمایا : ہم نہ کہتے تھے کہ انہوں نے غلط نہ کہا ہوگا - میں نے کہا قبلۂ عالم! یہ خود شاعر ہیں' خود ہی کہہ کر شعر پڑھ دیا ہوگا' صائب کا دیوان دیکھ لوں تو یقین آئے - بادشاہ سلامت اس پر کسی قدر خفا ہوے اور فرمایا : جواب جاھلاں باشد خموشی - قصہ مختصر دوسرے دن استاد نے اساتذہ کے یہ شعر "وقت سحر گاہ" کی سند میں لاکر پڑھے :

حواتی گیلانی کا شعر : فغان بلبل و وقت سحر گاہ　　حواتی و دل نالاں و شب ھا
علی نقی کمرہ کا شعر : وقت سحر گاہ ز خوں دعا　　بر سپہ قصہ شبے خون زنم
اشرف قزوینی کا شعر : دلبرم وقت سحر گاہ بدرخانہ رسید　　همچو صبح شفق آلودہ رخش سرخ و سفید

ایک روز اعلیٰ حضرت نے فارسی کا ایک مصرعہ فرمایا تھا ' استادنے فی‌البدیہہ

(بقیۂ بر صفحہ آئندہ)

ذابت حمدت چه سازد انشا   هستی تو معز دین و دنیا
صد شکر که ذات مصطفی را   آن سرور جمله انبیا را
پیغمبرے مابداں نمودی   رحمے بر عاصیاں نمودی

پیغمبرے که ما عاصیاں را صلاے شفاعت دادہ و خوان عنایت بر ہر کراں نہادہ -

مصرعہ : شفیع مطاع نبی کریم -

(بقیہ صفحۂ گذشتہ)

دوسرا مصرعہ لگاکر اس کو مطلع کردیا (مصرعہ) :

نکردم عشق کس ہرگز چو من عاشق سخن گشتم

میں اس وقت موجود تھا ، چپکے سے ان کے کان میں کہا کہ عاشق کی اضافت کو کیوں حذف کردیا - فرمایا : میں نے صحیح کہا ہے اور مرزا صائب کے یہ تین شعر پڑھے :

۱ - سر نمی پیچد بقدر سر ز تیغ آبدار   این قدر کس چوں قلم عاشق سخن باشد چرا
۲ - چوں سبوتا دست نم از زندگی در پیکرت   دستگیری کن مے آشامان عاشق بادہ را
۳ - عالمے روشن بچشمش زود می گردد سیاہ   ہو کہ چوں پروانۂ بیدرد عاشق صحبت است

میں نے بہت تعریف کی اور کہا کہ شاعری اسی کو سزاوار ہے جو اساتذہ کے کلام کا اس قدر پیرو ہو - سن کر فرمایا " اگرچہ میں نے خود کہا ہے اور 'صائب' جیسے زبردست شاعر کی سند موجود ہے لیکن میرے نزدیک بغیر اضافت کے اس طرح کے اشعار فصاحت کے رتبے سے گرجاتے ہیں " - ایک روز بادشاہ سلامت نے یہ مصرعہ کہا " خدایا ندارم سوا تو کسے را " اور استاد سے پوچھا کہ " سوا تو " کا لفظ یہاں صحیح ہے یا نہیں - دوسروں نے کہا " سوائے تو " چاہئے - بادشاہ سلامت نے کہا : میں ان سے پوچھتا ہوں - سن کر عرض کی کہ پیر و مرشد صحیح ہے اور شانی تکلو کا یہ شعر پڑھا :

من جان ندہم بکس سوا تو   تو دل ندہی بکس سوا من

اور مجھ سے کہا: یہ بھی اگرچہ صحیح ہے لیکن میرے خیال میں فصاحت سے دور ہے - اور یہ بھی ظاہر کیا کہ جہاں " ہا " مختفی ہوتی ہے وہاں شعرا اکثر فک اضافت کرتے ہیں ، چنانچہ محسن تاثیر نے کہا ہے (بیت) :

مسکن شوخے بود ہر پارہ دل در سینہ ام   خانہ ام چوں کوفداں ماوائے چندیں خانہ است

الغرض استاد مذکور حضور پر نور کے سامنے ایسے مضبوط اور مربوط شعر فی البدیہہ

(بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

صادقے کہ جناب فیض مآب صدیق رایارغار ساختہ، عادلے کہ حضرت عمر را عمرے بہ تربیت خود بنواختہ - جامعے کہ ذات بابرکات عثمان راجامع قرآن کردہ، امیرے کہ امیرالمؤمنین حضرت علی را رتبۂ ولی بخشیدہ —

حسنے کہ از طفیلش ابرِ رحمت حسنین بر فرق ماسایہ فگن - قادرے کہ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ)

کہتے تھے کہ سخن فہموں کا دل خوش ہوجاتا تھا - یہاں تک کہ ان کے خدمتِ صحبت سے خوشہ چینی کر کے میں نے ظاہر کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہوں - فرمایا: فارسی اشعار سے عہدہ برا ہونا بہت مشکل ہے - ریختہ میں شعر کہا کیجئے - کیونکہ ریختہ کی اچھی غزل فارسی سے بہتر ہے - میں نے کہا: صحیح ارشاد ہوا جب ہی تو ہدایت نے کہا ہے:

ہدایت کہا ریختہ جب سے ہم نے　　رواج اٹھ گیا ہند سے فارسی کا

سن کر کہا کہ ریختہ گو کے لئے فارسی جاننا بہت ضروری ہے، بغیر فارسی جانے غلطی ہو جاتی ہے اور غلطی کا علم نہیں ہوتا - القصہ اس مسلم الثبوت استاد کی صحبت کی برکت سے ریختہ گوئی میں میرا یہ رتبہ ہو گیا ہے کہ اس فن شریف کے استاد بھی میرے شعر پسند کرتے ہیں اور میرے اکثر شاگرد جو میرے بھائی اور بھتیجے بھی ہیں، ایسے شعر کہنے لگے ہیں کہ ان کی تعریف ہوتی ہے - اس گفتگو سے میری یہ غرض ہے کہ اس ناچیز بندے کے استاد حافظ عبدالرحمن خان احسان نے ریختہ کی بنیاد اس طرح ڈالی ہے کہ ان کے ریختہ کے سامنے کسی ریختہ گو کا کلام مجھے پسند نہیں آتا اگر میں اس شیریں سخن کو خسرو اقلیم فصاحت و بلاغت کہوں تو درست ہے اور چونکہ سخن سنجی کا ملک ان کے زیر نگیں ہے اس لئے اگر ان کو ملک الشعرا کہوں تو بجا ہے - اول تو ان کی عادت ہی ایسی واقع ہوئی ہے، دوسرے یہ حضور والا کے یہاں حاضر رہتے اور برادر صاحب قبلہ ممدوح کی سرکار فیض آثار کے کاروبار میں لگے رہتے ہیں، اس لئے بغیر کسی کی فرمایش کے غزل نہیں کہتے - میں نے ہر چند دیوان ریختہ کی تدوین کا سلسلہ چھیڑا لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا - (لاچار) اکثر اپنی فرمایش اور استاد موصوف کی مشاعروں میں پڑھی

(حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

از عنایتش شیخ السموات والارض شیخ عبدالقادر جیلانی دستگیر رنج و محن - سرورے که نام عبدالرحمن را پسند فرموده و بایں اسم نهادن امر نموده - اللهم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد و اصحابه و اتباعه و بارک و سلم —

اما بعد عاصی عزلت گزین مرزا معزالدین ابن شاه عالم بادشاه غازی انارالله برهانه که تخلص 'ثابت' دارد و در راه اخلاص ثابت است' میگوید که ایں هیچمدان را از صغر سنی شوق شعر فارسی و ریخته کمال بود' و طالب اهل کمال بودم - میخواستم که اصلاح شعر از استادے بگیرم که استاد مسلم الثبوت باشد - چنانچه در همیں تلاش در مجلس خاص والد ماجد مغفور خود حاضر میشدم و محفل خاص عبارت از آنست که مجرائیان از دیوان خاص شرف مجرا در یافته میر فتند و حضرت ظل سبحانی خاصه تناول فرموده بدیوان خاص باز برائے استراحت تشریف ارزانی می فرمودند — و چوں اعلیٰ حضرت ممدوح راشوق اشعار فرمودن بسیار بود ' آنوقت هر روز یا مطلع یا غزل یارباعی فی البدیه میفرمودند - چنانچه حافظ عبدالرحمن خاں 'احسان' استاد حضرت صاحب عالم و عالمیان برادر صاحب قبله مرزا محمد ایزد بخش بهادر عرف مرزا نیلی صاحب دام اقباله مدام حاضر بودند و اعلیٰ حضرت ایشاں را استاد می فرمودند و بغایت عنایت بحال ایشاں مصروف می داشتند - استاد مسطور فی البدیه

(بقیه حاشیه بر صفحه گذشته)

هوئی غزلوں کو اکٹھا کر کے یه دیوان مرتب کیا ' تا که هندوستان کے اس باغ سے جو فهرت بهشت هے - سخن سنجوں کی طبیعت کی بلبلیں گل مراد حاصل کریں —

بشر کے لئے جا می خوش کلام   که هےنام احسان هے وه نیکنام
بکیفیت جام پیر مغاں   با ملوحت ملک عشق بتاں
معطر هوا اس سے هندوستاں   یهه هے بوستاں لائق دوستاں
جهاں دیکهو واں یاسمین سخن   خیاباں خیاباں چمن در چمن

اے خدا اس گلزار رشک ارم کو حوادث زمانه کی باد سموم سے مصئون و محفوظ رکهیو - بحرمت النبی و آله الامجاد —

غزلہاے فارسی و ریختہ سرانجام می نمود و بادشاہ جمجاہ را از شیریں زبانی خود مسرور میساخت - روزے بادشاہ روبروے می‌فرمودند کہ حافظ جیو مصرعۂ ریختہ می‌گویم، مصرع دیگر فی‌البدیہہ باید گفت کہ بخاطر ما بدولت نمی آید - عرض کرد کہ ہر چہ حکم، ارشاد فرمودند (مصرعہ) :

' صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں '

خاں مذکور بے تامل مصرع ثانی‌بہم رسانید، و آں این است (مصرعہ) :

' نا مناسب ہے میاں وقت سحر گاہ نہیں '

بادشاہ تبسم نمودہ فرمودند ہمہ غزل باتمام رسانید - ہماں جا اُستاد مذکور غزل آنچناں زود تر سرانجام نمودند کہ گویا کہ غزل گفتۂ خود یاد بود - حاضران مجلس ابو محمد خاں داروغۂ خاصہ و نور علی خاں داروغۂ توشکچی خانہ وغیرہ تحسین کردند - مگر ایں ہیچمداں بر مصرعۂ بہم رسانیدہ موسی الیہ اعتراض نمود - گفتم یا "وقت سحر" باید گفت یا " سحر گاہ " باید داشت ' لفظ گاہ و وقت کہ ہر دو دریں جا یک معنی دارند بے معنی است " - مشارالیہ خندیدہ گفت : حضرت از علم شعر خبر ندارند و آں بدون صحبت شاعر کامل بہم رسیدن بسیار دشوار است - تا آنکہ ایں گفتگو بادشاہ مسموع فرمودند و ایں عاصی را ارشاد ساختند کہ حافظ جیو اُستاد وقت خود اند، بدون سند ایں لفظ نگفتہ باشند - بندہ عرض کرد کہ ایں لفظ فارسی است تا آنکہ کسے اُستاد علم‌الثبوت ولایت زانگفتہ باشد اعتبار ندارد -

حافظ جیو بعد تامل ایں شعر مرزا محمد علی ' صائب ' تبریزی در سند خواندند :

آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد　　خواب در وقت سحر گاہ گراں می گردد

بادشاہ تبسم فرمودہ فرمودند " ما نمی فرمودیم کہ از ایشاں خطا نخواہد شد - " عرض کردم کہ " قبلۂ عالم ایشاں شاعر اند خود تصنیف نمودہ خواندہ باشند، اگر در دیوان صائب بہنم غلام را اعتبار آید - " بادشاہ قدرے برہم شدہ فرمودند - " مصرعہ : جواب جاہلاں باشد خموشی - " القصہ اُستاد مذکور روز دیگر ایں

سه شعراساتذه در سند "وقت سحرگاه" آورده خواندند - حیاتی گیلانی (شعر) :

فغان بلبل و وقت سحرگاه حیاتی و دل نالان و شبها

علی نقی کمره: وقت سحرگاه زخیل دعا بر سپه غصه شبیخون زنم

اشرف قزوینی: دلبرم وقت سحرگاه بدرخانه رسید همچو صبح شفق آلود رخش سرخ وسفید

روزے اعلی حضرت مغفور یک مصرعهٔ غزل فارسی طرح فرموده بودند۔ استاد مسطور این مصرع فی البدیه در مطلع بهم رسانیده بود، مصرعه:

"نکردم عشق کس هر گز چو من عاشق سخن گشتم"

آن وقت حاضر بودم، آهسته بگوش گفتم: " اضافت لفظ عاشق چرا محذوف نمودند" گفته " درست گفته ام " و این سه شعر مرزا صائب خواندند :

سرنمی پیچد بترک سر ز تیغ آبدار این قدرکس چون قلم عاشق سخن باشدچرا

چون سبو تاهست نم از زندگی درپیکرت دستگیری کن می آشامان عاشق باده را

عالمے روشن بچشمش زود می گردد سیاه هرکه چون پروانهٔ بیدردعاشق صحبت است

بسیار تحسین نمودم و گفتم: شاعری کسے راسزاوار است که این قدر متبع کلام اساتذه باشد شنیده گفتند اگرچه من هم گفته ام و سند همچو صائب شاعر زبردست موجود است- لیکن نزدیک من بدون اضافت این چنین اشعار از رتبه فصاحت می افتند. یکروز پادشاه این مصرعه فرمودند (مصرعه) " خدا یا ندارم سوا تو کسے را " و از استاد پرسیدند که لفظ "سوا تو " هم درست است یا نے دیگران گفتند که لفظ " سوائے تو" است- بادشاه فرمودند "من ازایشان می پرسم۔ شنیده عرض کردند که پیر و مرشد درست است و این شعر شانی تکو خواندند:

"من جان ندهم بکس سوا تو " " تو دل ندهی بکس سوا من و"ازمن گفتند، این نیز اگرچه درست است امابخیال من بعید ازفصاحت است و ظاهر ساختند، جائیکه "ها" مختفی باشد شعرا اکثر فک اضافت نموده اند، چنانچه محسن تاثیر بیت

مسکن شوخے بزدهرپاره دل درسینه ام خانه ام چون کیفدان ماوائے چندین خانه است

الغرض استاد مذکور اشعار فی‌البدیه بدون خطا بحضور پرنور حضور والا مضبوط و مربوط سر انجام میساختند که دل سخن فهم محظوظ می شد - تا آنکه خوشه چین خرمن صحبت ایشان شده ظاهر نمودم که دل من می خواهد که شعر فارسی و ریخته هر دو گفته باشم - گفتند که از عهدهٔ شعر فارسی بر آمدن خیلے دشوار است، اشعار ریخته فرموده باشند که غزل ریخته اگر خوب باشد بهتر از فارسی است - گفتم: بجا است - هدایت شاعر می گوید - (شعر) :

'هدایت' کہا ریختہ جب سے ہم نے　　رواج اٹھ گیا ہند سے فارسی کا

شنیده ظاهر نمودند که شاعر ریخته گو را علم فارسی پر ضرور است، بدون علم فارسی خطا می سازد و از خطاے خود مطلع نمی شود - آخرالامر از برکت صحبت آن استاد مسلم‌الثبوت در ریخته گوئی پایهٔ بهم رسانیدم که اساتذهٔ این فن شریف شعر من پسند می نمایند و اکثر شاگردان من که برادر و برادر زادها اند آن چنان ریخته می گویند که قابل تحسین و آفرین اند - غرض این گفتگو آنکه حافظ عبدالرحمن خاں 'احسان' استاد این اضعف‌العباد بناے ریخته آن چنان ریخته اند که روبروے ریختهٔ ایشان ریخته کسے ریختهٔ گو پسند خاطر من نمی آید - این شیرین سخن را اگر خسرو اقالیم فصاحت و بلاغت بگویم رواست - چون مملکت سخن سنجی زیر نگین دارد اگر ملک‌الشعراء بگویم بجاست - چون خوے ایشاں چناں واقع شده که بدون تحریک محرکے غزل نمی گویند و نیز حاضر باشی در حضور والا و کاروبار سرکار فیض آثار برادر صاحب قبله ممدوح دارند - بران هر چند که سلسله جنبان تدوین دیوان ریخته شدم صورت نه بست - اکثر غزل هاے فرمایشی طبع زاد استاد موصوف بهم رسانیده، تدوین آن نمودم که تا عندلیب طبع سخن سنجان از این بوستان هندوستان که غیرت ریاض رضوان است گل مراد چینه —

بشہر یئی جامی خوش کلام　　کہ ہمنام 'احسان' ہے وہ نیک نام

بکیفیت جام پیر مغاں　　با منیت ملک عشق بتاں

معطر ہوا اس سے ہندوستاں یہ ہے بوستاں لائق دوستاں
جدھر دیکھو واں یاسمین سمن خیاباں خیاباں چمن در چمن

الٰہی این گلزار رشک ارم از صر صر حوادث روزگار مصئون و محفوظ باد بحرمت النبی و آلہ الا مجاد —

حالات حافظ عبدالرحمن خاں کے آبا و اجداد کسی زمانے میں بخارا کے حاکم تھے۔ جب مغلوں نے ترکستان کو تاراج کرنا شروع کیا، اس وقت یہ خاندان ہٹ کر ہرات آگیا - مگر وہاں بھی اس کو چین نصیب نہ ہوا - آخر دو بھائیوں نے اپنے گھر بار کو خیر باد کہہ ہندوستان کا رخ کیا - اس زمانے میں خاندان تغلق دہلی میں حکمراں تھا - ان دونوں بھائیوں کی دربار دہلی میں بڑی قدر و منزلت ہوئی - بڑے بھائی کو موسیٰ خاں اور چھوٹے کو عیسیٰ خاں خطاب ملا اور شاہی نوازشوں نے تھوڑے ہی دنوں میں وطن کی مصیبتوں کو ان کے دل سے بھلادیا - خدا معلوم کس نیک ساعت میں یہ خطاب ان بھائیوں کو ملے تھے کہ دہلی میں بیسوں خاندانوں میں بادشاہت بدل گئی - لیکن یہ خطاب اسی طرح باپ سے بیٹوں پر اُترتے چلے آئے اور غدر کے بعد جب دہلی کی سلطنت ہی ختم ہوگئی اس وقت ان کا بھی سلسلہ ٹوٹا—

یہ خاندان ثروت و اقتدار کے ساتھ علم و فضل میں بھی ہمیشہ مفتخر و ممتاز رہا ہے - اگر ایک طرف یہ لوگ دربار میں امرا کے طبقے میں کھڑے ہوتے تھے تو دوسری طرف خلوت خاص میں علما کے ساتھ بیٹھے نظر آتے تھے - سلطنت مغلیہ کے زمانے میں شاہزادوں اور شاہزادیوں کو کلام مجید پڑھانے کی خدمت اسی خاندان میں تھی - اور غدر تک قایم رہی، یہی وجہ ہے کہ اس خاندان میں اُس سرے سے اس سرے تک حافظ ہی حافظ نظر آتے ہیں، محمد شاہ اور احمد شاہ کے زمانے میں یہ خدمت 'احسان' کے والد حافظ غلام رسول خاں کے سپرد تھی - ان کا خطاب موسیٰ خاں محب الدولہ بہادر تھا - ان کی شادی قمرالدین خاں وزیر محمد

شاہ بادشاہ کے فرزند بدرالدین خاں کی بیٹی سے ہوئی اور ان کے بطن سے سنہ ۱۱۸۳ ھ میں حافظ عبدالرحمن خاں 'احسان' پیدا ہوے - نادر گردی میں بدرالدین خاں اپنے قاضی کے حوض والے مکان میں شہید ہوے - یہ مکان اس کے بعد ان کی بیٹی کے قبضے میں آیا اور ان سے حافظ 'احسان' کو ترکے میں ملا - اس وقت سے اب تک اس مکان پر اسی خاندان کا قبضہ ہے —

بچپن ہی میں عبدالرحمن خاں 'احسان' نے کلام مجید حفظ کر لیا اور اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کی خدمت پر مقرر ہوے - موسیٰ خاں صمصام الدولہ خطاب ملا اور شہزادوں کی تعلیم ان کے سپرد ہوئی - شاہ عالم ثانی اکبر شاہ اور بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں جتنے شاہزادے اور شاہزادیاں حافظ قرآن تھیں' ان سب کو 'احسان' ہی نے کلام مجید حفظ کرایا تھا —

تمول کے لحاظ سے یہ خاندان دہلی بھر میں سب سے زیادہ امیر سمجھا جاتا تھا - اگر ایک طرف خان پور' سنکیڑہ اور اوکھلے کی جاگیر کی آمدنی تھی تو دوسری طرف سکنی جائداد کا کرایہ - اگر ایک جانب باغات تھے تو دوسری جانب حویلیاں - غرض بڑے اچھے امیروں کی طرح گذرتی تھی - سکنی جائداد دو چار دوکانیں یا ۵ - ۶ مکانات نہیں تھے' اجمیری دروازے سے لگا کر رجنا بیگم کی حویلی تک' اور پیپل مہادیو سے میر جملہ کے مدرسے تک سارے کا سارا بازار ان کا تھا -

کھاری باؤلی کے بازار کا کوئی چوتھائی حصہ' سرکی والوں کی محلسرا' میر جملہ کا مدرسہ' حبش خاں کے پھاٹک کا شیش محل' باغ بدیع یارخاں' قاری کی کوٹھیاں کی باغیچی' قلعے کے نیچے کا انگریزی باغ اور میر ذرّوڑا کی حویلی انہی کے قبضے میں تھیں - اس آمدنی کے ساتھ اگر قلعے کی تنخواہ کو ملا لیا جاے تو اس خاندان کی ثروت کا اندازہ ہو سکتا ہے - ان کی محلسرا کا برنجی پھاٹک ہندوستان کی صنعت کا ایک بہترین نمونہ تھا - افسوس ہے کہ وہ غدر میں تباہ ہو گیا - جائداد بھی غدر کے بعد ایک ایک کر کے ٹھکانے لگ گئی - انگوری باغ

کٹ کر میدان ہو گیا - باغ بدیع یار خاں بک کر پنجابیوں کا کٹرہ بنا اور ٹوٹ کر دہلی کا ریلوے اسٹیشن ہو گیا۔ کچھ تو جائداد غدر کے بعد ضبط ہو گئی اور کچھ ان کے ایک پوتے نے جوے میں ہاردی - اس خاندان میں اگر کوئی سب سے زیادہ قابل قدر چیز تھی تو وہ ان کا کتب خانہ تھا - وہ بھی غدر میں تباہ ہو گیا - پندرہ ہزار قلمی کتابوں میں سے صرف دو تین باقی رہ گئیں اور وہ بھی اس طرح کہ کسی نے لاپرواہی سے ان کتابوں کو دو چھتی میں ڈال دیا تھا - غدر کے بعد جب امن امان ہو گیا اور لوگ پھر آ کر دہلی میں بس گئے تو کسی ضرورت سے دو چھتی دیکھی گئی اور یہ کتابیں وہاں سے نکلیں - قاعدہ تھا کہ بادشاہ کی سواری جب شہر میں سے گزرتی تو امرا اپنے دروازوں پر نذریں لے کر کھڑے ہو جاتے اور وہیں بادشاہ سلامت کو نذریں دکھاتے - سارے شہر میں صرف حافظ عبدالرحمن خاں ہی تھے جن کو یہ نذر معاف تھی - ہاں ان کو نذر کی بجائے کوئی قلمی کتاب پیش کرنی پڑتی تھی —

حافظ عبدالرحمن خاں 'احسان' کے دو بیٹے تھے - سیف الرحمن خاں اور عبدالحکیم خاں - سیف الرحمن خاں کو پہلے رشید الدولہ کا اور باپ کے انتقال کے بعد موسیٰ خاں کا خطاب ملا - اور عبدالحکیم خاں کو عیسیٰ خاں کا - یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ آغا حیدر حسن صاحب پروفیسر اردو نظام کالج، سیف الرحمن خاں کے اور محمد عظمت اللہ خاں مرحوم، عبدالحکیم خاں کے نواسے ہیں - سیف الرحمن خاں کی شادی ذوالفقار الدولہ نجف خاں وزیر شاہ عالم ثانی سے ہوئی - نجف خاں کے انتقال کے بعد انہوں نے اپنے سسرے کی جائداد یعنی حویلی میر کروڑا اور مدرسۂ میر جملہ پر قبضہ کر لیا اور یہ جائداد اس خاندان میں غدر کے زمانے تک رہی —

سیف الرحمن خاں کے تین لڑکے ہوے - نواب احمد حسن خاں، مولوی عنایت الرحمن خاں، (منجھلے آکا) اور مولوی احسان الرحمن خاں (چھوٹے آکا) نواب شمشیر الدولہ بہادر کی ایک لڑکی کی شادی نواب احمد حسن خاں سے اور دوسری لڑکی زینت محل

کی شادی بہادر شاہ ثانی سے ہوئی تھی - اس طرح نواب احمد حسن خاں اور بہادر شاہ ہمزلف تھے - حبش خاں کے پھاٹک میں جو شیش محل ہے' وہ بیوی ہی سے نواب احمد حسن خاں کو پہنچا تھا - مگر وہ انھوں نے جوے میں مرزا اسفندیار بیگ کے ہاتھ ہار دیا- غدر میں اس خاندان پر بڑی تباہی آئی- احمد حسن خاں قلعے کے تعلقات کی وجہ سے باغیوں سے مل گئے - ہر سرو کی گڑھی میں جو خزانہ تھا اس پر قبضہ کرکے دھلی لائے اور نصیرالدولہ خطاب پایا - لیکن جب باغیوں کوشکست ہوئی تو یہ اور ان کے والد سیف الرحمن خاں الور چلے گئے' مگر وہاں سے اپنے نوسو ساتھیوں کے ساتھ پکڑے ہوے دھلی آے ۹۰۰ کو تو فورڈ صاحب نے گڑگاؤں ہی میں ختم کردیا' بقیہ کو دھلی میں پھانسیاں ہوئیں ' مگر معلوم نہیں کہ یہ دونوں باپ بیٹے کیوں کر بچ گئے - نواب موسیٰ خاں (سیف الرحمن خاں) کے انتقال کے بعد نواب احمد حسن خاں نے تمام خاندانی جائداد جوے میں پھونک دی - آخر آخر میں ان کا ہاتھ بہت تنگ ہوگیا تھا' پھر بھی کسی نہ کسی طرح اپنی گزار گئے - ان کے سوتیلے دونوں بھائیوں نے نہ صرف اپنے حصے کی جائداد کومحفوظ کیا' بلکہ اپنی کمائی سے اس میں بہت کچھ اضافہ کر کے اپنی حیثیت ایسی بنالی کہ دھلی میں اب بھی ان کے بیٹے اور پوتے رئیس مانے جاتے ہیں —

حافظ عبدالرحمن خاں 'احسان' شاہ عالم ثانی کے منجھلے بیٹے شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزد بخش عرف مرزا نیلی کی سرکار میں مختار کل تھے - اپنے دیوان میں انھوں نے صاحب عالم کی جا بجا تعریف کی ہے - چنانچہ لکھتے ہیں :

درۃ التاج شہاں فخر زماں ایزد بخش   فخر ہے فخر تری مدح سرائی مجھکو
جس گھڑی ہووے گہر ریز ترا ابر کرم   ہاتھ پھیلا کے کہے حاتم طائی ' مجھکو
ہے یہی دولت عظمیٰ کہ سدا ہووے نصیب   در دولت کی ترے ناصیہ سائی مجھکو

ایک جگہ مرزا نیلی کے نام کی وجہ یوں بتاتے ہیں :

میرزا نیلی ہے مقصود سپہر نیلی   تجھکو سر سبز رکھے خالق علام مدام
وجہ اس نام کے رکھنے کا یہ ہے تاکہ شہا   نیل چشم بد اعدا رہے یہ نام مدام

ایک اور غزل میں بھی ان کی تعریف کی ہے، ذرا ردیف کو ملاحظہ فرمائیے بالکل نئی ہے اور آخری شعر کا قافیہ تو داد دینے کے قابل ہے :

کہا جو میں نے نہ اہل زمیں کو دے گردش   یہ سن کے مجھکو لگا کہنے آسماں تم کون
کہا یہ میں نے کہ ہوں اس جناب کا استاد   غلام جس کا یہ کہوے شہاں کو ہاں تم کون
طفیل صاحب عالم محمد ایزد بخش   نہ کہہ سکے مجھے ہرگز فرشتہ خاں تم کون

اس قطعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نیلی کے ہاں نوکر ہی نہیں تھے بلکہ صاحب عالم کے استاد بھی تھے -

مرزا نیلی عمر میں اکبر شاہ ثانی سے صرف تین مہینے چھوٹے تھے۔ 'احسان' کا ایک طرف تو صاحب عالم سے تعلق تھا اور دوسری طرف برکت علی خاں 'برکت' خیرآبادی سے دوستی - ہوا یہ کہ ۱۸۲۰ء میں جنرل 'اختر لونی' دہلی کے رزیڈنٹ ہوکر آے۔ برکت علی خاں ان کے پیشکار ہوے۔ ان دونوں کی کچھہ ایسی بنی کہ رزیڈنسی میں میاں 'برکت' کا طوطی بولنے لگا۔ بھلا ایسا اچھا موقعہ کہاں ملتا تھا۔ احسان نے مرزا نیلی کو ولی عہد بنانے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کردی، لیکن کچھہ ایسا بل آکر پڑا کہ کامیابی نہ ہوئی اور ولیعہد بہادر کے دل میں فرق آگیا - پھر بھی جب اکبر شاہ دہلی کے تخت پر بیٹھے تو انھوں نے ظاہرداری برتنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی - اور جب ۱۲۴۹ ھجری میں مرزا نیلی کا انتقال ہوگیا تو یہ 'احسان' سے بالکل صاف ہوگئے -

مرزا نیلی کے مرنے کا 'احسان' کو بڑا قلق ہوا، ان کی وفات کی تاریخیں کہی ہیں، مگر افسوس ہے کہ ایک میں بھی درد نہیں ہے، لکھتے ہیں :

شاہزادہ محمد ایزد بخش   در جہاں بود ہمچو آب حیات

چوں سخاوت شعار بد گفتم "ھی اجر عظیم" سال وفات

جناب صاحب عالم محمد ایزد بخش کہ نقش خاطر آفاق شد کمال وفات
تو فوت گشتی واحسان حیات داد ترا " بیاب بخشش ایزد" بگفت سال وفات

۱۲۴۹ ھجری

احسان کا انتقال ۱۲۶۷ھ میں ھوا۔ گویا انھوں نے تین بادشاھوں یعنی شاہ عالم ثانی، اکبر شاہ ثانی اور بہادرشاہ ثانی کا زمانہ دیکھا۔ ان تینوں بادشاھوں استاد رھے اور مرتے دم تک ان کی قدر و منزلت میں فرق نھیں آیا اور آخر وقت تک بادشاہ اور شہزادے ان کی تعظیم و توقیر کرتے رھے۔ قلعے میں جو واقعات ان پر گذرے ھیں ان کا پتہ کچھہ کچھہ ان کے اشعار سے ملتا ھے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانے میں ان کی اچھی گزری۔ عید کی خوشی میں ایک قطعہ پیش کرتے ھیں:

درگاہ تری ھے عیدگاہ عالم عالم یہ کہے ھے اے پناہ عالم
عالم میں ھے رسم عید جب تک تب تک شاہ عالم ھی رھوے شاہ عالم

دلی والے شاہ عالم کی سلطنت کا حال ان چند الفاظ میں ظاھر کرتے ھیں: " بادشاھی شاہ عالم، از دلی تا پالم " - پالم دلی سے ۵، ۶ میل پر ایک موضع ھے - اس فاصلے اور شاہ عالم کے لفظ کو ملا کر دیکھئے کیا لطف دیتا ھے، واقعی یہ فقرہ کسی بڑے خوش مذاق شخص کے دماغ سے نکلا ھے —

باز جسدم سے درعدل شہ عالم ھے بچۂ قاز بھی کرتا ھے یہاں باز سے رمز

نادرشاہ تخت طاؤس لے گیا تھا - کچھہ دنوں تو یونھی کام چلا - آخر شاہ عالم ثانی نے دوسرا تخت بنوایا - لکڑی کا تھا اس پر سنہری پتر جڑے ھوے تھے — تخت طاؤس سے شکل ملانے کی کچھہ کوشش بھی کی گئی تھی - جواھرات کی جگہ مینا کاری سے کام نکالا تھا - بھر حال تخت تیار ھوا اور تخت طاؤس نام رکھا گیا - غدر تک یہ تخت قلعے میں تھا - احسان نے اس تخت کی تاریخ کہی ھے :

چه خوش ساخته گشت تخت عجیب   بامر تو اے شاہ فرخ نهاد
چه تختے که گشته فلک گرد او   برو چشم از چشم انجم‌کشاد
مزین چو طاؤس خلد برین   مرصع چو تخت کے و کیقباد
بجز تخت جدّ تو شاہ جہاں   جہاں ثانیِ این ندارد بیاد
تو باشی و این تاکه باشد اثر   ز آب و ز آتش زخاک و ز باد
خبر داد 'احسان' ز تاریخ او   سریر شہنشاہ با دین و داد

۱۲۱۳ هجری

شاہ عالم بادشاہ سے جو ان کے تعلقات تھے وہ آپ دیباچے میں پڑھ چکے ہیں ۔ بھلا ایسے قدر شناس بادشاہ کے مرنے کا کیا کچھ غم ان کو نہ ہوا ہوگا ' ان کی وفات پر کیا ہی درد بھرا قطعہ لکھتے ہیں :

آفتاب فلک سلطنت عز و علا   شاہ‌عالم‌که وہ تھا مخزن احسان میرا
میں جو دربار معلیٰ میں نہ ہوتا کہتے   کیا سبب ہے کہ نہیں آج جو احسان میرا
اے فلک تو تو رہے اور نہ رہوے افسوس   وہ سخن سنج' سخن فہم' سخندان میرا
مثل شب' گر ہوں سیہ پوش مجھے لائق ہے   کہ جدا مجھ سے ہے وہ مہر درخشاں میرا

وفات کی کیا اچھی تاریخ لکھی ہے :

هزار و دو صد وبست و دو بود آہ   که بر زد کوس رحلت شاہ عالم
چو درفردوس منزل کرد آن شاہ   غمیں شد خلق و جانش گشت‌خرم
بکش آہ و بگو تاریخ احساں   که شد فردوس منزل شاہ عالم

۱۲۲۱ هجری

اُن کی شاہ عالم کے زمانے میں کسی نہ کسی طرح گزرے گئي ۔ اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں کسی چغلخور نے چغلی کھائی' احسان قلعے سے نکالے گئے ' عرضی بھیجی ' منظور ہوئی اور پھر ان کا قلعے میں وہی زور ہوگیا —

ہوں شہ ہند کا استاد یہ ہے فخر مجھے   شہرہ میرا تو شہا تا شہِ ایران گیا

عرض عمارز پذیرا ہوئی حق میں میرے　　کیا گیا میرا مگر اس کا ہی ایمان گیا
حکم والا یہ ہوا قلعے میں 'احسان' نہو　　سن کے اس بات کو اک شہر کا اوسان گیا
اے شہنشاہ جہاں قدر شناس احساں!　　خلق کیا کہویگی، گو حکم کو میں مان گیا
شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں 'احسان' نہو　　قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعے سے احسان گیا

اس کے بعد بہادر شاہ کا زمانہ آیا، انہوں نے تخت نشینی کی تاریخ کہی:

خسرو خسرواں بہادر شاہ　　گشت چوں بادشاہ ہندوستاں
سال تاریخ سلطنت گفتم　　خسر و عہد، والی دوراں
۱۲۵۳ھجری

بادشاہ کو باری کا بخار آیا، اچھے ہوے تو انہوں نے تہنیت کا قطعہ پیش کیا:

وہ خورشید چرخ شہی تو ہے شاہا　　کہ تیرے سبب سے ہے گھر گھر اوجالا
بہت بار 'احساں' نے شاہا دعا کی　　کہ باری کی تپ کھوئے باری تعالا
تو بارے درخت دعا میں لگا بار　　کہ اک بار اس بار غم سے نکالا
سوا سو برس تک تو جیوے الٰہی　　ترا حکم جاری، ترا بول بالا

کسی وجہ سے دربار بند ہوگیا تھا، تھوڑے ہی دنوں بعد مجرے کی اجازت ہوئی، اس واقعے کو یوں لکھتے ہیں:

'احساں' کو راہ قطب تو مکے کی راہ تھی　　ایک آرزو تو تھوڑی ہی مدت میں مل گئی
صد شکر بادشاہ کا مجرا ہوا نصیب　　دولت جو لکھی تھی مری قسمت میں مل گئی

دعا دیتے ہیں اور پر دادا تک نام گنوا جاتے ہیں کہ کہیں کسی دوسرے ابو ظفر کو نہ پہنچ جاے:

ابو ظفر بن اکبر بن شہ عالم!　　عروس عیش ہمیشہ ترے کنار میں ہو

ایک قصیدہ مدح میں لکھا ہے۔ اس کا ایک شعر نقل کرتا ہوں۔ داد دیجئے کہ کیا نیا مضمون ہے اور کس خوب صورتی سے باندھا ہے :

محراب کا عالم ہے یہ اے قبلۂ عالم   منہہ تیری طرف اور ہے کعبے کی طرف پشت

سب کچھہ تھا، مگر یہ زمانہ ان کے لئے بڑا سخت تھا۔ استاد ذوق کے قدم قلعے میں آ چکے تھے۔ خود بادشاہ اور شہزادوں کا گروہ کا گروہ اِدھر سے ٹوٹ اُدھر جا ملا تھا۔ ظاہرا ان کی تعظیم و توقیر میں تو فرق نہ آیا۔ ہاں تنخواہ ملنے میں اوپر سویر ہوجاتی تھی۔ بھلا یہ کب چوکنے والے تھے۔ ذرا تنخواہ ملنے میں دیر ہوئی اور انھوں نے تڑ سے عرضی دی۔ جب اس سے کام نہ چلا تو غزلوں میں اس کا رونا رویا۔ ایک دفعہ کیا ہوا کہ بادشاہ مچھلی کے شکار کو گئے ہوے تھے، یہ ساتھہ تھے، تنخواہ بند تھی، وہیں فی البدیہ ایک قطعہ کہا اور تنخواہ رکھوالی ۔

صید ماہی و صید دل ، شاہا   خوب ہے اور کچھہ نہیں معیوب
جاں ہو اور شکار مچھلی کا   یعنی توبے کا ہے نکالنا خوب
قطب صاحب تھے جب حضور گئے   وہ دو ماہا گیا ہے میرا توب
اس کو بھی حکم ہو نکلا آئے   صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ تنخواہ کٹ گئی ، انھوں نے قطعہ پیش کیا اور رقم اٹھائی ۔

اگر جنگل میں لٹ جائے جو کوئی کیا تعجب ہے   مگر تحقیق ہو تو چور کی مشکل رہائی ہے
مری تنخواہ لوٹی ان لٹیروں نے حویلی میں   دوہائی ہے بہادر شاہ غازی کی دوہائی ہے

بہر حال سب کچھہ کرتے ، مگر تنخواہ نہ وقت پر ملتی تھی اور نہ ملی۔ اس کا رونا اس طرح روتے ہیں :

بند وقتیں کیوں ہیں چھوڑتے ہو چاندرات کو   اس کا سبب جو پوچھو عیاں ہے نہاں نہیں
یعنی نہ اس طرح کا ہو جب تک کہ شور و شر   تنخواہ اور وضع سے ملتی یہاں نہیں

ایک جگہ شاعرانہ رنگ میں اسی مضمون کو ادا کرتے ہیں :

وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو، تنخواہ نہ دو　　دو بھی تو سے مجھے ایک ماہ میں اے ماہ نہ دو

تنخواہ نہ ملنے کی مصیبت کا جتنا انھوں نے رونا رویا ہے شاید ہی کسی نے رویا ہوگا - بادشاہ کو عرضیاں دیں، شاہزادوں کو عرضیاں دیں، اُمرا کو عرضیاں دیں، غرض پیروی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، خدا معلوم اس عرضیوں کی بھر مار سے کوئی نتیجہ نکلتا بھی تھا یا نہیں- اس زمانے میں تنخواہ کی تقسیم نواب ظفرالدولہ اصغر علی خاں بہادر کے ہاتھہ میں تھی، ان کو لکھتے ہیں :

صبا یہ کہہ ظفرالدولہ سے بصد اعزاز　　کہ امر خیر میں تیری رہے قلم جاری
خلاف وعدۂ احساں زبوں ہے اے مشفق　　زباں سے اپنے کہا تھا مجھے کئی باری
کہ جب کہ آئیگی تنخواہ حسب حکم حضور　　دو ماہہ وہ بھی، یہ تنخواہ لیجئے ساری
وہ شکر ہو نہ مبدل شکایتوں سے کہیں　　بدل نہووے وہ دلداری با دل آزاری
بسان آئینہ آئین اپنا رکھتا ہوں　　میں صاف گو ہوں نہیں آتی مجھکو مکاری
تو گل ہے گلشن دربار بادشاہی میں　　ولے چو غنچہ زباں درتہ زباں داری

اس کے بعد بہادر شاہ کے بیٹے مرزا شاہرخ کو کچھہ دنوں کے لئے وزارت کا کام ملا - یہ تو احسان کے شاگرد ہی تھے، بھلا تنخواہ لینے میں ان سے مدد کیوں نہ مانگتے-اِدھر تنخواہ رکی اور اُدھر انھوں نے عرضی دی - ایک عرضی بڑے مزے کی ہے، وہ نقل کرتا ہوں :

صاحب عالم و حاجی و وزیر شہ ہند　　اس سے بھی تجھکو زیادہ حشم و جاہ ملے
جس طرح مجھہ سے تو ملتا ہے بہ لطف واکرام　　دین میں تجھہ سے اسی طرح سے اللہ ملے
حق تعالیٰ کی عنایت سے تجھے دنیا میں　　صحت و عیش ملے، مقصد دل خواہ ملے
چوبدار آپ نے بھیجا تھا دلانے تنخواہ　　کہ حویلی سے مہینہ مجھے ہر ماہ ملے
چوبداروں کی چھڑی سے نہیں تر تا مختار　　کیا کریں وہ بھی کہ جب ایسا ہی گمراہ ملے

اب دو فراش ہوں، دو بانس ہوں، دو رسّے ہوں　　حکم ایسا ہو تو شاید مجھے تنخواہ ملے
اس پہ بھی جو وہ نہ دیویں اسے لونڈی کی طرح　　آج کل اس کی سزا اے مرے اللہ ملے

ان سب عرضیوں میں سب سے زیادہ زور کی عرضی وہ ہے، جو انھوں نے بہادر شاہ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ یہ عرضی اس سبب سے بھی دلچسپ ہے کہ یہ اسد اللہ خاں 'غالب' کی عرضی کا نقش اول ہے، وہی زمین ہے، اور وہی طرز سوال ہے۔ تو بڑی ساری مگر پر لطف ہونے کی وجہ سے پوری کی پوری لکھے دیتا ہوں:

اے ملک اے پناہ جملہ ملوک　　اے فلک مرتبت، ملک کردار
تجھ سے آباد ہے جہاں آباد　　اے جہان کرم جہان وقار
گر تو مہر و فلک سے منہ موڑے　　تیرے پاؤں پہ وہ رکھے دستار
جو تخلص کو تیرے ورد کرے　　نہ شکست اس کو ہو کبھو زنہار
میری طبع غیور کچھ مطلب　　نہ کسی سے کہے کم و بسیار
عرض احوال بادشاہوں سے　　بادشاہا نہیں ہے لیکن عار
قطب صاحب تھے قبل ازیں جو حضور　　بزیارت، برائے سیر و شکار
یہاں شکار اپنی ہو گئی تنخواہ　　سیر ہی میں یہ گل کھلا یکبار
کہا جس لالہ سے کہ لا تنخواہ　　وہی لالہ ہوا گلے کا ہار
لالہ جی ایسے ہو گئے لے لوٹ　　پوست کھینچو تو وہ نہ دیں زنہار
بلکہ دھمکائیں اُلٹا وہ مجھکو　　کہ روہیلہ ہے یہاں کا اب مختار
سردیء اہل علم ہے یکسر　　لوٹ کی اب ہے گرمیء بازار
اور مختار کا تھا یہ احوال　　نہ تو اقرار تھا نہ کچھ انکار
اب تو اس کا پتہ نہیں ملتا　　اب کی تنخواہ کا کیا تھا قول و قرار
میری تنخواہ کم بہت ہے مجھے　　آج دس بیس اور کل ہیں ہزار

جب دو ماهه هی لت گیا میرا (ق) میرے نوکر بهی مجهه سے هیں بیزار
صبح کو میں کهوں که آنا تم   شام کو آوے گهر سے خدمت گار
آتے هی کهوے کچهه تو دلواؤ   بهوک کے مارے نکلے هے آچار
جب که پینس کو لے کے چلتے هیں (ق) هیں جو زرغل سے چار پانچ کهار
ان کا معمول هے که دوڑتے وقت   منه سے بهرتے هیں اپنے کچهه هنکار
اپنی هوں هوں تو ساری بهول گئے   یهی کهتے هیں وه پکار پکار
وقنا ربنا عذاب الجوع   وقنا ربنا عذاب النار
جب یه صورت بنی تو بنیے سے   قرض کے واسطے کها ناچار
که غریبوں کی بانت دوں تنخواه   بنیا راضی هوا بصد تکرار
اتنے میں بول اٹهی بنین یه   کیوں گنواتا هے اپنا تو گهر بار
مکها سورکه هے تیری عقل گئی   قرض دینے کو تو هوا تیار
اس کی تنخواه هے حویلی میں   اے انهونے اسے نه دے تو ادهار
میرے شاها هیں تجهه سے دو مطلب (ق) بار مجرا و دولت دیدار
یه کهاروں بغیر هے مشکل   وه کهاروں بغیر هے دشوار
ان کو تنخواه دوں کهاں سے میں   آپ جب اس طرح کا هوں ناچار
دل سے احساں سے هے تجهے رغبت   دل احساں هے تیرا شکر گزار
تیرے احساں کو جو نه دیکهه سکیں   اُن بخیلوں په هو خدا کی مار
نام احساں رهے نه دفتر میں   چاهتے هیں کئی یه بد اطوار
اور میں کیا کهوں غریب نواز   میں غریب اور یه غریب آزار
بحر یه اور ردیف و قافیه اور   اب غزل کے پڑهوں کئی اشعار

——— (غزل) ———

آتے هی بس سنائی جانے کی   تجهه کو خو هے مجهے کڑهانے کی

یہاں ہمارا ری تو جان سو کھے ہے　　وہاں پڑی اسکو پان کھانے کی
شوق سے مجھ سے یوں بگڑ بیٹھو　　ایک تھیرے نہ منہ بنانے کی
قیس صحرائی اور دعوےٰ عشق　　بات ہی تو ی جد ا بن آنے کی
وہ نہو، میں جیوں، جگہ نہ رہی　　آئینہ رو کو منہ دکھانے کی
نام رکھوا نہ اپنا ہرجائی　　نہ قبا پہن چا رخانے کی
زلف کو چھیڑتے ہی کہنے لگے　　ہے یہی بات مار کھانے کی
زندگی میں بایں تپاک اخلاص ق　　روز دہشت ہے روٹھ جانے کی
بعد مرگ آہ تجھ سے کسکو امید　　جان من فاتحہ دلانے کی
بیٹھ اے آہ بس خدا نہ کرے　　تجکو فرصت ہو سر اٹھانے کی
مستعد بدی ہوا وہ ہی ق　　جس سے کی ہم نے بارہا نیکی
نیکیاں کر کے ہو بدی حاصل　　ہت تری آخری زمانے کی
یاد مسجد میں آئیگی 'احسان'　　کیفیت اُس شراب خانے کی

کھولوں دروازۂ دعا کو میں　　قافیے پہلے پور ہوے درکار
جب تلک مہر وماہ چرخ پہ ہوں　　جبتلک ہوں جہاں میں لیل و نہار
دھوپ اور چھاؤں جب تلک رہوے　　جب تلک چاندنی ہو اور شب تار
جب تلک ہیں یہ آسمان و زمیں　　جب تلک دشت ہووین اور کہسار
جب تلک فصل گل ہے سال بسال　　جب تلک ہے جہاں میں نام بہار
گل مقصد بہار پر ہو ترا　　اور نخل مراد لاوے بار
ابر نیساں کی طرح دنیا میں　　تیرا دربار ہو سدا دُربار
یعنی دنیا ہو اور بہادر شاہ　　بطفیل محمد مختار

آپ نے ملاحظہ کیاکہ اس قصیدے میں بھی کہیں کہیں رعایت لفظی کو برتا ہے -
ایکی جو روانی اس عرضی میں ہے اور جس طرح واقعات کو بیان کیا ہے وہ احسان

ھی جیسے استاد کا کام تھا - صرف یہ قصیدہ ان کی استادی منوادینے کو کافی ھے -

دلوں میں جو فرق پڑ گئے تھے ، ان کا خیال کر کے بادشاہ اگر ذراسی بھی عنایت فرماتے تو یہ خوش ھو جاتے اور چٹ قطعہ یا قصیدہ لکھہ گزران دیتے - چنانچہ شاید بادشاہ نے کبھی یہ کہہ دیا ھوگا کہ " ھم تمھیں جانتے ھیں ، تم ھمیں کیا جانتے ھو " یہ اسی پر خوش ھو گئے —

فرطا لفت سے یہ فرمایا ظفر نے ' احسان '
ھم تمھیں جانتے ھیں ، تم ھمیں کیا جانتے ھو

عرض کی میں نے کہ میں ذرہ ھوں اور تم خورشید
فخر ذرہ ھے کہ ذرے کو ذرا جانتے ھو

اور یہ اور عنایت ھے گدا پر اپنے
گرچہ استاد ھو ، شاگرد شہا جانتے ھو

یہی وہ زمانہ تھا کہ اس غریب پر عرصہ تنگ ھو گیا تھا - بچارا (۸۰) برس کا بوڑھا مقابلے کے لئے کھڑا ھوتا ، سخت سے سخت زمینوں میں دو دو اور تین تین غزلیں لکھہ جاتا ، مگر یار لوگ مشاعرے میں رنگ نہ جمنے دیتے ، آخر کہاں تک ، بد ھے کو بھی جوش آگیا اور تو کچھہ بن نہ پڑی ، غزلوں ھی میں سب کو خوب لتاڑ ڈالا —

میں نے کہا مشاعرے میں چلئے گاہ گاہ
کہنے لگے کہ چلیے ؟ ھماری بلا چلے

مضمون اپنے باندہ کہ کاھک ھو ایک خلق
چوری کی جنس ھو تو وہ دوکان کیا چلے

کچھہ شعر پہ میرے ھی نہ چشمک ھیں ھزاروں
طعن اس پہ ھے گو بلبل آمل نے کہا ھو

دنیا میں نہ کس طرح سے مغرور ھوں احمق
ھاں ان کی ھی جب شان میں اولا الحمقا ھو

والله اگر مجکو کبھی عزم ھجا ھوا
ھے تربیت بیہودہ گویاں مجھے منظور

جو منہ پر نہ کہوے تو وہ مادربخطا ھو
گر میری غزل میں ھو خطا ، کہدو عدو سے

بس جینے سے جی اپنا ھوا سیر کہ 'احسان'
ھم بزم یہاں ٹھیرے ھمارے سفہا ھم

یہ مجلس میں جاتے، لوگ تعظیم نہ دیتے، یہ شعر پڑھتے، لوگ تعریف نہ کرتے، آخر جل کر کہا :

یاد ہے اس رخ کی مجکو سجھہ سے ناصح تو نہ بحث   ہٹنا ترک ادب ہے حافظ قرآں کے ساتھ
کب اُٹھے تعظیم کو منعم، اسے تم سو کہو   سی دیے اُس کے سریں ہیں مسند ایواں کے ساتھ

اپنی غزل جو پڑھتے ہیں، کہتے ہیں دوستاں   حضرت بغور سنئے کہ بسیار گرم ہے
جب میں پڑھوں ہوں شعر تو بیچے ہیں کچریاں   کیا ان دنوں میں پھوٹ کا بازار گرم ہے

سخن حضرت احساں پہ، عدو سے کہدو   پھر اگر ناک چڑھائی تو بچا کان نہیں

زمانے کی بے قدری کا یوں رونا روتے ہیں :

جو پوچھا مینے یہ 'صائب' سے میرزا صاحب   کہ میں ہوں بے ہودہ گو یا نہیں یہاں انصاف
کہا کہ تو ہے مدار سخن ولے 'احساں'   " مدار چشم ازیں کور باطناں انصاف "

یقینی تو نہیں کہہ سکتا، مگر بظاہر اس قصیدے میں استاد ذوق کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ قلعے میں ان کو یا تو استاد کہا جاتا یا شیخ صاحب۔ یہ میں مانتا ہوں کہ استاد ذوق بڑے خلیق تھے، مگر بعض وقت وہ اپنے خیال میں ایسے محو ہو جاتے تھے کہ دنیا و مافیہا کی ان کو کچھہ خبر نہیں رہتی تھی - چنانچہ ایک دن چلم ہاتھہ میں لئے اپنے کابلی دروازے کے مکان سے نکل قلعے چلے آے۔ ممکن ہے کہ 'احساں' کے ساتھہ بے رخی کی ہو اور انھوں نے یہ واقعہ لکھہ مارا ہو، یہ ماننا پڑیگا کہ قطعے کے الفاظ کسی واقعے کی طرف ضرور اشارہ کر رہے ہیں —

کل شیخ کے گھر میں ہی ملا دختر رز سے (ق)   کچھہ منہ سے نہ بولا مجھے مہماں سمجھکر
تعظیم نہ کی اس خر مغرور نے میری   ہم شاعر و ہم حافظ قرآں سمجھکر

تقصیر نہیں اس کی یہ ہے اپنی حماقت　　کیوں آیا گدھے پاس میں انسان سمجھکر

بڑھتے بڑھتے غصہ یہاں تک بڑھا کہ اپنے شاگردوں سے بھی بگڑ بیٹھے۔ کہتے ہیں:
بیٹا نواب بن کر شاعری نہیں آتی، ”حلوا خوردن را روے باید“ کچھ محنت بھی کرنی پڑتی ہے :

میں نے ’احساں‘ سے کہا خسرو شیریں سخناں　　دل سے تم رکھتے نہیں مجھ پہ عنایت شاید
میں تو اصلاح کو لیتا ہوں بامید کہ ہو　　بزم شیریں سخناں میں مجھے ثروت شاید
سن کے فرمانے لگے ”میں تو ہوں حاضر لیکن　　عشق شیریں دہنی باید و محنت شاید“

اس زمانے میں جو کشمکش مرہٹوں اور سلطنت مغلیہ کے درمیان ہو رہی تھی، اس کا بھی پتا ان کے اشعار سے چلتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہر مرہٹہ گردی سے بالکل تباہ ہوگیا تھا، آسودگی نام کو نہیں رہی تھی، نفسانفسی کا عالم تھا ۔

اے اہل دل خدائی دل نے یہاں دکھائی　　دلی میں تھا جو دیکھا کوے بتاں میں دیکھا

میں تو اس شعر کے یہی معنی سمجھتا ہوں کہ اہل دل! آج کل دلی کا یہ حال ہے کہ یہاں بتوں کی طرح ہر شخص دعوۓ خدائی کرتا ہے اور تباہی و بربادی کے لحاظ سے دلی کو اگر کسی سے مشابہ کہا جاسکتا ہے تو وہ ”کوے بتاں“ ہے ۔ ایک اور غزل ہے:

بصد کرشمہ وہ اکدم جو انجمن میں رہے　　نہ تاب نالہ ہو دل کو، نہ دم دہن میں رہے
وہ زلف دیکھ کے زاہد تو ماؤمن میں رہے　　جو کاٹ جاے یہ ناگن تو من کی من میں رہے

اس میں دہلی کا حال لکھتے ہیں :

یہ دلی مردم قابل کا بن تھا، اب لیکن　　یہ بن گئی ہے کہ بن مانس ایسے بن میں رہے

اور دہلی کی اشرافِ گردی کا رونا اس طرح روتے ہیں :

یہ دور آیا کہ مختاری کو دوڑے　　شہ دوراں کی، ہم بقال و بواب
نہ ہر ذرّہ کو ہیں ذرہ میں جایک　　بنیے ہر سلخ کو قصاب نواب
بس اب توبہ گناہوں کی کہ تو ہے　　اللہ العالمیں غفار و تواب

قلعے کی تباہی کو پردے ہی پردے میں یوں ظاہر کرتے ہیں :

دکھایا زلف کا عالم تو بس میرا یہ عالم ہے　　اساس صبر برہم ہے ' بنائے عقل درہم ہے
نہیں ہے خرمی زیر نگین تاجداراں بھی　　اگر شاہ جہاں یہاں ہے برائے نام خرم ہے

اس شعر میں لطف یہ ہے کہ شاہجہاں بادشاہ کا نام خرم تھا۔

شاہ عالم ثانی کا زمانہ عجیب مصیبت کا زمانہ تھا ۔ سکھوں کا زور ہوا ' پٹھانوں کا زور ہوا ' مرہٹوں کا زور ہوا' انگریزوں کا زور ہوا - غرض آئے دن کے حملوں سے دہلی کے انجر پنجر ڈھیلے ہوگئے' امیر ات اتاکر فقیر ہوگئے' حویلیاں ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر ہوگئیں' شہر پناہ سے باہر جانا گویا دنیا سے جانا تھا - اس زمانے میں امیرالامرا ذوالفقارالدولہ مرزا نجف خاں بہادر غالب جنگ وزیر تھے - یہ ایران کے شاہزادے تھے' مگر زمانے کی گردش سے دہلی آگئے تھے ' وہ گردش یہاں بھی ان کے ساتھ آئی ' بادشاہ نے ضابطہ خاں کو علحدہ کرکے ان کو وزیر بنایا تھا - ضابطہ خاں نمکحرام مرہٹوں سے جا ملا - تکوجی ہلکر نے دلی پر حملہ کیا اور سنہ ۱۱۸۶ ھ میں نجف خاں کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کر لیا - اب کیا تھا' ضابطہ خاں امیرالامرا بنے ' نجف خاں اِدھر اُدھر چھپتے پھرے - اسی زمانے میں 'احسان' نے یہ شعر کہے ہیں :

گر تیغ کھینچیئے گا' کھنچ جائیے گا میاں　　ہے گنپتی کا زور' نجف خاں کا ہوچکا

فوج غم ہلاکر کر دل پر مرے' اے جان من　　کیا ستم ہے آپ اب ہلکر کے لشکر جائیں گے

نجف خاں کی لڑکی کی شادی 'احسان' کے بڑے لڑکے سیف الرحمن خاں سے ہوئی تھی - اس طرح 'احسان' اور نجف خاں سمدھی تھے - لڑائی میں نجف خاں کی بہادری دیکھکر ہلکر نے اُن کو اپنے لشکر میں رکھ لیا اور بڑی قدر و منزلت کی - شاید اسی واقعے کو 'احسان' نے دوسرے شعر میں ظاہر کیا ہے'

پنجاب میں سکھوں کا زور ہوا' اس کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں :

چشم و دل، جان و جگر، میں، بحر الفت، ہیں یہ پانچ
ان پہ زلف و خال و خط ہر اک تسلط یاب ہو
صد ہزار افسوس ہے یا پنجتن، آٹھوں پہر
پنجۂ کفار میں یوں کشور پنجاب ہو

آخر لارڈ لیک نے مرہٹوں کو شکست دے کر مرہٹوں کا زور توڑا، بادشاہ کو کمپنی کے زیر حمایت لیا، جب کہیں جا کر چین چان امن آمان ہوا۔ اس کا ذکر اس طرح اپنے اشعار میں کرتے ہیں :

ابرو کے بھی اشارے میاں بھول تم گئے　　ہاں کمپنی کا دور ہے تلوار کیا چلے

مذہب | اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدے کے لحاظ سے سنی اور ارادت کے لحاظ سے قادری تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی نعت میں ایک قطعہ کہا ہے اور خوب کہا ہے :

عید کے دن فلک نے مجھکو کہا　　آؤ ہم تم بھی ہوویں ہم آغوش
میں نے غصے سے یہ کہا اس سے　　کیا تو بکتا ہے بے ادب خاموش
میں غـلام محـمـد عربی　　مجھ سے تو ہو سکیگا دوش بدوش؟
سن کے سن ہوگیا فلک یہ سخن　　اور جاتے رہے یکایک ہوش
بعد اس کے سمجھ کے کچھ دل میں　　بولا بیجا ہے تیرا جوش و خروش
وہیں دکھلا کے پھر ہلال عید　　یہ لگا کہنے چرخ اطلس پوش
تو فقط ہی نہیں غلام 'احساں'　　میں بھی اس کا ہوں دیکھ حلقہ بگوش

دوسری جگہ لکھتے ہیں :

غلام کمترین کس کا ہوں دیکھو اے ملائک تم　　گنہ میرے نہ دیکھو، جانب خیر البشر دیکھو

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں لکھتے ہیں :

خکر شراب دل میں ذکر بتاں ہے لب پر   میری دعا الٰہی ہو مستجاب کیونکر
وقت مدد ہے شاہا! کوہ گنہ ہے سر پر   سر خاک سے اُٹھاؤں یا بو تراب کیونکر

رتبہ اعلیٰ ہے اس کا صلّ علیٰ   ذات مولیٰ علی عجب شے ہے

میں کون ہوں، کیا چیز ہوں، یا شاہ تمہارا   جبریل سزاوار ہے گر مدح سرا ہو
ہے حکم خدا سے وہ ترا حکم کہ وہ ہیں   پھر جائے ترے حکم سے گر حکم خدا ہو
دل کیجیے مرے عقدے عنایات سے اپنی   شاہ دوسرا، شیر خدا، عقدہ کشا ہو

دیکھنا کس خوبصورتی سے خلیفۂ چہارم کی تعریف کی ہے اور کس خوبی سے آپ کی فضیلت بیان کی ہے :

پنچہ بر تاب خوارج ہے وہ یار چار میں   ہو زماں، ہفت آسماں ہوں جسکو ششدر دیکھکر
پربہا ہوتا ہے 'احساں' میوۂ فصل اخیر   میں یہ سمجھا رتبۂ والائے حیدر دیکھکر

اسی طرح خلفائے اول و دوم کی فضیلت کا ایک نیا پہلو نکالا ہے :

مدفن مومن اگر ہو شاہ مرداں میں تو پھر   اور ہی رتبہ ہے اس کا خالق اکبر کے پاس
قدر بو بکر و عمر وہ ہے کہ بعد مرگ بھی   منکرو دیکھو کہ آسودہ ہیں پیغمبر کے پاس

دلی میں صفدر جنگ کے مقبرے کے سامنے ایک احاطہ ہے، جس میں تعزیے دفن ہوتے ہیں، اس جگہ کو ''شاہ مرداں'' کہتے ہیں - لوگوں کا خیال ہے کہ جو یہاں دفن ہوا وہ یقیناً جنتی ہے - اسی خیال پر مضمون بالا لیا گیا ہے -

حضرت شہید کربلا کی شان میں کہتے ہیں :

'احساں' خدا کہ دل سے 'احساں'   قربان شہید کربلا ہے

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃاللہ علیہ سے ان کو خاص عقیدت تھی - اور اسی لئے میرا خیال ہے کہ یہ سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے - آپ کی شان میں کہتے ہیں :

سو بار گر مسیح جلائے تو یوں کہوں بندہ غلام عیسیٰ جیلاں کا ہو چکا

شہ جیلاں کے مرقد کو نہ دیکھوں اک دن اور فرقت کی ہمیشہ شب تار آے نظر
جسکے دیکھے سے مرے بخت سیہ ہوویں سپید یا الٰہی مجھے وہ سبز مزار آے نظر

کیا کروں سلطنت جم کو کہ جم جم ہو نصیب آستان شہ جیلاں کی گدائی مجکو
نثار خاک پاک شاہ جیلاں کیوں نہ ہو احسان نواسہ وہ نبی کا اور پوتا وہ علی کا ہے

ایک مشہور رباعی ہے :

اے خالق ہر بلند و پستی شش چیز عطا بکن زھستی
علم و عمل و فراخ دستی ایمان و امان و تندرستی

اس رباعی پر ان کی بھی ایک رباعی ہے :

شاہ جیلاں مدد بہ حق حیدر حاصل ہوں یہ سات مجکو مقصد یکسر
ایمان و امان و جنت و حور و قصور دیدار خدا ، شفاعت پیغمبر

یہ تو میں نے چند اشعار نقل کردیے ہیں، ورنہ دیوان میں جا بجا یہ مضمون آیا ہے —

معلوم ہوتا ہے کہ اھل اللہ سے ان کو خاص عقیدت تھی - کرنال میں سید علی المتخلص بہ حسینی کوئی فقیر کامل تھے، ان کو لکھتے ہیں :

صبا گزر ہو اگر تیرا جانب کرنال یہ عرض کیجو حسینی سے تو پس از آداب
کہ میں ہوں تشنہ، تو فرزند ساقی کوثر شراب کو ہوں ترستا جہاں تہاں ہے سراب
تو گر شراب حقیقت ہزار خم داری سبک بیا و مئے خاکسار را در یاب

یہ وہ زمانہ تھا کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ دھلی میں مرجع خلائق بنے ہوے تھے - حافظ 'احسان' کو بھی ان سے خاص تعلق تھا، ان کی تعریف

میں لکھتے ہیں :

اے خامۂ پختہ کار احساں
اے کلک گہر نثار احساں

آں بہ کہ گہر نثار سازی
ہر مالک ملک دل نوازی

اسمش عبدالعزیز خوانند
در مصر وفا عزیز دانند

آنانکہ کنند عزم عزت
خوانند عزیز در عزیمت

ابن ولی و ولی مولا
تاج عرفا ، عزیز دانا

سر دفتر اصفیاے افضل
سر کردۂ اتقیاے اکمل

شمس العلماو بدر اسلام
فخر الفضلا و صدر ایام

صدرش زعلوم دیں لبالب
جامش ز مئے یقیں لبالب

حسان عرب زتر زبانی
سحبان عجم بہ خوش بیانی

دہلی دہ بود ما چو دہقاں
زاں گل گشتہ ہمہ گلستاں

زاں ماہ منور است ایں شہر
در دہر ندیدہ کس چنیں شہر

چوں او شدہ تکیہ گاہ دہلی
ہمسنگ بکوہ ، کاہ دہلی

ز آوازۂ اوست کام بردہ
دہلی کہ دہل بہام بردہ

علمش ہمہ داں نمودہ ما را
ہم راہ خدا نمودہ ما را

زاں باغ صفا کسے کہ بر خورد
از نخل حیات خویش بر خورد

خوردہ است کسیکہ بوسہ زاں پا
آداب خضر نہ خوردہ اصلا

خوردہ نہ شہاں جہان فانی
او خوردہ بہشت جاودانی

حرفیکہ از آں دہن بر آید
کج باز براستی در آید

تیغ آختہ از زبان کفار
ما اعظم شانک اے نکوکار

پیشش چہ بود کمال طوسی
چوں مور بطاس ، حال طوسی

از منطق خوش بخوش عیانی
ذات تو نتیجۂ معانی

یک غنچہ ز باغ تو ریاضی
اے گل تو بہار این رازی

آ نانکه عقول عشرہ خوانند پس یازدہم ترا بہ انند
اے وارث انبیاے اصدق اے نائب اولیاے برحق
دارم ز عنایتت رجائے للہ بہ حق من دعائے

اس مدح کو تقریباً پورے کا پورا میں نے اس لئے لکھ دیا ہے کہ 'احسان' کے فارسی کلام کا بھی اندازہ ہو سکے —

پیران طریقت کی محبت میں ان کو یہاں تک غلو تھا کہ وہ سجدۂ تعظیمی کو جایز سمجھتے تھے - ذرا دیکھیے گا' کیا خوبصورت وجہ قائم کرتے ہیں اور اس سجدے کے منکروں کو کس خوبی سے شیطان بناتے ہیں :

تعظیم جناب اولیا ایماں ہے ہے مظہر حق وہیں جہاں انساں ہے
کر سجدۂ تعظیم بزرگوں کو ضرور آدم کو جو سجدہ نہ کرے شیطاں ہے

قادریہ سلسلے میں تھے' اس لئے حال قال کی مجلسوں سے ذرا پرہیز کرتے تھے' چنانچہ ایسی مجلسوں پر یوں چوٹ کرتے ہیں :

راگ سنتا ہے دل سے اے مرغے نہ سنا دھیاں سے اذاں کو حیف

مجلس کا حال ہم کو ہے معلوم شیخ جی اب ناچ ہے زمانۂ ماضی میں حال تھا

دیوان دیکھنے سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ شاہ 'ابوسعید' کوئی بزرگ تھے' اُن کے مرید تھے' چنانچہ اپنے پیر کے انتقال کی تاریخ یوں لکھتے ہیں :

از حج فراغ یافتہ در رہ وفات یافت در روز عید مرشد من شاہ بو سعید
احساں چو ذات بابرکاتش سعید بود تاریخ گفت در عربی " ذاتہ سعید "

۱۲۵۰ هجری

یہ وہ زمانہ تھا کہ غیر مقلدین کا دلی میں زور تھا' ادھر حضرت سید احمد

شہید ۱۲۴۶ھ میں سکھوں کے خلاف جہاد پر کھڑے ہوے' اُدھر ان کے خلیفہ حضرت شاہ اسمعیل نے دلی میں مقلدین کے لباس' طرز و روش اور خیالات پر حملے شروع کئے ' کچھہ لوگ ادھر ہوگئے ' کچھہ لوگ اُدھر - حکیم مؤمن خاں ' مؤمن' نے جہاد کی تاریخ کہی :

وہ شاہ مہلکت ایماں کہ جس کا سال خروج ۱۲۴۷ھ — امام بر حق مہدی نشاں علی فرھے

ان مجاهدین نے پشاور فتح کرلیا ' پنجاب کی طرف بڑھے' سکھوں نے ان سے سرحدیوں کو توڑ لیا' سید صاحب کو شکست ہوئی اور وهیں شہید ہوے - مخالفین تو موجود هی تھے' انھوں نے تاریخیں کہیں' مذاق اُڑایا ' چنانچہ شاہ نصیر دهلوی کا قطعہ ہے :

کلام اللہ کی صورت ہوا دل اُن کا سیپارہ — نہ یاد آئی حدیث اُن کو' نہ کوئی نص قرآنی

ہرن کی طرح میدان وغا میں چوکڑی بھولے — اگرچہ تھے دُم شملہ سے وہ شیر نیستانی

عبدالرحمن خاں 'احسان' بڈھے ہوچکے تھے' انھوں نے جہاد یا شکست پر تو کچھہ نہیں لکھا ' ہاں ان کو مجاهدین کی ظاہر پرستی بری معلوم ہوئی ' اسی پر ایک چھوٹا سا حملہ کردیا :

واعظا میرا تکفر بہ تعصب مت کر — کہ تشہد کا بدل کرتا ہوں اقرار مدام

نخوت و جبۂ و عمامہ سے کیا کام مجھے — مجھے ان کاروں سے البتہ ہے انکار مدام

مخالفت کی انتہا تو اس شعر میں کردی ہے ' شاہ محمد اسمعیل (رح) نماز پر بہت زور دیتے تھے' مسلمانوں کو پکڑپکڑ کر مسجد میں لےجاتے' کسی کی لبیں بڑھی ہوئیں تو زبر دستی سر بازار قینچی سے کتر دیں ' پیجامہ ٹخنے سے نیچا ہوا تو وهیں پھاڑ کر برابر کردیا - ایسی حرکتوں پر ' احسان ' نے جل کر کہا ہے :

ہمیں تو روزہ اس ایام نحس میں ہے ضرور — نماز پڑھتے ہیں جب ہم کہ بےنماز ہو تم

ذرا اس قطعے کو سنیے - غیر مقلدوں کو کیسی کھری کھری سنائی ہے اور حکیم مؤمن خاں مؤمن پر کیا صاف ہاتھہ مارا ہے :

جو اہل تسنن پر آوازے کسے، نا کس　　شاگرد ہے شیطاں کا ابلیس مقرر ہے
مردود ہے، ملعوں ہے، مطعون خلائق ہے　　مسلم نہیں، مشرک ہے، مؤمن نہیں، کافر ہے

تلمذ | یہ پتہ نہیں چلا کہ یہ کس کے شاگرد تھے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی غالب کی طرح کسی کے شاگرد نہیں ہوے، صرف مطالعے کے بل پر شاعری کی اور استاد ہوگئے - غالب نے ایک خیالی شخص عبدالصمد کو اپنا استاد بنایا اور انھوں نے حضرت امیر خسرو (رح) کی روح سے مدد لی، چنانچہ فرماتے ہیں :

طوطی ہند کی وہ روح سے ہے فیض تجھے　　تجھے 'احساں' نہ کبھی بلبل آمل پہنچے

میں نے سلسلۂ تلمذ معلوم کرنے کے لئے بہت سی کتابیں دیکھیں، لیکن ان کے استاد کا کہیں نام نہ ملا، ہاں اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ ریاضی میں دہلی کے مشہور ریاضی داں مولوی مرتضی کے شاگرد تھے - ان کی وفات کی تاریخ لکھی ہے اور خوب لکھی ہے، مادۂ تاریخ تو ایسا ہے کہ سبحان اللہ، قطعۂ تاریخ رحلت استاد خود گوید :

اے چرخ فتنہ گر یہ ستم تونے کیا کیا　　رنج و غم و الم کا مجھے مبتلا کیا
دل کا مرے چراغ ستمگر بجھا دیا　　داغ فراق مولوی مرتضیٰ دیا
وہ یادگار دورۂ ماضی کہاں گیا　　طاؤس باغ علم ریاضی کہاں گیا
وہ عالم و محدث و حافظ کدھر ہے آہ　　کس طرح کھینچوں آہ کہ بیٹھا جگر ہے آہ
تھو خدا میں تو ہو گرفتار اے اجل　　اٹھ جائے یوں جہان سے وہ فاضل اجل
اے تم ہمارے درد کے درماں کدھر گئے　　'احساں' کو چھوڑ قبلۂ 'احساں' کدھر گئے
ماہ صفر میں گرچہ سفر سے حذر کیا　　آخر سفر ہوا تو پھر آخر سفر کیا
جس ماہ میں گئے تھے* محمد خدا کے پاس　　پہنچے اسی مہینے میں وہ مصطفیٰ کے پاس
تاریخ میں نے یہ کہی 'احساں' وفات کی　　یوم الوفات ان کا ہے پہلی وفات کی

---

* مادۂ تاریخ میں رعایت لفظی ضرور ہے مگر ایسی ہے کہ تعریف نہیں ہوسکتی ۔ دہلی میں ربیع الاول کو وفات یا وفاتوں کا مہینہ کہتے ہیں —

احسان کا لکھنؤ جانا

خمخانۂ جاوید میں لکھا ہے کہ حافظ عبدالرحمن خاں 'احسان' بزمانۂ وزارت نواب اعتماد الدولہ سید فضل علی خاں دھلوی لکھنؤ بھی گئے تھے' مگر وہاں ان کے کمال کی قدر نہیں ہوئی' اس لئے نا کام واپس آے - مجھے بڑا تعجب تھا کہ ایسا بڑا امیر دھلی چھوڑ کر نوکری کی تلاش میں لکھنؤ کیوں گیا - کوئی شاعری پر تو اس کا گزارہ تھا ہی نہیں' پھر بلا وجہ وطن سے آوارہ ہونے کی اس کے دل میں کیوں سمائی' آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے پتہ لگ ہی گیا - اس واقعے کو میں ذرا وضاحت سے لکھتا ہوں اور یہ بھی اچھی طرح بتا دیتا ہوں کہ یہ سید فضل علی خاں کون تھے' ان سے کیا توقعات تھیں اور انھوں نے کیا کیا —

جب غازی الدین حیدر کو بادشاہ بننے کا شوق ہوا تو انھوں نے رزیڈنٹ کے ذریعے سے کمپنی کو گانٹھنا شروع کیا - کمپنی تو خدا سے چاھتی تھی کہ کسی طرح اودہ کا دھلی سے رشتہ توٹے - وہ فوراً ان کو بادشاہ بنانے پر راضی ہو گئی' ساتھ ہی اکبر شاہ ثانی کو لکھا کہ آپ شاھنشاہ ہیں' اگر آپ کا ایک وزیر بادشاہ ہو جاے تو کیا حرج ہے - بھلا بچارے اکبر شاہ کیا اور ان کی راے کیا' جو کمپنی بہادر نے کہا وہ انھوں نے قبول کیا - غرض ۱۸ ذیحجہ ۱۲۳۵ ھ مطابق ۱۸۱۸ ع کو غازی الدین حیدر بادشاہ اودہ بن گئے - انھوں نے اکبر شاہ کو بہت کچھ تحفے تحائف بھیجے اور اسی نامۂ و پیام میں سید فضل علی خاں لکھنؤ پہنچ گئے —

فضل علی خاں سید اور پکے سید تھے - جب شاہ جہاں نے شاہ جہاں آباد بسایا تو چار خدمتوں کے لئے مکہ معظمہ سے چار نجیب الطرفین سید بلواے - ایک کو جامع مسجد دھلی کا امام کیا' دوسرے کو امام عیدگاہ بنایا' تیسرے کو فیلبانی کا پیشہ اور چوتھے کو حجامت بنانے کا کام سکھایا - پہلی تین خدمتوں کے لئے تو سیدوں کی یوں ضرورت پڑی کہ بادشاہ کو ان کے پیچھے کھڑے ہونا یا بیٹھنا

چڑ تا تھا - اور چو تھی خدمت کے لئے سید کی اس لئے حاجت ہو ئی کہ بادشاہ کو اس کے سامنے سر جھکانا ہوتا تھا —

جن سید صاحب کو فیلبان کیا گیا تھا ' ان کی اولاد میں سید فضل علی خاں تھے - بھلا یہ بادشاہ سلامت کی سفارش لے کر جائیں اور لکھنؤ میں ان کی آؤ بھگت نہ ہو ' جاتے ہی وہاں داروغہ ہو گئے اور تھوڑے ہی دنوں میں انھوں نے معتمد الدولہ وزیر کو کچھہ اس طرح ہاتھہ میں لیا کہ سب جزو کل کے مالک بس یہ ہی تھے - یہ اس بلا کے سخت تھے کہ خدا کی پناہ ' اور ساتھہ ہی جوڑ توڑ کا وہ مادہ ان میں بھرا تھا کہ توبہ ہی بھلی - ایک دن ولیعہد بہادر نے سات روپے میں ایک کبوتر کا جوڑا خریدا اور ان کو لکھہ بھیجا کہ روپیہ ادا کردو - انھوں نے روپیہ دینا تو کیسا رقعے کا جواب تک نہیں دیا - ایسی ہی باتوں سے محل والوں نے ان کی اکھاڑ پچھاڑ شروع کی - آخر ۱۹ - محرم ۱۲۳۸ ھ کو لکھنؤ سے بھاگ سیدھے دھلی آ ے اور کچھہ دنوں یہاں رہ کر بنارس چلے گئے - نصیر الدین حیدر کے زمانے میں ان کی قسمت نے پھر پلٹا کھایا ' بلاے گئے ' اعتماد الدولہ خطاب ملا اور وزیر کردیے گئے - 'ناسخ' نے ان کی وزارت کی تاریخ "دھت دھت بری بری" (۱۲۴۲ھ) سے نکالی - (ہاتھی کو چلانے کے لئے مہاوت ' دھت دھت ' اور روکنے کو ' بری بری' کہتے ہیں) - ان کے تعلقات رزیڈنسی سے بہت اچھے تھے' ہر بات میں بادشاہ کو دبا تے اور جو کاغذ رزیڈنٹ ان کو دیتا اس پر بادشاہ کے دستخط لے آتے - نتیجہ یہ ہوا کہ تمام شاہزادے اور امرا ان کے خلاف ہو گئے اور سوچتے سوچتے یہ ترکیب نکالی گئی کہ اکبر شاہ کے ذریعے سے سید صاحب کو کچھہ افہام وتفہیم کی جاے - چپکے چپکے کاغذی گھوڑے دوڑاے گئے اور حافظ عبدالرحمن خاں ' احسان ' جواب کی شکل میں لکھنؤ آے - چونکہ رزیڈنٹ کے خاص الخاص آدمی کے خلاف یہ کارروائی ہو رہی تھی ' اس لئے حافظ صاحب نے اپنی اصل غرض کو چھپا کر یہ مشہور کیا کہ میں نوکری کی تلاش میں آیا ہوں ' مگر سید فضل علی خاں بھی دلی والے

تھے ' وہ ان ھتکنڈوں کو خوب سمجھتے تھے - ان کی صرف ایک لڑکی تو ان کے ساتھ لکھنؤ میں تھی ' باقی دو بیٹیاں اور سارے کا سارا خاندان دھلی میں تھا - اگر اکبر شاہ کا کہا نہیں مانتے تو مشکل اور مانتے تو مشکل - انھوں نے ترکیب یہ کی کہ حافظ عبدالرحمن خاں سے ملاقات کرنے ھی سے انکار کر دیا - حافظ جی بھی بڑی چلتی رقم تھے ' انھوں نے سید صاحب کے والد سید غلام حسین کو گانٹھنا شروع کیا ' اِسی زمانے میں سید غلام حسین نے ایک مسجد مفتی گنج میں بنوائی تھی ' انھوں نے اس کی تاریخ کھی ' وہ تاریخ میر صاحب کو ایسی پسند آئی کہ کندہ کرا کے مسجد کی رو کار میں لگوادی ' تاریخ یہ ھے :

جناب سید عالی نسب غلام حسین　　خدا ز فضل علی مقصدش قبول کند
بساخت مسجد وتاریخ آں بگفت 'احساں'　　نماز بندہ دریں‌جا خدا قبول کند
۱۲۴۲ ھ

یہ سب کچھہ ھوا' مگر سید فضل علی خاں سے ملنا نصیب نہ ھوا - جب اس طرح کام نہ چلا تو سید صاحب کے خسر نواب صادق علی خاں پر ڈورے ڈالنے شروع کئے - وہ بھی اپنے داماد سے کم نہ تھے ' وھاں بھی دال نہ گلی اور انھوں نے بھی ملنے سے انکار کر دیا - حافظ جی ان کو ایک رقعے میں لکھتے ھیں :

کہیو نواب سے اے مخلص صادق میرے　　شہر میں تیرے عجب طرح کادیکھا ھےرواج
نام احساں سے یہاں ننگ ھے آتا سب کو　　تنگ ھوں' میری ملاقات نہ کل ٹھیری نہ آج
فرض کردم کہ بیاد تو دلم خر سنداست　　لیکن ایں دیدۂ دیدا رطلب راچہ علاج

آخر جب ملنے کی کوشش کرتے کرتے تھک گئے تو صلواتوں پر اتر آے - ذرا دیکھنا کس طرح اپنے جلے دل کے پھپولے پھوڑے ھیں اور کس طرح ان کی فیلبانی پر چوٹ کی ھے :

صبا یہ کہیو تو فضل علی سے اے نواب　　کہ قدر نعمت احساں نہ تم نے سمجھی حیف
جو اپنی فیل سواری کا آپ کو ھے گھمنڈ　　شروع کرتا ھے بندہ بھی پھر الم ترکیف

سید فضل علی خاں نے اِس پر بھی ان کو نہ بلایا ' اب کیا تھا' انھوں نے واقعی

"الم ترکیف" پڑھنی شروع کی، یعنی یہ کیا کہ نصیرالدین حیدر سے مل سید صاحب کے کرتوتوں کا کچا چٹھا جا سنایا، اب کیا تھا، نواب آگ بگولا ہوگئے۔ ادھر انھوں نے کان بھرے ادھر محل والوں نے شکایتوں کے دفتر کھولے، نتیجہ یہ ہوا کہ بچارے سید فضل علیخاں عتاب شاہی میں آگئے اور چند ہی روز میں اسی صدمے سے ۱۹ شوال ۱۲۴۵ ھ مطابق ۱۸۲۹ ع کو دنیا سے رخصت ہوے اور حافظ عبدالرحمن خاں 'احسان' اس طرح ایک "صاحب فیل" کو ٹھکانے لگا دھلی آگئے - اس واقعے سے نہ صرف ان کے لکھنؤ جانے کا حال معلوم ہوتا ہے، بلکہ مسجد کی تاریخ اور سید فضل علی خاں کے انتقال کی تاریخ ملا کر دیکھنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہاں ان کا قیام کوئی سال بھر کے قریب رہا اور یہی وجہ تھی کہ لکھنؤ کے بعض الفاظ ان کی زبان پر چڑہ گئے تھے اور بلا ارادہ ان کی قلم سے نکل جاتے تھے - ان کا ایک شعر ہے :

بوسہ مانگا ہم نے دھمکا کر تو یوں کہنے لگا　　اے تو دھمکی سے تمھاری کیوں نہ ہم ڈر جائیں گے

ایسے موقعے پر "اے تو" کا لفظ صرف وہی لوگ استعمال کرسکتے ہیں جو کچھہ دنوں لکھنؤ میں رہے ہوں - لفظ تو لفظ دوسرے مصرع کی پوری بندش اور ترکیب خاص لکھنؤ والوں کی ہے —

شاگرد | یوں تو سارا قلعہ ہی ان کا شاگرد تھا، مگر ان کے دو شاگردوں نے استادی کا درجہ حاصل کیا - ایک شاہزادہ معزالدین 'ثابت' اور دوسرے صاحب عالم مرزا قادر بخش 'صابر' - 'ثابت' تو وہی ہیں جنھوں نے ان کے دیوان کا دیباچہ لکھا ہے اور ان کے متعلق خود 'احسان' کے بعض شعر دیوان میں موجود ہیں - مثلاً :

غزل نہ کیونکہ پڑھوں دوسری کہ اے 'احساں'　　معرک آج ہے 'ثابت' سا میرزا میرا

اور صابر وہ ہیں، جنھوں نے ان کے مرنے کی تاریخ کہی ہے اور اپنے تذکرۂ "گلستان سخن" میں استاد کی سچی تعریف کرکے حق شاگردی ادا کیا ہے ۔

صابر کو ایک خط کا جواب اور عیدالضحیٰ کی تہنیت اس طرح دیتے ہیں:

صبا بہ صابر رشک صبوری و صبری | یہ کہیو میری طرف سے کہ اے بلند مقام
وہ قطعہ قاطع صفر اے غم جو بھیجا تھا | پڑھا ہے اس ترے مخلص نے حرف حرف تمام
پسند خاطر 'احساں' نہ کیوں ہوں تیرے سخن | کہ تو سلیم طبیعت ہے اور کلیم کلام
یقین ہے' تو وہ تیرے سخن کا درد آلود | بسان 'فدوی' و 'تاباں' ہیں تیرے چند غلام
اگر چہ کام دو صد هوویں ملحق یک تن | جو کام کا ہے وہ اک دل کو کب رکھے نا کام
حقیقتاً ہے کہ اصلاح رو برو ہے خوب | یہ خوب سمجھو کہ ہے خوب کا تو خوب انجام
نہیں ہے شبہہ کہ استاد بھی ہے مثل پدر | شفیق و خیر طلب ' باعث نکوئی نام
نصیب تجھکو ہو یارب سعادت ابدی | سعید تجھکو یہ عیدالضحیٰ علیک سلام

عبدالرحمن خاں 'احسان' واقعی اپنے شاگردوں کو اپنے بچوں کی طرح چاہتے تھے اور بعض خاص خاص شاگردوں سے تو یہاں تک یگانگت تھی کہ ان کے گھر میں ان سے پردہ تک نہ رہا تھا - ان کے چار شاگرد مرزا معزالدین 'ثابت' مرزا قادر بخش 'موزوں' مرزا پیارے 'رفعت' اور مرزا قادر بخش 'صابر' ان کے گھر میں بلا تکلف آتے جاتے تھے - استاد نے بھی شاگردوں کی تربیت میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی اور ان چاروں کو صاحب دیوان ہی نہیں' استاد کردیا -

اپنے بیٹوں کو نصیحت

ان کو جس طرح اپنے شاگردوں کا خیال تھا ' اسی طرح اپنے گھر والوں اور خاص کر اپنے بیٹوں کا بھی تھا - اپنے دونوں بیٹوں سیف الرحمن خاں اور عبدالحکیم خاں کو نصیحت کرتے ہیں :

اے نور دو چشم و جان' احساں | اے عبد حکیم و سیف رحمن
چوں حفظ کلام حق نمودید | از خلد درے برخ کشودید
ہر هفتہ کنید ختم قرآں | هر هفت چنیں کنند مرداں
سیپارۂ اوست چارۂ دل | چوں هشت بہشت هفت منزل
باشید نہ در جہاں ملوث | گردید مفسر و محدث

اپنے اعمال کی شکایت اور شعر گوئی کی مذمت کرتے ہیں :

بر خود کردم ز جہل بیداد　　جدے بکنید ہم چو اجداد
در علم و عمل چو من مباشید　　محو شعر و سخن مباشید
خاطر نہ کنید زیں پریشاں　　دیوانگی است جمع دیواں
کو قدر شناس آں نماندند　　عیسیٰ رفت و خراں بماندند
ہر طور سخن منم کلیمے　　بخشند نہ ایں خساں گلیمے
کو شا ہجہاں بزر کہ سنجد　　عیب است ہنر، ہنر کہ سنجد
سنجیدہ سخن بگفتم اے وا　　مداح شہے شوم کہ حقا
در خلد بیک نفس رساند　　صد قصر ز مردم دہاند
بر تخت بہشت جا گزینم　　صد تاج شرف بسر ببینم
ایں مژدہ دگر ملا شنیدی　　فرمود کہ لا تخف مریدی

یہاں سے حضرت غوث پاک کی مدح شروع ہو جاتی ہے —

احسان کی شکل و صورت و دیگر حالات

'احسان' کی شکل و صورت کے متعلق اب تک بڑی غلط فہمی رہی ہے - شاہ نصیر کے اس شعر کو ان سے متعلق کر کے خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بڑے کالے کلوتے تھے :

اے خال رخ یار تجھے ٹھیک بناتا　　جا چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھ کر

مگر اب جو ان کی تصویر دیکھی اور آغا حیدر حسن صاحب کی یادداشتوں سے اس کا مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ 'احسان' نہایت خوبصورت آدمی تھے - بہت سرخ و سفید رنگ تھا - نیچی سفید داڑھی تھی مگر چھدری - گھر میں سفید نیچا کرتا، ایک بر کا سفید پیجامہ اور سفید چوگوشیہ ٹوپی پہنتے تھے - جب دربار میں جاتے تو کھڑکی دار پگڑی اور چپکن پہن کر اور کمر سے پٹکا لپیٹ کر جاتے —

آغا صاحب کی یادداشتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کچھ دنوں یہ دھلی کے

وزیر بھی رھے ھیں ۔ دی تاسی کے تذکرۂ شعرا کے دیکھنے سے معلوم ھوتا ھے کہ سنہ ۱۸۴۷ ء میں ان کو دھلی کے دربار میں ایک بہت بڑی انتظامی خدمت سپرد ھوئی تھی ۔ شاید یہی زمانہ ان کی وزارت کا ھو ۔ جس کو دی تاسی نے ' بہت بڑی انتظامی خدمت کہا ھے ' لیکن یہ وزارت تھوڑے ھی دن رھی اور اس کے بعد حکیم احسن اللہ خاں وزیر ھو گئے —

انتقال

عبدالرحمن خاں 'احسان' صمصام الدولہ شہامت جنگ نے ۸۵ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۲۶۷ ھجری مطابق سنہ ۱۸۵۱ ع میں دنیا سے کوچ کیا ۔ اور درگاہ خواجہ باقی باللہ کے اندرونی احاطے میں دفن ھوے ۔ ان کے ایک لڑکے سیف الرحمن خاں اور پوتے احمد حسن خاں بھی ان کے پہلو میں آسودہ ھیں —

عبدالرحمن خاں اور سیف الرحمن خاں کی قبروں پر کوئی کتبہ نہیں ھے ' البتہ سنگ سرخ کے تعویزوں سے بآسانی پہنچانی جا سکتی ھیں —

مرزا قادر بخش 'صابر' نے 'احسان' کے انتقال کی تاریخ کہی ھے اور خوب کہی ھے :

تنگ نالے دھر فانی سے ھوں دل برداشتہ ھے جنون انگیز و حسرت خیزیہ وحشت سرا

رفتہ رفتہ ساکنان خاک ھیں گرم سفر راہ چلنے میں نہ دن کا فکر' نے تڑ رات کا

حضرت احساں کہ وہ تھے گلستان دھر میں طوطی شکر مقال و عندلیب خوش نوا

قدوۂ ارباب فضل و اسوۂ اھل کمال قبلۂ اصحاب علم و کعبۂ اھل صفا

معدن فرزانگی ' استاد شاھنشاہ عصر عمدۂ ارکان دولت پیشوائے اصفیا

نسخۂ ارشاد و عرفاں' آیت لطف و کرم معنی تلمیذ رحمن' صورت جود و سخا

ھاے اس مصباح ظلمت سوز بزم دھر کو صرصر جور اجل نے کس طرح گل کردیا

اس کے مرنے سے جدھر دیکھو ادھر کس کس طرح حسرت و اندوہ کا ھنگامہ برپا ھو گیا

عین ھنگام الم میں ' صابر ' دلگیر نے اپنے دل کو تھام کر باصد غم و باصد بکا

کی رقم اس معدن 'احساں' کی تاریخ وفات　　دل گیا بیٹھ آہ جب عالم سے احسان اٹھ گیا

کلام | ان کے کلام کے کیا کہنے ' استادانہ کلام ہے ' روانی غضب کی ہے ' الفاظ ایسے بیٹھتے ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ - استادوں کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں اور خوب کہی ہیں - عمر ایسی بڑی پائی تھی کہ میر سے لگا کر ذوق تک کے اہل کمال سے صحبت رہی - مرتے دم تک کوئی مشاعرہ نہ تھا جو ان سے ناغہ ہوا ہو - اس زمانے کے منہ پھٹ لوگ ' ذرا غلطی ہوئی اور انھوں نے ٹوکا ' ایسوں کے مقابلے میں غزل پڑھنا آسان کام نہ تھا ' پورے طرح تیار ہو کر جانا ہوتا تھا ' اسی لئے اساتذہ کے کلام پر پورا عبور حاصل کرنا پڑا - ادھر اعتراض ہوا اور ادھر سند دی - ذرا چوکے ہوے اور گئے گزرے ہوے - بہر حال اس زمانے کا جو رنگ تھا اس میں استاد کامل تھے - ان کا قلعے سے واسطہ تھا - قلعے کا یہ حال تھا کہ وہاں دو رنگ ہو گئے تھے - ایک وہ لوگ تھے جنھوں نے دلی کبھی نہیں چھوڑی تھی - دوسرے وہ تھے جو لکھنؤ کا چکر لگا کر آے تھے - شاہ عالم ثانی کے زمانے سے دلی کے شاہزادوں کا لکھنؤ آنا جانا شروع ہوا - کچھ تو وہیں رہ گئے ' کچھ ایسے تھے کہ کبھی یہاں رہتے کبھی وہاں - آپس کے شادی بیاہ سے آمد و رفت کا یہ سلسلہ اور بڑھ گیا - اس زمانے میں لکھنؤ میں رعایت لفظی کا بڑا زور تھا - اس کا اثر انھی شاہزادوں کی وجہ سے قلعے کی زبان پر ہوا - احسان کا تعلق قلعے سے تھا - شاہزادے ان کے شاگرد تھے ' یہ خود بھی لکھنؤ میں سال بھر رہ کر آے تھے - نئی چیز سب کو پسند آتی ہے - انھوں نے بھی صنائع لفظی کو اختیار کیا ' یا یوں کہو کہ اختیار کرنا پڑا - نتیجہ یہ ہوا کہ سارے کا سارا دیوان لفظی صنعتوں کا مینا بازار ہو گیا - استاد ذوق پر بھی اس صحبت کا اثر ہوا ہے ' لیکن ان سے کم - مؤمن بھی اس چکر میں آے ہیں - غالب کی زبان سے بھی ایسے مصرعے نکل ہی گئے :

ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیر زن کے پاؤں

میں تو میں خود ان کے شاگرد بھی اس لفظی الجھاؤ کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں - چنانچہ مرزا قادر بخش صابر اپنی کتاب گلستان سخن میں لکھتے ہیں :

" کلام قدما کی مزاولت سے صنائع لفظی کی طرف اکثر عنان توجہ معطوف اور طبیعت فیض طویت ایسے امور غرابت دستور کی جانب نہایت مالوف تھی - اور ارباب ذوق جانتے ہیں کہ اس طرح کے قیود صفائی کلام اور آمد سخن سے مانع اور ادائی سیاق اور روانی عبارت سے عائق ہوتے ہیں " -

مرزا صاحب یہ سب کچھ کہہ گئے مگر آخر تھے شاگرد ' اس قدر کہنے کے بعد بھی استاد کا پایہ گرنے نہ دیا ' آگے چل کر فرماتے ہیں ·

" لیکن اہل انصاف کہ طبیعت کو جوں آئینہ صاف اور ضمیر آفتاب تنویر کو بے اعتساف رکھتے ہیں ' بے شائبہ تکلف فرمائیں گے کہ اتنے تکلف پر سخن کتنا بے تکلف ہے " —

نواب مصطفی خان شیفتہ نے بھی اپنے گلشن بیخار میں ان کی صنائع لفظی کو ضرورت سے زیادہ بتایا ہے ' چنانچہ لکھتے ہیں —

" اشعار عاشقانہ اش ناخن بدل زن است - در صنائع لفظی مانند جناس و اشتقاق و طباق وغیرہ آں از حد فزوں دارد " —

ان کے کلام کے متعلق لالہ سریرام صاحب کی وہی رائے ہے جو مرزا قادر بخش صابر کی ہے - یعنی " الفاظ کی شستگی اور بر جستگی میں بڑی کوشش کرتے اور مغلق الفاظ ' پیچیدہ ترکیبوں اور تکرار اضافت سے پرھیز کرتے تھے - رعایت لفظی کے بڑے شائق تھے' تاہم طرز بیان نہایت صاف' سہل اور بے تکلف ہے " —

رعایت لفظی

آگے کلام دیکھنے سے اس رائے کی پوری تصدیق ہو جائے گی · یہاں صرف نمونے کے طور پر چند اشعار دیتا ہوں ' تاکہ معلوم ہوسکے کہ باوجود رعایت لفظی کے ان کے اشعار نہ پیچیدہ ہوتے ہیں اور نہ روانی میں فرق آتا ہے - ہاں پھسپھسے ضرور ہو جاتے ہیں —

لب بلب - لب سےترے جب لب پیمانہ ہوا   جاں بہ لب توہی مجھے کہہ میں ہوا یا نہ ہوا

دیکھئے کیا غم کا زور ہے :

بےغم ہیں ہر ایک غم سے نہیں غم کا ہمیں غم   کیا غم ہو کہ غم تیرا ہے غم خوار ہمارا

اوراس شعر میں پھیر کو کیا چکر دیا ہے :

تو اپنے پھیر سے ، بے پھیر! پھیر پھیر نہ کر   کہ تیرے پھیر کے وعدے نے مجھکو پھیر کیا

اور اس شعر میں دیکھئے بار کتنی بار آیا ہے :

بار غم بتاں سے نجات اب کی بار ہو   بار دگر نہ ہوگا یہ بار خدا گناہ

اور اس رعایت لفظی میں جوے کی بازی کو ملاحظہ کیجئیے :

بازی عشق وہ جیتا نہ جیا جو کہ یہاں   جو کہ جیتا ہے مری جان وہی ہار میں ہے

اس شعر کو دیکھئے کیا ہنگامہ مچایا ہے :

محتسب ہنگامہ آرائی یہ بے ہنگام ہے   ہے یہ ہنگام قدح نوشی و ہنگام شراب

تجنیس خطی کی مثال بھی ملاحظہ ہو :

تجھکو خبر نہیں یہ نتیجہ ہے جاہ کا   تیجہ بھی تیرے عاشق بیجاں کا ہو چکا

پس ناقہ آتا ہے اک شخص گریاں   یہ محمل سا کہہ دیجو محمل نشیں کو

سخت زمینیں

ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ سخت زمینوں میں غزلیں کہنا استادی کی شان سمجھا جاتا تھا ، شاہ نصیر اس رنگ کے بادشاہ تھے وہ ٹھیرے ان کے مد مقابل - یہ کیا چپکے رہنے والے تھے - ایسی ایسی سخت زمینیں لی ہیں کہ خدا کی پناہ - لطف یہ ہے کہ باوجود اس دقت کے نہ کبھی ان کا شعر مغلق ہوا اور نہ کبھی تعقید کی ایسی الجھنوں میں پھنسا کہ ان کا سلجھانا مشکل ہو - اب رہا ان کا اصلی رنگ یعنی صنائع لفظی تو وہ یہاں بھی موجود ہے - پوری کی پوری غزل لکھے دیتا ہوں ؛ انصاف شرط ہے ، بھلا ایسے کو استاد نہ کہیے تو کس کو کہیے —

۱- سنگ بیقدری سے دل کو مرے یکسر توڑا   مول اس لعل کا تو نے بت کافر توڑا

۲- تیری دیوار سے سر اپنا سرا سر توڑا   نخل الفت سے ثمر ہم نے یہ دل بر توڑا

۳- دل صد چاک کی پوچھی جو خبر ہم نے وہیں   گل صد برگ مرے سامنے لاکر توڑا

۴- نالۂ وآہ بھی اب تو ہیں نکلنے سے رہے   خانۂ دل پہ لگا تیرا ستم گر توڑا

۵- سادگی ہی نے تری قتل کیا تھا کافر   تیرے زیور نے ستم اور ہی دلبر توڑا

۶- مرکیاں تیری غضب اور یہ بالا ہے بلا   قہر زنجیر، ستم جگنی ہے کافر توڑا

۷- جب سنا مرھی گیا آج مرا حلقہ بگوش   گوہر حلقۂ بیندی وہیں رو کر توڑا

۸- تیری دولت سے مرے کشور دل میں اب تو   مشک و عنبر کا نہیں زلف معنبر توڑا

۹- تجھکو توڑا دے طلائی وہ کہاں ہے مفلس   تور کا جس کو نہیں یار میسر توڑا

۱۰- یاد مژگاں میں دم فصد ترے عاشق نے   دم ہی نشتر کے نکلنے کے برابر توڑا

۱۱- ہاتھ پہنچے نہ ترے پاؤں تلک میرے کبھو   حیف یوں لپٹے ترے سر سے ستم گر توڑا

۱۲- ہاتھ افسوس سے ملکر وہیں فصاد نے آہ   پائے تدبیر جو ٹوٹا، سر نشتر توڑا

۱۳- گورے گل مینے جو پھینکی کہیں پہنچے کو لگی   اس ادا نے تو پھر ایک قہر ہی مجھپر توڑا

۱۴- پہنچے کو ہاتھ پہ رکھکر بہ نزاکت بولے   ہاتھ ٹوٹے نے مرے ہاتھ کو آ کر توڑا

۱۵- گریۂ وآہ جگر سوز سے پھوڑا دل کو
آتش و آب سے ' احساں ' نے یہ پتھر توڑا

غرض ۱۵ شعروں میں توڑے کے جتنے مختلف معنی ہیں سب لکھدیے ہیں - غزل کیا ہے، فرہنگ آصفیہ کا خاصہ ایک ٹکڑا ہے —

اس سے زیادہ سخت زمین ملاحظہ ہو:

استخواں سے تو عبث رکھتا ہے چڑ اے برہمن   دانت اپنے دیکھ ہیں تیرے دہن میں استخواں

گل ہزاروں عندلیبیں باغ میں تھیں نغمہ سنج   آج صد افسوس انکے ہیں چمن میں استخواں

یہ تمنا ہے کہ رہوے شمع فانوسی کی طرح   آتش الفت سے روشن پیرہن میں استخواں

آخری شعر میں غضب کی تشبیہ ہے—

ایک گرما گرم غزل اور سن لیجئے ، اس میں بھی وہ گرم گرم شعر نکلے ہیں کہ معترض اُنگلی رکھے تو جل جاے —

اس شعلہ روکی ایک تو رفتار گرم ہے اس پر کڑوں کی اور بھی جھنکار گرم ہے
زلفیں دھواں ہیں، حسن بھبوکا پری ہے چال کیا سر سے پاؤں تک وہ طرحدار گرم ہے
اس سوختہ جگر کے ابھی تن پہ ہے لگی اس دم تو رکھہ دے ہاتھہ میں تلوار گرم ہے
اپنی غزل جو پڑھتے ہیں کہتے ہیں دوستاں (ق) حضرت بغور سنئے کہ بسیار گرم ہے
جب میں پڑھوں ہوں شعر تو بیچے ہیں کچوریاں کیا ان دنوں میں پھوٹ کا بازار گرم ہے
کاھک ہے تیرے سرکی یہاں شمع اے پتنگ ہے بیچنا صلاح خریدار گرم ہے
بیٹھا تھا کون سوختہ تکیہ اکا کے یہاں اب تک جو تیرے کوچے کی دیوار گرم ہے
قربان ایسی تپ کے جو تو آن کر کہے کیوں تیرا جسم عاشق بیمار گرم ہے

یہ رنگ بالکل شاہ نصیر کا ہے ، مقابلے کی غزل کہی ہے اور خوب کہی ، ۲۰ شعر ہیں ، دوچار سن لیجئے :

خاک میں ملتے ہیں تجھہ سے روز گوردوچار کے ندرھو رھتے ہیں تیرے در پہ سر دو چار کے
مجھکو مت چھیڑو معاذ اللہ میرے اب تلک نالے گر آئیں تو پھٹ جائیں جگر دوچار کے
چارہ سازو اس سے جاکر حال دل میرا کہو کہنے میں البتہ ہوتا ہے اثر دو چار کے
ہر طرف کوچے میں تیرے شور ہے ھنگامہ ہے خون ہو رھتے ہیں وھاں اے بیخبر دوچار کے

ذرا دیکھئے کیا سخت اُڑان ہے ، کیا روانی ہے ، اور کیا عمدہ مضمون ہیں :

ایک پرواز کی طاقت نہیں اس جا سے مجھے اور جو حکم ہو صیاد سواے پرواز
دیکھیو نامہ نہ لایا ہو کبوتر اس کا کچھہ مرے کان میں آتی ہے صداے پرواز
اپنے نزدیک تواس دام سے پھنس کر صیاد کسی کمبخت کو ہووےگی ھواے پرواز
بےپروبالی پہ غش ہوں کہ یہ ھردم ہیں رفیق تھی پروبالی ھی تک ہم سے وفاے پرواز

ایسی هی سخت زمینوں کے کچھہ اور شعر لکھہ کر 'احسان' کی شاعری کے اس پہلو کو ختم کرتا هوں ' ورنہ دیکھا جاے تو ان کا دیوان سخت ردیف اور قافیوں سے بھرا پڑا ھے —

زاهدو سے یہ نہیں هیں یہ بہم آتش و آب   یعنی یہ هم هیں کہ پیتے هیں بہم آتش و آب
آب دریا میں نہیں پاے حنا بستہ ترے   شعلہ رو چومنے آئے هیں قدم آتش و آب

اسی غزل میں ایک قطعہ ھے ' اس میں ظاهر کیا ھے کہ خداوند تعالی کی تسبیح میں دونوں جہان مشغول هیں ' اس کا ایک شعر ملاحظہ هو ' کیا موتی جڑے هیں :

مہر و مہ ' ارض و سما ' حور و ملک ' شاہ و گدا   خار و گل ' خاک و هوا ' تیغ و قلم ' آتش و آب

اپنی پوشاک کا کوچے میں ترے حال ھے یہ   آستیں وہ ھے ' گریباں یہاں واں ' دامن
در پہ کیوں اهل دول کے در حق سے آیا   اس لئے کھینچے ھے درویش کا درباں دامن

جو مجھہ سے پوچھو یہ عشق کیا ھے بہار پیراے باغ دانش
چراغ دانش ' فراغ بینش ' فراغ بینش ' چراغ دانش
فلک پہ پہنچے دماغ دانش قبول درگاہ عشق گر هو
قبول درگاہ عشق گر هو ' فلک پہ پہنچے دماغ دانش
گداے میخانۂ محبت مدام رکھتا یہی صدا ھے
صداے جام جلوں الفت ' شراب بینش ایاغ دانش

شعر کوہ جاے ' آهوے ها موں ٹھٹرے   ٹھر ھے ایسی کہ مرے دل میں هیں مضموں ٹھٹرے
کوہ و دریا میں ھے تاثیر برودت یہانتک   سنگ میں لعل ' صدف میں در مکنوں ٹھٹرے
هاتھہ سے ٹھر کے دم گرم ھے بھرتی اپنی   کہ بیاباں میں مرا آہ نہ مجنوں ٹھٹرے

بل بے تھوڑ، بل بے ھوا، بل بے برودت 'احسان' مجھ کو ترھے نہ مرا نالۂ موزوں ٹھٹرے

بل بے کا لفظ بتا رھا ھے کہ یہ پرانے زمانے کی غزل ھے —

بعض عجیب قافیے خواجہ الطاف حسین 'حالی' مرحوم نے اپنے دیوان کے شروع میں جو مقدمہ لکھا ھے، اس میں قافیے کی بحث میں یہ بھی ظاھر کیا ھے کہ قافیے کو اس قدر تنگ کرنا مناسب نہیں کہ جب تک حرف کی جگہ حرف نہ آے اس وقت تک قافیہ صحیح نہ سمجھا جاے - بہتر تو یہ ھے کہ اگر کسی لفظ کی آواز بھی قافیہ جیسی ھوجاے تو اس لفظ کو قافیہ بنالینے میں تامل نہ کرنا چاھئے، اس بحث کی تائید میں انھوں نے شوق کی مثنوی کا ایک شعر دیا ھے :

کوئی مرتا ھے کیوں بلا جانے ھم بھو بیٹیاں یہ کیا جانیں

'احسان' کے ھاں اس کی بہت مثالیں ھیں، وہ اس قسم کے قافیے بلا تامل استعمال کرتے تھے، دو تین مثالیں لکھے دیتا ھوں - غزل ھے :

خفا مت ھو مجھ کو ٹھکانے بہت ھیں مرا سر رھے آستانے بہت ھیں

اس میں ایک شعر ھے :

کماں تیری ابرو سے کم ھے وگر نہ کمی کیا ھے یوں تو کمانیں بہت ھیں

ایک اور غزل ھے :

ھمارا جگر اس "نہیں" نے جلایا الٰہی لگے آگ تیری "نہیں" کو

ترے جاتے ھی تفرقہ پڑگیا یاں گیا دل کہیں کو، گئی جاں کہیں کو

اس میں ایک شعر ھے :

سنا ھوگا احوال فرعون تم نے ڈبوتا ھے آخر غرور آدمی کو

کمزوریاں ان کے دیوان میں بہت کم ایسے شعر نکلیں گے جن میں شاعری کی کوئی کمزوری پائی جائے، جن میں محض قافیہ پیمائی ھو، یا جن میں بھرتی کے الفاظ استعمال ھوے ھیں، البتہ ان کے ھاں لفظ "ھم" بمعنی "بھی" بہت آیا ھے - اس زمانے میں یہ عیب نہ ھوا، اب تو بڑا کھٹکتا ھے -

اک تری ذات کو ہے اے مرے قیوم قیام　　نے سدا خاک ہے، نے باد، نہ ہم آتش و آب

کچھ اپنے ہی گریے کا نہیں زور اُٹھا اب　　بدلی نظر آتی ہے زمانے کی ہوا ہم
مت میری طرف گھورئے بس مہر ہی رکھیے　　مردم کو ذرا چاہئے آنکھوں میں حیا ہم

خیر مردم کا لفظ تو آنکھوں کی رعایت سے لے آئے، مگر یہ ہم چہ معنی دارد—

بعض جگہ ایسے لفظ استعمال کرگئے ہیں جو لغت میں تو ضرور ہیں مگر عام طور سے استعمال میں نہیں آتے - ایک غزل ہے :

نالۂ آتش عناں ہے برق اس کو مت سمجھ　　دود آہ عاشقاں ہے یہ گھٹا کالی نہیں

اس میں ایک شعر ہے :

سر بسر پامال غم ہوں کیوں نہ اس صورت سے آہ　　دسترس مجھ کو کف پا تک بھی جوں قالی نہیں

عام طور سے قالین بولتے ہیں ' قالی بھی صحیح ہے، مگر زبان پر کم آتا ہے - خود ان سے سند مانگتے تو کہت سے دیدیتے ' خیر سند ہو یا نہ ہو، جو سچی بات تھی وہ میں نے لکھدی - نیچے جو شعر دیتا ہوں اس میں ''وجب'' کا لفظ ایسا ڈھیل آیا ہے کہ خدا کی پناہ - خود ان کے دیوان بھر میں ایسی کمزوری کہیں نہ ملے گی —

ہزار باغ میں کھینچے ہے سرو سر بفلک　　زیادہ تو یہی کہوں گا کہ یک وجب تم ہو

ہمارے ہاں بالشت بھر اونچے یا بڑے ہوئے یا مٹھی بھر اونچے ہونے کا محاورہ ہے - ''یک وجب زیادہ'' ہونا بس ان ہی کے ہاں دیکھا —

فارسی ترکیبیں

ان کے ہاں فارسی ترکیبیں بھی ہیں، مگر بہت کم - ان کی شاعری کا دار و مدار سلاست عبارت پر ہے، پھر بھی کہیں کہیں خوبصورت فارسی ترکیبیں استعمال کرگئے ہیں -

احساں، اب اس کے وہ ہیں کہ جن کا ہر ایک سخن　　شرمندہ ساز عیسی گردوں نشیں ہوا

مژدۂ سودۂ الماس تجھ زخم جگر   یعنی بیزار ہوے مرہم کافور سے ہم

اس شعر کو غالب کے دیوان میں بڑھادو تو ذرا مشکل سے پہچانا جاے :

کام رہتا ہے سدا گردن کشوں سے ہی مجھے   پیچ و تاب حلقہ ہاے جوہر شمشیر ہوں

جان دل حزین جگر خستگاں پہ رحم   میں نے کہا ثواب ہے کہنے لگا گناہ

ذرا اس قطعے کو دیکھئے' غالب کا دھوکا ہوتا ہے اور ان کا ایک قطعہ یاد آجاتا ہے جو اس طرح شروع ہوا ہے :

اے تازہ واردان بساط ہواے دل   زنہار اگر تمہیں ہوس نا و نوش ہے

وہی بندشیں ہیں' وہی ترکیبیں ہیں اور وہی زور ہے -

دوش بدوش' دوش تھا مجھ سے بت کرشمہ کوش   پردۂ در خیام عقل رخنہ گر حریم ہوش

غازہ برو' مسی بلب' پاں بدہن' حنا بکف   سلک در عدن بہ سر' طرۂ عنبریں بدوش

پل میں مریض وہ کرے' دم میں شفا یہ دے مجھے   آہ وہ چشم می پرست' واہ وہ لعل بادہ نوش

منکر می تھا شیخ کل' آج یہ حال ہے کہ ہے   جام بدست و خم بسر' شیشہ ببر' سبو بدوش

اس غزل میں بجاے 'احسان' کے 'محسن' تخلص ڈالا ہے' سارے دیوان میں یہ تخلص بس اسی جگہ آیا ہے' اس لئے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ یہ 'محسن' بھی تخلص کرتے تھے' پھر بھی ایک یاد رکھنے کے قابل بات ضرور ہے -

نغمہ سرا ہو 'محسنا' تاکہ ہو باغ باغ باغ   سوسن صد زبان ہو گل کی طرح تمام گوش

عربی کے فقرے

فارسی اور عربی کے فقرے 'احسان' کے ہاں شعر میں کیا آتے ہیں' بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ نگینے جڑے ہوے ہیں۔ فارسی کے نمونے تو آپ دیکھ چکے اور کچھ آگے دیکھیں گے' عربی کے دو چار نمونے درج کرتا ہوں :

یہی وظیفۂ مجنوں بدشت عشق رہا ۔۔۔ فدا ہوں اس پہ کہ اسرا بعبدہ لیلی
جبین عرش معلی ہے سجدہ گاہ نیاز ۔۔۔ اس آستان پہ سبحان ربی الاعلی

مونس شام غم ہے زلف رسا ۔۔۔ اصلح اللہ شانہ ابدا
سالہا اس کے در پہ 'احسان' نے ۔۔۔ قال سل ما ترید یا سلمی

پرانی زبان

حافظ احسان کا زمانہ میر سے لگا کر غدر کے کچھہ پہلے تک، گزرا ہے - زبان نے ہزاروں پلٹیاں کھائیں' پرانے الفاظ متروک ہوے' نئے داخل ہوے - ان کو بچپن ہی سے شعر کہنے کا شوق تھا' کچھہ پرانے زمانے کے الفاظ بھی ان کے دیوان میں موجود ہیں -

اودی پوشاک عجب تم نے سبھی واچھڑے جی ۔۔۔ اس بناؤ سے اجی قصد کہاں کیجئے گا

یہ غزل بہت پرانی معلوم ہوتی ہے' کیونکہ اس کے بعض شعر ایسے ہیں کہ اس کو زبردستی کی ٹھونسم ٹھانس کہا جاسکتا ہے اور یہ بات ان کے آخری زمانے کی غزلوں میں نہیں ہے -

رخ نہ پھیروں گا ترے کہنے سے سن اے شہ حسن ۔۔۔ گر مجھے روبروے پیل دماں کیجئے گا
دشت پر خوف محبت میں کہاں جاے اماں ۔۔۔ مسکن اپنا دہن شیر زیاں کیجئے گا

ہم ہیں اور کوچہ یار جانی کا ۔۔۔ زور ہے زور ناتوانی کا

پہلے زمانے میں زور بمعنی بہت آتا تھا' غدر سے پہلے تک اس کا زور رہا' اب اس معنی میں استعمال نہیں ہوتا - میر صاحب کہتے ہیں :

تا بمقدور' انتظار کیا ۔۔۔ دل نے اب زور بے قرار کیا

آنکھوں میں موج گریہ اسطرح سے رواں ہے ۔۔۔ پتھروں پہ جسطرح سے زنجیر کھینچتے ہیں

مضمون نہایت نفیس ہے' تشبیہہ بڑی پاکیزہ ہے' مگر پتھروں کی "ت" کو سکون کے ساتھہ جس طرح استعمال کیا ہے وہ سودا اور میر کے زمانے کی زبان ہے -

شاید اسی زمانے کی یہ غزل ہو، سودا فرماتے ہیں :

سودا نکل نہ گھر سے کہ اب تجھ کو ڈھونڈتے لڑکے پھرے ہیں پتھروں سے دامن بھرے ہوے
مجنوں کے گرد لڑکے پتھرے لئے نہیں ہیں تنہا یہ آج نکلا حشمت مآب کیونکر

میر کے زمانے میں پتھروں کی جگہ پتھرے بھی بولتے تھے، چنانچہ میر صاحب فرماتے ہیں :

لگوائے پتھرے اور برا بھی کہا کئے تم نے حقوق دوستی کے سب ادا کئے
چشم تر، سوز جگر، آہ سحر، نالۂ شب تیری دولت سے ہے ہر چیز مہیا مجھکو

"بدولت" اور "دولت" سے دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، مگر اب "بدولت" برتا جاتا ہے، ذوق نے تو صرف "دولت" ہی استعمال کیا ہے -

نہ دیکھہ لی کیسی کیسی آفت جہاں میں ہم نے تمہارے باعث
اور آگے کیا کیا غم و الم ہم تمہاری دولت نہ دیکھہ لیں گے

اگر احساں دل اپنا دے تو لے لیجے مبارک ہو کسی سے کیا توہیں حضرت سلامت اپنا گھر دیکھو

گھر دیکھنا اب کوئی محاورہ نہیں ہے، اس زمانے میں ہوگا - یا تو اس کے معنی ہیں اپنے گھر کا رستہ لو یا یہ ہیں کہ اپنے فائدے پر نظر رکھو -

دلبر یہ وہ ہے جس نے دل کو دغا دیا ہے اے چشم دیکھہ، تجھکو میں نے سجھا دیا ہے
سررشتۂ وفا سے کیا شمع رو ہیں واقف ہم نے پتنگ ان سے ملنا اُڑا دیا ہے

دغا کا لفظ غدر سے پہلے بھی مؤنث تھا - مؤمن کا شعر ہے :

دیا علم و ہنر حسرت کشی کو فلک نے مجھہ سے یہ کیسی دغا کی

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس سے بھی پہلے کا شعر ہے -

آشنا کس کے ہیں، بے دید ہیں یہ دیدۂ و دل (ق) ہیں یہی دیدۂ و دانستہ ڈبانے والے
ان کے رونے پر ہنسی آتی ہے مجھکو احساں دوڑے پانی کو ہیں کیا آگ لگانے والے

ڈبانے کا لفظ عامیانہ ہے، بول چال میں کبھی کبھی آجاتا ہے، مگر تحریر میں بہت کم دیکھا گیا ہے - 'احسان' کے ابتدائی زمانے میں دیکھنا ہو تو جرأت کا یہ شعر دیکھہ لو :

سمجھ کے دیکھا تو بیجا تھا سب گلہ دل کا　　　که چشم نم نے ڈبویا معاملہ دل کا

ان کے آخر زمانے میں دیکھنا ہو تو غالب کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تقریر　　　اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھکو ڈبو آئے

بی نور کے روضے میں ہے مچلا ہوا بیٹھا (ق) سنتا ہی نہیں یہ دل مہجور کسو کی
میں سورۂ نور آج ہی بی نور کو بخشوں　　　گر آے نظر صورت پر نور کسو کی

پوری غزل کی غزل ہے، جس کی ردیف "کسو کی" ہے۔ بی نور کا روضہ قطب کے راستے میں ہے، بی نور حضرت نظام الدین اولیا (رح) کی والدہ تھیں ـ

انگریزی حکومت کا اثر

لارڈ لیک کے دهلی فتح کرنے کے بعد بس قلعہ ہی قلعہ بادشاہ کے قبضے میں رہ گیا تھا، سارے شہر میں کمپنی کی حکومت تھی، انگریز آ کر بس گئے تھے، اس طرح انگریزی کے بہت سے الفاظ لوگوں کی زبان پر چڑھ گئے ـ اس زمانے کے اکثر شاعروں نے یہ الفاظ اپنے ہاں باندھے ہیں ـ اس ہوا سے 'احسان' بھی نہ بچ سکے اور کیسے بچتے، ان کا دوستانہ برکت علی خاں 'برکت' حیدر آبادی سے بہت تھا ـ ان کی غزلوں پر غزلیں کہتے تھے، ان کے مصرعوں کی تضمین کرتے تھے ـ چنانچہ برکت کا شعر ہے :

اشکوں کو بہا دیدۂ گریان سمجھ کر　　　گھبرائے نہ عالم کہیں طوفان سمجھ کر

احسان پہلے مصرعے پر یوں گرہ لگاتے ہیں :

احسان کہا مان تو 'برکت' کی طرح سے　　　اشکوں کو بہا دیدۂ گریان سمجھ کر

ایک قطعے میں لکھتے ہیں :

جا کے اس در پہ یہ احساں نے کہا بندہ نواز　　　کھول دروازے کو، آ اپنے گرفتار سے مل
اُس نے جب در کو نہ کھولا تو وہ برکت کی طرح　　　خوب جی کھول کے رویا در و دیوار سے مل

یہ میاں برکت نصیرالدولہ جرنل اختر لونی کے پیشکار اور دست راست تھے ـ انھی کے ذریعے سے 'احسان' جرنل اختر لونی سے بھی ملے ـ اسی میل جول میں اگر انگریزی کے کچھ الفاظ زبان پر چڑھ گئے ہوں تو کیا تعجب ہے ـ

کلکتے میں الفت کا گورنر ہے سدا عشق — آمادہ ہو تو رستم دستان سمجھ کر
میجر نے جلوں کے ہے یہ تیار کی پلٹن — ہاں دیکھ صف خار مغیلاں سمجھ کر
جرنیل تو صحرا میں ہے اور کوہ میں کرنیل — ہے شہر میں چھوڑا مجھے کپتان سمجھ کر

شیخ سے بولا خفا ہوکر وہ یوں شوخ فرنگ — ول نہ ہم بیٹھے گا ایسے پاگل اور لوفر کے پاس
غائب ہے جب سے چشم سے وہ لعبت فرنگ — واقف نہ حاضری سے نہ ہرگز تپفن سے ہم

قلق کی ہجو میں لکھتے ہیں :

قلق ابن قلندر نامی — ایک بو گر ہے ایک گدامی

پنسلیں نکل آئی تھیں، ہر شاعر مختلف پہلو سے ان کو باندھتا تھا - ذوق لکھتے ہیں :

خط جو اس نے قلم سرمہ سے لکھا ہم کو — لکھا ایماے خموشی ہے یہ گویا ہم کو

'احسان' اس کا دوسرا پہلو لیکر لکھتے ہیں :

'احسان' برنگ خامۂ اہل فرنگ ہاں — محتاج توتیا مژۂ نو خطاں نہیں

انگریزی عملداری تھی، مجرموں کو قید کی سزا دی جاتی تھی، قیدیوں سے سڑکیں بنوائی جاتی تھیں، برقنداز نگرانی کرتے تھے۔ انھوں نے یہ رنگ دیکھا، نیا مضمون ہاتھ آگیا، باندھ گئے -

دل عشاق سدا زلفوں کی رنجیر میں ہے — اور نگہبان نگاہ بت عیار مدام
مانگ کی راہ کو یہ حکم ہے یوں صاف رکھیں — جوں بناتے ہیں سڑک آ کے گنہگار مدام

احسان کا معشوق

مجھے ان کے دیوان میں ان کا معشوق سب سے زیادہ پسند آیا - معلوم ہوتا ہے کہ جوانی کا جوش نہیں رہا تھا - اس لئے آخر زمانے کی غزلوں میں معشوق کی وہ وہ خبر لی ہے کہ خدا کی پناہ، ایسا ڈانٹا ہے کہ کوئی نوکر کو بھی کیا ڈانٹے گا - ہر جگہ طعن کرتے ہیں کہ میاں تم تو روپیے پر مرتے ہو، ہم غریبوں کی طرف کیوں دیکھنے لگے - ذرا معشوق سے ان کی توتکار دیکھئے، فرماتے ہیں :

جوں نکہتِ زر ہم کو گلے تک نہ لگایا　　جب سیمبروں نے ہمیں زردار نہ پایا

یہ بے زری بھی عجب بد بلا ہے سیمبرو　　تمھاری آنکھوں میں اسلئے مجھے حقیر کیا

کب تلک تجھسے کہوں یار نہ اغیار سے مل　　تجھکو ہی شرم نہیں تو مری بیزار سے مل

گر وفا چاہئے تو ہم سے وفادار سے مل　　زر ہے درکار تو جاکر کسی زردار سے مل

کسی کے معشوق کے چہرے پر داد نہ ہوا ہوگا۔ ہوا تو حافظ جیو کے معشوق کے ہوا:

چہرے پر آپ کے بیوجہ نہیں داد ہوا　　داد دو میری کہ یہ باعث بیداد ہوا

داد کا لفظ ایک جگہ میں نے اور دیکھا ہے ' داغ کے مرنے کے بعد مرزاخدا داد بیگ مرحوم نے اعلیٰ حضرت غفران مکان کے پاس مثنوی "گل و صنوبر" پیش کی تھی ' اس کے آخر میں لکھا تھا :

ہے داغ کی جا خدا داد خالی　　ہو داد کے نام پر بحالی

اور دیکھئے کیاکھری کھری سناتے ہیں' معشوق کو ظالم سبھی کہتے ہیں' قصائی کوئی نہیں کہتا ' انھوں نے قصائی بنانے میں بھی کمی نہیں کی :

ہر دم نہ گلے کاٹ غریبوں کے ستمگر　　تو اپنے تئیں شہر میں قصاب نہ ٹھیرا

جب چھری پھیری غریبوں پر تو کیا نواب ہو　　ہم تو منہہ پر یہ کہینگے تم بڑے قصاب ہو

دیکھئے کا معشوق کو کس زور سے ڈانٹتے ہیں :

کیوں بولتے ہو ہو ہو کے طرحدار بیطرح　　میں ایک طرح کا ہوں نہ کہو یار بیطرح

اگر چہ خلق کے چرچے سے منہہ دکھا نہ سکے　　ٹوکا تھا حلق کہ آواز بھی سنا نہ سکے

معشوق بھی کچھہ دبیل نہ تھا ' وہ کب چپ رہنے والا تھا :

بوسہ مانگا ہم نے دھمکا کر تو یوں کہنے لگا　　اے تو دھمکی سے تمھارے کیوں نہ ہم ڈر جائینگے

معشوق کو ایک قطعے میں بگڑ بگڑ کر سمجھاتے ہیں :

اپنے پہ نہ لیجیو تو میں اک بات کروں عرض　　تم تو ہو بھلے کیو نکہ کہیں تم کو برا ہم

سمجھا چکے تم ہم کو ولے ہم ہی نہ سمجھے　　ویسی ہی گرفتاری میں رہتے ہوں سدا ہم

کوچے میں ہمارے ہی تو بلوے ہیں ہمیشہ　　ہم ہی تو سدا رکھتے ہوں واں سمجھے با ہم

الغرض یہ قصہ تو نہیں ، قصۂ کوتاہ کچھ اور نہیں سمجھے ہیں یہاں اسکے سوا ہم
اغیار کا مطلب نہ ہوا ہم کو سزاوار جو ہم نے کیا پاتے ہیں اب اسکی سزا ہم
مت میری طرف گھورئیے بس مہر ہی رکھئے مردم کو ذرا چاہئے آنکھوں میں حیا ہم

ہاں صاحب ، بات یہ ہے کہ معشوق ایسے ہی عاشقوں سے دبتے ہیں ، جنھوں نے پہلے تو خوشامد درآمد کی ، نہ مانا تو ڈانٹ دیا —

جب کسی نے کہا مرتا ہے تمہارا عاشق تم جو جا بیٹھو تو آجائے وہ جینے کے قریب
ڈوٹ کر سینے کو ایک ناز سے بولے ، ہے ہے کس کی کمبختی جو بیٹھے وہ کمینے کے قریب

شاید ہی کسی عاشق نے اپنے معشوق کے سر میں جوئیں ڈالی ہوں ، یہ 'احسان' کا معشوق ہے ، اس کے سر میں جوئیں کیوں نہ پڑینگی ، لکھتے ہیں:

نہ مارے جوں کی طرح کیوں دل نزار کو آج جوئیں لگی ہیں تری زلف تابدار کو آج

جوئیں لگنا پرانا محاورہ ہے ، اب سر میں جوئیں پڑنا کہتے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ تیز سنئے ، اس شعر میں تو یار پر لعنت ہی بھیجی ہے :

پیٹئے منہ تو اور مل اغیار سے رنگ منہ کا اڑگیا پیٹکار سے

شوخی اور مذاق

'احسان' کے کلام میں شوخی بھی ہے اور مذاق بھی ۔ بعض جگہ یہ مذاق بہت لطیف ہے اور بعض جگہ رکیک ۔ دونوں طرح کی مثالیں لکھتا ہوں ، کیا اچھی غزل ہے :

بس ترے آتے ہی مجکو چین سا کچھ آگیا اب وہ بیچینی، وہ بیتابی، وہ بیحالی نہیں
دو ہی دن کے عشق میں احساں یہ صورت بن گئی منہ پہ وہ رونق نہیں، چہرے پہ وہ لالی نہیں

اس غزل میں شیخ جی پر حملہ کرتے ہیں ۔ شاید شیخ جی ادھار پی گئے تھے، رند اس کی عوض ان کا عمامہ لینے آئے ہیں ۔ قطعہ ہے :

شیخ اپنی گفتگو سے قلتباں بنتا ہے آپ ورنہ اپنی طبع مائل سوے ہزالی نہیں
رند عمامہ طلب کرتے ہیں وہ خانہ خراب گھر سے باہر آن کو کہتا ہے گھر والی نہیں

اس قطعے میں شیخ جی پر کئی پہلوؤں سے حملہ کیا ہے ۔ ایک یہ کہ ان کا

عمامہ بھی جورو کے قبضے میں رہتا ھے، دوسرے یہ کہ بیوی کا دوپٹہ ان کے عمامے کے کام آتا ھے - تیسرے یہ کہ ان کی زوجہ بغیر ان کی اجازت کے جہاں چاھے نکل جاتی ھے اور ان کو خبر تک نہیں ھوتی کہ وہ گھر میں ھے یا کہیں با ھر گئی ھوئی ھے :

کیاشیخ جی کی جورو رہتی ھے کشمکش میں گاھےوہ کھینچتا ھے، گہ پیر کھینچتے ھیں

اس شعر میں شیخ کے ساتھ ان کے پیر کو بھی لے مرے ھیں :

نچھوڑ زوجۂ شیخ اب تو شیخ کا اخلاص اگرچہ پیر ھے، پر ھے مرید باا خلاص

پیر کے یہاں دو پہلو ھیں ۔ ایک تو یہ کہ واقعی پیری مریدی کرتا ھے دوسرے یہ کہ بڈھا ھے اور بڈھے ھمیشہ زن مرید ھوتے ھیں -

اب شیخ جی کو خطاب دینا رہ گیا تھا ۔ وہ ھولی کے زمانے میں پورا ھو گیا - پھاگن کا مہینہ ھے ۔ موسم اعتدال پر ھے ۔ لوگ ھولی منا رھے ھیں ۔ نظیر اکبرآبادی کہتے ھیں :

ھر آن خوشی میں آپس میں سب ھنس ھنس رنگ چھڑکتے ھیں
رخسار گلالوں سے گلگوں، کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ھیں
کچھ راگ اور رنگ جھمکتے ھیں کچھ مے کے جام چھلکتے ھیں
کچھ کودے ھیں، کچھ اچھلے ھیں، کچھ ھنستے ھیں، کچھ بکتے ھیں
ھر طور یہ نقشہ عشرت کا ھر آن دکھایا ھولی نے

بھلا ایسے موقعے پر نئے سال کے خطابوں کی طرح شیخ جی کو کیوں خطاب نہ ملے اور لوگ بھی اس خطاب سے سرفراز ھو چکے ھیں - چنانچہ نظیر کہتا ھے :

بیٹھے ھیں سب آپس میں نہیں ایک بھی کڑوا پچکاری اٹھاکر کوئی جھمکاوے ھے کھڑوا
بھرتے ھیں کہیں مشک کہیں رنگ کا گڑوا کیا شادوہ ھوتا ھے جسے کہتے ھیں بھڑوا

سنتے ھیں یہاں تک نہیں اب ننگ زمیں پر ــــ ھولی نے مچایا ھے عجب رنگ زمیں پر

جب دوسرے اس خطاب سے برا نہیں مانتے تو بھلا شیخ جی کیوں برا مانیں۔
احسان نے شیخ جی کو خطاب دیا ھے، مگر کنایے ھی کنایے میں دیا ھے :

نہ جاؤ شیخ جی، آؤ قریب ھے ھولی ــــ خفا نہ ھو کہ چلے آتے ھیں خطاب کے دن

کیوں ہم سے ھو بگڑتے، ہم نے تو شیخ صاحب ــــ ھولی سے پیشتر ھی تم کو بنا دیا ھے

اس کے بعد شیخ صاحب کو چھوڑکر محتسب کے پیچھے پڑتے ھیں :

جب جوانوں سے مدد پیر مغاں نے چاھی ــــ لے کے رندوں کو وھیں ھم بہ تجمل پہنچے

محتسب کے سر نا پاک پہ رکھوا خم مے ــــ اس طرح سے در میخانہ پہ ھم کل پہنچے

یہاں تلک محتسب شہر ھے لرزاں اب تو ــــ رند کشمیر میں ھوویں تو وہ کابل پہنچے

سبحان اللہ کیا قطعہ ھے داد دیجئے گا :

پکڑ لیا مجھے ھمراہ دختر رز آج ــــ شتاب آؤ کہ یہ محتسب ستا نہ سکے

یہ کہدو پیر مغاں سے یہی ھے وقت مدد ــــ وھاں چھڑا چکے، دنیا میں جب چھڑا نہ سکے

محتسب کا خطاب ملاحظہ ھو :

نہ میکدے میں کرو ذکر محتسب رندو! ــــ خدا نہ وہ شتر بے مہار دکھلاوے

یہ دو خطاب سن چکے، اب زاھد کا خطاب بھی سن لیجئے :

زاھدا دل میں نہ رکھ زھد ریائی کا خیال ــــ کیوں تو اے گاردی مسجد میں گدھا باندھے ھے

کوچے میں تیرے گنج خرد سب لٹا چلے ــــ کعبے میں زاھد آے تو سر کو منڈا چلے

اس سے بھی تیز سنئے :

زاھد آیا تو، گوارا نہیں رندو ھم کو ــــ اپنی اس بزم میں مکار اٹھے اور بیٹھے

دونوں کانوں کو پکڑ کر، یہ سزا ھے اس کی ــــ کہہ دو سو بار یہ عیار اٹھے اور بیٹھے

ذرا مقطع ملاحظہ ھو، کیا خوب کہا ھے :

بیٹھتے اٹھتے اسی طرح کی لکھہ اور غزل ــــ جس میں احساں نہ ھو، بے کار اٹھے اور بیٹھے

قاضی رہ گئے، وہ کیوں خالی ھاتھہ جائیں، ان کو بھی دو دو سنا دیں :

قاضی میء گلگوں کی حرمت ہے کتابوں میں ایکن بڑی دقت ہے رشوت کا پچا جانا

محتسب اور زاہد پر تو سب ہی آوازے کستے ہیں، ہاں ملا کو اب تک کسی نے نہیں لپیٹا تھا، اس پر انہوں نے ہاتھہ صاف کیا :

سفارش مری یہ ہے پیر مغاں سے کوئی ساغر مل تو ملّا کو بخشو

شوخی | شوخی کی مثالیں ان کے ہاں بہت ہیں ۔ چار پانچ لکھے دیتا ہوں :

چھیڑ تو دیکھو، سناکر مجھہ کو، غیروں سے کہا آج عاشق ہم کو صدقے کے لئے درکار ہیں

کہتے ہو کیا رقیب کو بھیجوں بتا صلاح لعنت ہی بھیجئے گا یزید لعین کو

بعد مردن دیکھکر مجھکو، جھجک کر یوں کہا میں یہ ڈرتا ہوں مبادا اب بھی عیاری کرے

مجھکو مسجد سے نکالا تو بس اب لے یہ ثواب زاہدا تو ہی بتا خانہ خمار مجھے

اور یہ قطعہ بھی ملاحظہ فرمائیے، نیا رنگ ہے:

شعر یہ کندہ تھا اس شیریں بیاں کی قبر پر (ق) خوب روئے دیکھکر فرہاد کی تربت کو ہم

اہ واہ اے بادشاہ عشق تیری منصفی راحت اوروں کے لئے خدمت کو ہم محنت کو ہم

اس کے مقابلے میں یہ شعر دیکھئے، کیا رکیک مضمون ہے :

جب زرہ تن پر سجی ہاتوں میں دستانے لگے دیکھکر یاروں کی سج غیروں کو دہشت آنے لگے

دیکھہ کر چاک جیب عاشق کو یہ لگے کہنے وہ بہ عیاری

ان دنوں خیر سے ہے پھر 'احسان' جیب کتروں کی گرم بازاری

ایک قطعہ لکھتا ہوں، ذرا سمجھنا مشکل ہے، ایک کہانی کی طرف اشارہ ہے ۔ پہلے قطعہ لکھتا ہوں، بعد میں قصہ بیان کروں گا ۔

سن کے وصف اس کی چشم کا نرگس رشک سے بولی: میں نہ کوئی تھی

پھر لگی کہنے چشم باغ ہوں میں ختم مجھ پر ہے جونکوئی تھی
ہے بجنسہ مثل یہ نرگس کی سب تو بوئے تھے میں نہ بوئی تھی

بچوں کی کہانی تھی، مثل ہوگئی - کہانی یہ ہے کہ ایک تھے میاں توتلے، ان کی بیوی بھی توتلی اور بیٹا بھی توتلا - شادی جو ہوئی تو خیر سے بہو بھی توتلی آئیں - سسرال جاتے وقت ماں نے بیٹی سے کہا: دیکھو سسرال میں زیادہ نہ بولیو، نہیں تو تیری توتلی زبان پر ہنسی اُڑے گی - تھوڑے دنوں تو یہ منہ سے نہ بولیں - ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ شام کو سسرے آے، کیا دیکھتے ہیں کہ گھر میں اندھیرا گھپ ہے - کہنے لگے "ڈیوا ڈوں نہیں ڈلایا" - (دیوا کیوں نہیں جلایا) بیوی نے جواب دیا "ڈوھا بتی لے ڈیا" (چوھا بتی لے گیا) بیٹے صاحب بولے: ڈل بڈی ڈو لے ڈیا تھا (کل بڑی تو لے گیا تھا) بیٹا اتنی باتیں سن کر بہو سے کہاں رہا جاتا تھا، یہ سوچ کر کہ اچھا ہوا میں نے کچھ نہیں کہا نہیں تو میرا بھی توتلا پن کھل جاتا، کہنے لگیں "سب بوڈے میں نہ بوڈی" (سب بولے میں نہ بولی) معلوم ہوتا ہے بڑے میاں نے بچوں کو یہ کہانی کہتے سنا تھا، مضمون دھیان میں آگیا، قطعہ لکھ مارا - یہ مثل اس وقت بولی جاتی ہے جب کسی کی بے تکی باتوں کا مذاق اُڑانا ہوتا ہے —

ہجویں

احسان کے ہاں ہجویں جس مزے کی ہیں، سودا کے سوا شاید ہی کسی کے ہاں ہوں گی - بعض تو ایسی ہیں کہ ذرا تہذیب سے گرگئی ہیں، مگر بعض میں صرف چٹکیاں لے کر چھوڑ دیا ہے - جی میں تو آتا ہے کہ سب لکھدوں مگر بھائی قانون سے ڈر لگتا ہے، کہیں مقدمہ قائم نہ ہوجاے - خیر کچھ نہ کچھ تو ضرور لکھوں گا - ہاں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑے گا - نواب ظفرالدولہ کا قطعہ کہیں اوپر لکھ آیا ہوں، کیا نازک چوٹ کی ہے:

بسان آئینہ، آئین اپنا رکھتا ہوں میں صاف گو ہوں، نہیں آتی مجھکو مکاری
تو گل ہے گلشن دربار بادشاہی کا ولے چو غنچہ زباں در تہ زباں داری

ایک حکیم صاحب کے متعلق فرماتے ہیں :

ہیں ایک حکیم جی بشکل طاعون ہے رقص تقیہ ، بغل ان کا قانون
پڑھتے ہیں نفیسی اور خرد ہیں وہ کثیف نسخے ہیں عجیب اور تحفہ معجون

کوئی صاحب بندو نامی تھے ، تخلص قلق تھا اور قلندر شاہ کے بیٹے تھے ، خبر نہیں میاں احسان سے کیا گستاخی کر بیٹھے ، جو انھوں نے ایسی لمبی چوڑی ہجو لکھ ماری ہے :

فکر میرا ہے آسماں پرواز لا مکاں سیر ولا مکاں پرواز
مجھ سے اُڑ کر عدو کہاں جائے جس جگہ جائے جوتیاں کھائے
شہرہ اپنا عدو کو ہے منظور چل قلم نام اس کا کر مشہور
آپ جنجال میں پڑا وہ پلید ریسمانے برائے خود تا بید
ہجو میری زباں پہ آنے لگی روح سودا کی تھر تھرانے لگی
قلق ابن قلندر فامی ایک بوگر ہے ، ایک گدا می
ایک مچھندر ہے شہر کے اندر ہے قلندر کے گھر میں وہ بندر
نام بندو ہے اسم زن بندی وہ تو خندہ ہے اور یہ خندی
میر خاں کا ہے شہر میں بازار جوتیاں گانٹھتا ہے وہاں بہ چمار

(اس کے بعد کا شعر نہیں لکھتا)

قطعہ

حکم انگریز ہے کہ سگ ہیں پلید ایک رہوے نہ مثل نسل یزید
کنجروں کو عجب دیا بُتّا شہر میں وہ گیا ہے یہ کُتّا
کیا قلم ہاتھ سے اپنے ڈالوں تیرے استاد کو بھی لے ڈالوں
ہجو کیا کہہ کے میں اسے دوں کل پاپگل ہے وہ آپ ہی پاگل
عیب پوشی تہائے مردا نست خشم خوردن غذائے مردانست

نہ پسند آے اس کوگر سری بات — خر چہ داند بہاے قند و نبات
قدر سے میری کب عدو کو خبر — قدر عیسے کجا بداند خر

میں دعا دوں اسے بصدق و یقین — میری خاطر سے سب کہو آمین
رھوے یارب قلق میں وہ ابلیس — جب تلک ھیں قلق کے دوسو تیس

آپ نے دیکھا ' اردو ' فارسی ' انگریزی سب زبانوں میں گالیاں دی ھیں - پرانے زمانے کے بڈھوں کے منہ پر انگریزی کے یہ دو الفاظ ' بوگر ' اور ' ڈیڈامی ' بہت چڑھے ھوے تھے ' ڈیڈامی کی دوسری شکل ان کے ھاں ' ڈیڈدا میر ' بھی تھی - مجھے اس کے ظاھر کرنے کی تو ضرورت نہیں کہ بوگر بگر کی اور ڈیڈامی گو ' ڈیم ' یو " کی بگڑی ھوئی صورت ھے' اس بات کی تو آپ بھی داد دینگے کہ دعا ایسی خوبصورتی سے دی ھے کہ تعریف نہیں ھو سکتی —

دھلی کی دیوانی کی کچہری میں کوئی صاحب محمد بیگ صیغۂ لا وارثی کے حاکم تھے ' ان کی ھجو کرتے ھیں :

کسی نے پوچھا یہہ شیطاں سے ھاں اے لعیں سچ کہہ
جو تو مر جاے شاید ' کون ھے تیرا بتا وارث
لگا کہنے کچہری میں دیوانی کے ھے دائی میں
مرا سالا مرا وارث ' محمد بیگ لا وارث

مجھے ان کے ھاں اگر کوئی ھجو پسند آئی تو وہ الٰہی بخش خاں 'معروف' کی ھے دونوں میں بڑا دوستانہ تھا ' یہاں تک کہ جب بعض شعرا کی بیہودگیوں سے 'معروف' نے شعر کہنا چھوڑ دیا تو اس پر 'احسان' نے نواب صاحب کو ایک قطعہ لکھ کر بھیجا - پہلے وہ لکھتا ھوں ' کسی قدر فحش ھے' مگر اس سے 'احسان' کی شاعری کا یہ رخ بھی ظاھر ھو جاے گا ' اس کے بعد وہ ھجو لکھوں گا -

صبا تو کہیو آھنگ خدمت ' معروف' — یہ اس سے کہیو کہ اے عندلیب خوش آھنگ

تورنج شورش زا غاں سے اس گلستاں میں	نہ کیجو ترک ترنم کا ایک شب آہنگ
وہ شہسوار ہے تو عرصۂ فصاحت کا	مقر ہیں اہل صفاہان و روم و ہند و فرنگ
عنان اشہب معنی ہے تیرے کف میں سدا	صدائے سگ سے نہو نا تو زینہار بتنگ
هر آنکه خاطر تو بے سبب برنجاند	زقعر هفت زمین تااوج هفت اورنگ
ز ترک تاز در خانۂ تناسل او	شکستہ باد بگوپال قاضی کیرنگ

قاضی کیرنگ کا حال معلوم کرنا ہے تو 'انوری' کی ہجویں دیکھئے - ہاں ' تو اب وہ ہجو ملاحظہ ہو - ہجو نہیں ہے ' چٹکی لی ہے اور ایسی چٹکی لی ہے کہ نواب الہی بخش خاں کو بھی مزا آگیا ہوگا - ایسی خوبصورت ہجو شاید ہی آپکی نظر سے گزری ہو ' شاعر نے پہلے ساری برائیاں اپنے اوپر لیں اور پھر سب کی سب نواب الہی بخش خاں ' معروف ' پر الٹ دیں - شاید یہ تو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں کہ معروف ریاست چھوڑ فقیر ہو گئے تھے ' قطعے کے آخری شعر میں اسی طرف اشارہ ہے :

تلون ' زود رنجی ' بد مزاجی	یہ خوتیری مجھے احساں نہ بھائی
نہ ہو تو بحر الفت کا شناور	جو تیرا تو تو تو ہی سب خدائی
جہاں میں وہ ہوا ہے تو بھی معروف	جہاں جائیگا ' با این بیوفائی
کہیگی خلق یہ دیکھو وہ آیا	الہی بخش خانصاحب کا بھائی
الہی بخشیو مجھکو کہ غیبت	زباں پر میری نادانی سے آئی
الہی بخش خاں سے کسکو نسبت	نثار فقر چتر بادشاہی

ہم مضمون اشعار — حضرت امیر خسرو (رح) کے اس شعر سے خدا معلوم کتنے شاعروں نے مضمون لیا ہے ' مگر بڑھنا تو کیا کوئی برابر بھی نہ پہنچ سکا :

ناخدائے کشتی ما گر نباشد گو مباش	ما خدا داریم و ما را ناخدا درکار نیست

انھوں نے تو یہ کہا کہ اگر ناخدا نہ آئے تو بلا سے نہ آئے، ہمیں اس کی ضرورت ہی نہیں، خدا ہمارا ناخدا ہے۔ احسان نے اس پر ایک اور اضافہ کیا، ان کی کشتی میں ناخدا ہے، وہ خدا کے بھروسے پر اس کو نکال رہے ہیں۔ کہتے ہیں:

خدا خود ہے مری کشتی کا حافظ   خدا کے واسطے اے ناخدا جا

شاہ مبارک 'آبرو' کا ایک شعر ہے:

جہاں اس خو کی گرمی تھی، نہ تھی وہاں آگ کو عزت
مقابل اس کے ہوجاتی، تو آتش لکڑیاں کھاتی

'آزاد' مرحوم نے اس شعر کا مقابلہ حافظ عبدالرحمٰن خاں 'احسان' کے ایک شعر سے کرکے 'احسان' کی بہت تعریف کی ہے، وہ شعر یہ ہے:

دخت رز سے کہا میخانے میں شب رندوں نے   آج تو خوب ہی ختکے تری سوکن کو لگے

یہاں تک تو ٹھیک تھا، مگر 'احسان' کے شعر کے جو معنی کئے ہیں وہ ذرا قابل غور ہیں۔ فرماتے ہیں: "بھنگر خانے میں بھنگروں نے خوب سبزیاں گھونٹیں اور طرے اڑائے۔ تم بھی یاروں پر نظر عنایت کرو"۔ میری راے میں اس شعر کے یہ معنی ہیں کہ رندوں نے دخت رز کو یہ خوش خبری آکر سنائی کہ تیری سوکن یعنی بھنگ کی آج بڑی ٹھکائی ہوئی۔ (ختکے لگنے کے معنی لکڑی سے پٹنے کے ہیں اور بھنگ بھی چونکہ سونٹے سے گھونٹی جاتی ہے، اس لئے اس کو ختکے لگنے سے تعبیر کیا ہے)۔ یہ خبر سنا کر رند منہ سے تو کچھ نہیں کہتے مگر انہیں یقین ہے کہ سوکن کے پٹنے کی خبر سن کر دخت رز ضرور خوش ہوگی اور ان کو شاد کام کریگی —

خیر یہ تو میں نے 'احسان' کا وہ شعر نقل کردیا جو 'آزاد' مرحوم نے آبحیات میں لکھا تھا، مگر دیوان میں یہ شعر قطعہ بند ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آزاد نے محض اپنی یاد پر اس کو کچھ الٹ پلٹ کر لکھ دیا ہے۔ اصل میں قطعہ یوں ہے:

دخت رز کہتی ہے، سبزی مجھے لگتی ہے زہر   ہائے تم چاہنے اس سوت کو بیرن کو لگے
ساقیا اس کی تسلی ہے بہرکیف، یہ کہہ   پس گئی، ایسے ہیں ختکے تری سوکن کو لگے

اس غزل میں ایک شعر کیا اچھا ہے، بے موقع سہی مگر سن لیجئے :

تیری دولت سے ہے جو روگ لگا دل کو مرے   ارے دشمن، کیسی دشمن کے نہ دیشمن کو لگے

" خدا کے گھر سے پھرنے" کے محاورے کو 'احسان' اور ذوق دونوں نے باندھا ہے اور خوب باندھا ہے —

ذوق :   گر اب کے پھرے جیتے وہ کعبے کے سفر سے
تو جانو پھرے شیخ جی اللہ کے گھر سے

احسان :   جو کوئی جان بچا کر تمہارے در سے پھرا
یہ جانتا ہوں مرے جاں خدا کے گھر سے پھرا

ذوق کے ہاں کعبے کے لفظ نے شعر میں جان ڈال دی ہے ۔ کیونکہ وہ تو خدا کا گھر ہے ہی ۔ مگر احسان نے یہ کمال کیا ہے کہ در یار کو خدا کا گھر بنا دیا ہے اور اس سے شعر کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے —

اسی طرح ذوق کا ایک شعر ہے :

مرے حسن عمل سے معصیت بھی عار کرتی ہے   مری توبہ سے توبہ، توبہ استغفار کرتی ہے

اس مضمون کے 'احسان' کے ہاں کئی شعر ہیں ۔ ایک شعر تو ایسا ہے کہ لا جواب ہے :

توبہ اس توبہ سے اکدم نہ نبھا ہی توبہ   میری توبہ ہے وہ توبہ کہ الہی توبہ

کیا مری توبہ ہے توبہ کیجئے اس توبہ سے
توبہ بھی توبہ سے موری پڑھتی استغفار ہے
مے سے میں توبہ کروں استغفر اللہ سب غلط
قام توبہ سے سدا ہم پڑھتے استغفار ہیں

کیا تعجب ہے کہ اکبر الہ آبادی نے اپنا یہ مضمون کہ :—

" دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے "

حضرت احسان سے لیا ہو ' ان کا شعر ہے :

تھپ پہ اس بدکیش کو لایا ہوں تھا پر کیا کروں
در گیا طرز مسلمانی وہ کافر دیکھ کر

اکبر کا ایک بڑا مشہور شعر ہے :

ڈاڑھی موچھوں کا سب صفایا ہے
فارغ البال ان کو کہتے ہیں

انہی معنوں میں فارغ البال کا لفظ 'احسان' نے بھی استعمال کیا ہے:

خواب میں بھی دل خیال زلف سے خالی نہیں

جب سے دیکھے بال تیرے فارغ البالی نہیں

احسان اور غالب کا ایک ہی زمانہ تھا۔ اس لئے کہیں کہیں احسان اور غالب کا رنگ مل گیا ہے۔ اس شعر میں احسان کی جگہ غالب رکھ دو' دیکھوں تو کون پہچان سکتا ہے' غالب کا رنگ ہی نہیں ' غالب کے الفاظ ہیں اور غالب ہی کا طرز ادا ـ

نام عنقا سے مجھے ننگ ہے آتا احسان
شہرۂ نام کو کیوں اہل فنا نے چاہا

بعض جگہ ذوق کا رنگ ایسا آگیا ہے کہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے ' مجھے تو ان شعروں پر شبہ ہوا تھا کہ ذوق کے ہیں۔تمام دیوان ڈھونڈ مارا ' جب اس میں نہ ملے اس وقت کہیں جاکر اطمینان ہوا کہ احسان ہی کے ہونگے :

شب عجب تھی تاب جگنی کی کہ جسکے سامنے
ماہ عالم تاب بھی ایک کرمک شب تاب تھا

میں جو سے پینے پہ آؤں تو سبو پی جاؤں
گر عسس منع کرے اسکا لہو پی جاؤں

کہئے کیا کیوں طفل اشک اپنے گلے کا ہار ہیں
اس زمانے کے تو کچھ لڑکے ہی ناہموار ہیں

اس شعر کو دیکھئے' انشا کا کلام معلوم ہوتا ہے' وہی شوخی ہے وہی چہل اور وہی الفاظ :

گھر سے کسطرح سے یوں حضرت منعم نکلیں دی نہ بو بو نے اجازت نہ ددا نے چاہا
مومن کا رنگ دیکھو :

گرد دل، احسان، غم، معشوق وسے صد آفریں پیرومرشد واہ یہ بدعت خدا کے گھر کے پاس

کیا احسان کے اس شعر کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ میر کا نہیں ہے :

غم ساتھ ہوا گلی سے تیری اک آئے تھے اور دو گئے ہم

ہمطرح غزلیں

احسان نے اتنی بڑی عمر پائی کہ میر سے لگا کر ذوق تک کا زمانہ ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزر گیا ۔ ان سے کوئی مشاعرہ نہیں چھوٹتا تھا ۔ ممکن نہیں کہ طرح کی غزلیں نہ کہی ہوں، مگر ان کا دیوان دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ میر، جرات، انشا، مصحفی، نصیر، غالب، مومن، اور ذوق کی غزلوں پر ان کی صرف ایک ایک دو دو غزلیں ہیں، بلکہ دیوان دیکھنے سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ انھوں نے جان کر پہلو بچایا ہے، کہیں ردیف بدلدی ہے، کہیں قافیہ بدل دیا ہے، ذوق اور یہ تو ایک دوسرے کے مدمقابل تھے، یقین ہے کہ دونوں نے اس کا التزام رکھا ہو کہ ایک ہی طرح میں دونوں کی غزلیں نہ ہوں اور اگر ہوں بھی تو ایک کا قافیہ دوسرے کے ہاں حتی المقدور نہ آئے تاکہ مقابلے سے کسی کی استادی پر حرف نہ آ سکے —

ذوق کی ایک غزل ہے :

ہے جی میں اپنے غرۂ جوہر کو توڑ دوں آئینۂ خیال مکدر کو توڑ دوں

اس کے کل ۱۲ شعر ہیں '' احسان'' نے اسی زمین میں ۳۴ شعروں کا دو غزلہ لکھا ہے۔ مقابلتاً صرف وہ اشعار لکھ دیتا ہوں جن کے قافیے ایک ہیں۔ آگے چل کر صرف ایک غزل میں ان دونوں استادوں کے اشعار کے متعلق اپنی رائے ظاہر کروں گا، بقیہ کے بارے میں آپ خود فیصلہ کر لیجئے :

ذوق : دنیا سے میں اگر دل مضطر کو توڑ دوں
سارے خیال وہم مکدر کو توڑ دوں

احسان: کیوں تار گریۂ دل مضطر کو توڑ دوں
گوہر کو توڑوں رشتۂ گوہر کو توڑ دوں

ذوق: میں کاٹ دوں پہاڑ کو پتھر کو توڑ دوں
پر کیوں کہ غیر سے بت کافر کو توڑ دوں
احسان: وہ آگ اور وہ آب ہوں، پتھر کو توڑ دوں
پر بس نہیں کہ میں دل کافر کو توڑ دوں

ذوق: نازک کلامیاں مری توڑیں عدو کا دل
میں وہ بلا ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں
احسان: دل میں ہے اب کے ایسی غزل گرم میں کہوں
پتھر کا دل جو اس کا ہو پتھر کو توڑ دوں

ذوق کا یہ شعر بیت‌الغزل ہے:

احسان ناخدا کا اُٹھائے مری بلا کشتی خدا پہ چھوڑدوں، لنگرکوتوڑدوں

اور احسان کا یہ قطعہ بہت مزے کا ہے۔

گر ذکر بحر رحمت حق حشر میں کروں کوہ گناہ ہر صف محشر کو توڑ دوں
از بہر تشنگان قیامت بھر طرت تسنیم و سلسبیل کو، کوثر کو، توڑ دوں

یہ شعر بھی اچھا ہے:

مسجد میں یاد آئے جو نام خدا وہ بت سر پٹکوں اس طرح سے کہ منبر کوتوڑدوں

ذوق کی ایک اور سات شعر کی غزل ہے:

ہر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے یہ نصیب اللہ‌اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اس زمین میں احسان کی ۲۴ شعروں کی دو غزلیں ہیں۔ ذوق کے مطلع بالا کا جواب ہوا ہے:

محتسب بھی پی کے مے لوٹے ہے میخانے میں آج
ہاتھ لا پیر مغاں یہ لوٹنے کی جاے ہے

ذوق: رخصت اے زنداں، جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے
مژدہ خار دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے

احسان: عشق کی دولت سے جب غش سا مجھے آجائے ہے
آپ وہ روئے ہے اور تلوا مرا کھجلائے ہے

ذوق کا بہترین شعر اس کا مقطع ہے:

نزع میں بھی ذوق کو تیرا ہی بس ہے انتظار
جانب در دیکھ لے ہے جب کہ ہوش آجائے ہے

احسان کا سب سے اچھا شعر یہ ہے، ذرا دیکھئیگا، نیا مضمون ہے:

گرمیء الفت سے آنسو چشم تر برسائے ہے   پہلے گرمائے ہے پیچھے جس طرح مینہ آئے ہے

مہاراجہ چندو لعل مدارالمہام حیدر آباد دکن نے اُستاد ذوق کے پاس اپنے ہاں کے مشاعرے کی طرح بھیجی تھی، انہوں نے دو غزلہ کہہ کر روانہ کیا۔ احسان کا بھی اس زمین میں دو غزلہ ہے:

ذوق: کل گئے تھے تم جسے بیمار ہجراں چھوڑ کر
چل بسا وہ آج سب ہستی کا ساماں چھوڑ کر

احسان: قیس مت جا، بند و غل، زنجیر و زنداں چھوڑ کر
کس طرح جاتا ہے دیوانے یہ ساماں چھوڑ کر

ذوق: کام یہ تیرا ہی تھا، رحمت ہے اے ابر کرم
ورنہ جائے داغ عصیاں میرا داماں چھوڑ کر

احسان: دامن صحرا و جیب کوہ کو کر چاک چاک
اے دل دیوانہ اپنے جیب و داماں چھوڑ کر

ذوق: دیکھئے کیا ہو کہ ہے اب جان کے پیچھے پڑی
دل کو اے کافر تری زلف پریشاں چھوڑ کر

احسان: درہم و برہم ہوئی جمعیت خاطر تمام
کون آیا منہ پہ شب زلف پریشاں چھوڑ کر

ذوق: میں وہ ہوں گم نام - جب دفتر میں نام آیا مرا
رہ گیا بس منشی قدرت جگہ وہاں چھوڑ کر

احسان: دشت میں مجنوں کو چھوڑا کوہ کن کو کوہ میں
ذائب اپنے ہم چاہے یہاں چھوڑ کر وہاں چھوڑ کر

ذوق: سایۂ سرو چمن تجھ بن ڈراتا ہے مجھے
سانپ سا پانی میں اے سرو خراماں چھوڑ کر

احسان: سرو سے قمری پھرے ہے بگڑی بگڑی باغ میں
کیا شگوفہ تو گیا سرو خراماں چھوڑ کر

ذوق: اہل جوہر کو وطن میں رہنے دیتا گر فلک
لعل کیوں اس رنگ سے آتا بدخشاں چھوڑ کر

احسان: لعل لب پر غش ہوں گو دست حنائی بڑی ہیں خوب
کون لے مرجان کو لعل بدخشاں چھوڑ کر

ذوق: وصل میں گر مجھ کو ہووے رویت ماہ رجب
روے جاناں ھی کو دیکھوں میں تو قرآں چھوڑ کر

احسان: اس فرنگی زادے کا منھ تکتے گزرے ھے انھیں
اب لگے انجیل پڑھنے یار قرآں چھوڑ کر

احسان نے کئی جگہ اور بھی روے یار کو بجاے قرآن کے انجیل سے تشبیہ دی ھے - ذرا اس مضمون کو دیکھئے کیا عجیب و غریب ھے:

نہیں اب یہ تیرے خط اے یار جانی مسیحا ھے مصروف انجیل خوانی

ذوق کی ایک اور مشہور غزل ھے:

مے پلاکر ساقیان سامری فن آب میں کرتے ھیں جادو سے اپنے آگ روشن آب میں

اس غزل کے بعد انھوں نے اکبر شاہ ثانی کی تعریف میں ۳۰-۳۲ شعر کا ایک قصیدہ بھی اسی زمین میں کہا ھے —

احسان کے صرف دو شعر اس زمین میں مجھے ملے ھیں' لیکن ان دونوں شعروں میں جو قافیے ھیں' وہ ذوق کے ھاں نہیں ھیں - ایک قافیہ تو ایسا عجیب و غریب ھے کہ کسی شاعر کے ھاں نہ یہ قافیہ ھوگا اور نہ یہ مضمون —

عکس پرویں دیکھ کر بولا وہ پر فن' آب میں
کس نے پھینکی موتیوں کی میری سمرن آب میں

جوسیہ رو ے ازل ھیں وہ سپید اصلا نہ ھوں
آ اگر ھے شبہ کچھ' دھو دیکھ جامن آب میں

اب تک یہ مضمون "کہ زنگی بشستن نگردد سپید" سے ادا کیا جاتا تھا - انھوں نے خاص ھندوستانی رنگ میں اس کو باندھا ھے - یہی چیزیں ھیں جن سے زبان میں وسعت پیدا ھوتی ھے - "جامن" کا قافیہ کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں اسکتا اور آ بھی جاے تو اس کا باندھنا دشوار ھے —

احسان اور ذوق کے بعض شعر تو ایسے ھیں کہ ایک ھی قلم سے نکلے ھوے

معلوم ہوتے ہیں - بھلا ایسے اُستادوں کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ ایک نے دوسرے کی نقل کی ہے —

حسان: پلاؤں میں تجھے، گو کاٹے ہاتھ تو میرا
جو اب کے تو نہ پئے مے پئے لہو میرا

ذوق: کہے ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا
کبھی جو مجھ سے کرے تو پئے لہو میرا

احسان: دوست کیا کیا مر گئے اہل کہاں افسوس ہے
پر جو تھے اہل کہاں ان کا کہاں افسوس ہے

ذوق: یوں پھر یں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

احسان: میل کباب دل اسے دل کی تلاش ہے
اس کی معاش دیکھ بڑا بد معاش ہے

ذوق: دل کی معاش غم، اسے غم کی تلاش ہے
ڈرتا ہوں دل سے میں کہ بڑا بدمعاش ہے

ذوق کی ایک غزل ہے:

کب وہ گزرتے ہیں سرلات و گذات سے   جن کی کہ آشنا ہے زباں لام و کاف سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشاعرے کی غزل ہے - کیونکہ احسان کی بھی ایک بڑی لمبی چوڑی غزل اسی زمین میں ہے - مگر یہاں بھی دونوں شاعروں نے کوشش کی کی ہے کہ ایک کا قافیہ دوسرے کے ہاں نہ آئے - میں صرف وہ شعر نقل کرتا ہوں جو ہم قافیہ ہیں —

کب وہ گزرتے ہیں سرلات و گذات سے
جن کی کہ آشنا ہے زباں لام و کاف سے

احسان : دشنام اور دے تو مجھے انحراف سے
عاشق کو لک وصول ھیں اک لا م و کاف سے

بھلا میں کیا اور میری رائے کیا - پھر بھی میں یہ ضرور کہوں گا کہ شاعری کے لحاظ سے ذوق کا شعر کمزور ہے - لام و کاف ' لعنت کر نے اور کافر کہنے ' کے سر حرف ھیں اور اس کے معنی ' گالی گلوچ کر نا ' لئے جا تے ھیں - لاف و گذاف کے معنی ' تعلی اور بیہودہ سرا ئی' کے ھیں-ذوق نے لام و کاف کولاف و گذاف کا سر حرف قرار دیا ہے - یہاں تک تو بالکل ٹھیک ھے اور واقعی ایک اچھی بات نکالی ہے - اب شعر کے یہ معنی ھوے کہ جن کی زبان پر گالی گلوچ چڑھی ھو تی ھے وہ اگر شیخی مار یں تو کیا تعجب ھے - اس میں دو کمزور یاں ھیں - ایک تو یہ کہ صفت نے بجائے ترقی کے تنزل کیا ھے - بس یہی صورت ھو ئی جیسے کہیں کہ وہ رستم ھے چو ھا بھی مار سکتا ھے - دوسرے یہ کہ وجہ سے جو نتیجہ نکالا ھے وہ لازمی نتیجہ نہیں ھے- یہ کیا ضرور ھے کہ جو شخص گالیاں بکتاھو وہ شیخی خورا بھی ھو-

اب اس کے مقابلے میں احسان کا شعر دیکھئے - اس نے بھی لام و کاف کے دوسرے معنی لئے ھیں اور لاکھہ روپے کی بات نکالی ھے - کہتا ھے : تو بگڑ بگڑ کر مجھے گالیاں دئے جا ' تیرا ھر لام و کاف مجھے لاکھہ روپے کے برا بر ھے- مگر لک کا لفظ ذرا کھٹکتا ھے - مجھے تو دونوں شعروں میں سے ایک بھی پسند نہیں -

ذوق : اول ھی سے بشر کو ھے رغبت خلاف سے
لیتا تھا کام منھا کا شکم میں یہ ناف سے

احسان : عنبر خجل ھے زلف سے پر ھے نئی یہ بات
شرمندہ مشک نا فہ ھوا بوے ناف سے

ایک کا حکیمانہ شعر ھے' دوسرے کا عاشقانہ - ایک منطقی وجہ قائم کر کے انسان کی فطرت بیان کر تا ھے ' دوسرا صرف واقعہ بیان کر تا ھے - ایک پیٹ کی

بات کہتا ہے۔ دوسرا آنکھ دیکھی (آنکھ دیکھی نہیں، ناک سونگھی) بات کہتا ہے —

ذوق : چل میکدے میں شیخ بسر کر مہ صیام
مسجد میں تنگ بیٹھا ہے کیوں اعتکاف سے

احسان : ماہ صیام میں تجھے ہر روز عید ہے
احساں عجب ہے کل، نہ نکل اعتکاف سے

احسان کے ہاں 'کل' کے معنی آرام کے ہیں۔ دونوں شعر معمولی ہیں، پھر بھی ذوق کا شعر بہتر ہے —

ذوق : نالوں نے دی چڑھا جو تپ لرزہ مہر کو
کھولی نہ آنکھ ابر سیہ کے لحاف سے

احسان : سوتے میں کس کا روئے منور ہے کھل گیا
یہ منہ نہیں ہے، چاند ہے نکلا لحاف سے

دونوں شعر بھرتی کے ہیں۔

ذوق : ہو جوہر کمال پہ ننگا جو خاکسار
ایک تیغ ہے کہ ننگ ہے اس کو غلاف سے

اسی قافیے میں ذوق کا دوسرا شعر ہے :

جوں تیغ خوش غلاف نگہ تیری اے پری
ہے دمبدم نکل کے چمکتی غلاف سے

احسان : اس بانکپن پہ میں ہوں تصدق کہ اے میاں
شمشیر نکلی پڑتی ہے ہر دم غلاف سے

ذوق کا پہلا شعر غضب کا شعر ہے، کیا بلحاظ شوکت الفاظ اور کیا بلحاظ مضمون اس شعر کا جواب ہونا مشکل ہے۔ احسان کے ہاں رعایت لفظی نے کمزوری پیدا کردی ہے۔ دوسرا مصرعہ واقعی لاجواب ہے، مگر پہلے مصرعہ کی اول تو بندش

کمزور ہے، دوسرے "میاں" کے لفظ نے اس کو اور بھی گیا گزرا کردیا -

ذوق : گردش ہے اس کی چشم کی کیوں میرے دل کے گرد
کافر کو کام کعبے کے ہے کیا طواف سے

اس قافیے میں ان کا دوسرا شعر ہے

طوف سیاہ خیمۂ لیلی ہوا نصیب
مجنوں، سمجھیو کعبے کے بہتر طواف سے

احسان : آؤں گا میں بھی کعبے کو، تم جاؤ شیخ جی
فرصت اگر ہوئی مجھے دل کے طواف سے

احسان کا شعر یقیناً ذوق کے دونوں شعروں سے بڑھا ہوا ہے اور طرز ادا ایسا بانکا ہے کہ سبحان اللہ -

ذوق : اڑتے ہیں گہ نصیب سے گاہے فلک سے ہم
فرقت کی رات کم نہیں روز مصاف سے

احسان : بے فائدہ نہ تیغ و سپر کو سنبھالئے
انصاف کیجے فائدہ کیا ہے مصاف سے (ق)
ہے صاف صاف یہ کہ نہ لوں بوسے کس طرح
یہ گورے گورے گال ہیں کیا صاف صاف سے

ذوق : گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق جہاں
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

احسان : دل میرا زلف کو ہی دے، اے خال مت جھگڑ
سو سو بلائیں اٹھتی ہیں ایک اختلاف سے

ذوق ایک شعر میں وہ فلسفہ بیان کرگیا ہے جو ایک کتاب میں آنا مشکل ہے -

ایسے ہی شعروں نے آخر اس کو ملک الشعراء بنادیا تھا —

شاہ نصیر کی بھی دو چار غزلوں پر احسان کی غزلیں ہیں۔ ایک مشاعرے میں طرح کا مصرعہ تھا: ۔" خدا جانے کیا اس کا انجام ہوگا" دونوں نے اس کی تضمین کی ہے —

نصیر : نہ سمجھو کہ آغاز خط عارضی ہے
خدا جانے کیا اس کا انجام ہوگا

احسان : سنو! جب کہ آغاز الفت ہے یہ کچھ
خدا جانے کیا اس کا انجام ہوگا

شاہ نصیر اور احسان کی ایک طرحی غزل کے ہم قافیہ اشعار بالمقابل لکھتا ہوں، اس سے ان دونوں استادوں کے کلام کا اندازہ ہو جائیگا۔ بعض جگہ تو یہ حالت ہوئی ہے کہ مضمون تو مضمون الفاظ بھی مل گئے ہیں —

نصیر : میں ہی تھا جو کہ دل کو رہا تھام اب تلک
غم کر چکا تھا ورنہ مرا کام اب تلک

احسان : نکلا نہ اس کے لب سے مرا کام اب تلک
اللہ وہ صنم نہ ہوا رام اب تلک

نصیر : ہمچشمی اس کی چشم سے جو کی تھی اسلئے
ہم پھوڑتے ہیں دیدۂ بادام اب تلک

احسان : وتبہ وہ تیرے چشم کے کشتے کا ہے کہ خلق
لاتی ہے اس کی قبر پہ بادام اب تلک

نصیر : ہے یاد اس کی دل میں ہمارے کہ جسنے آہ
بھولے سے بھی لیا نہ کبھی نام اب تلک

احسان — احساں میں جسکے نام پہ دیتا ہوں اپنی جاں
وہ جانتا نہیں ہے مرا نام اب تلک

نصیر : یاں چھت سے آنکھیں لگ گئیں اور واں وہ ماہرو
آیا نہ حیف تا بہ لب بام اب تلک

احسان : گزرا تھا رشک ماہ کہیں ایک شب وہاں
اک روشنی سی ہے بلب بام اب تلک

نصیر : مر کر بھی ہم نے اس دل مضطر کے ہاتھہ سے
پایا نہ زیر خاک کچھہ آرام اب تلک

احسان : گو مر چکا ہوں، پر دل مضطر کے ہاتھہ سے
میرے نصیب میں نہیں آرام اب تلک

نصیر : کھا کھا کے داغ سرو چراغاں میں بن گیا
ہر گز ملا نہ، پر، وہ گل اندام اب تلک

احسان : ہوتی تھی جن کو بستر گل پر بھی بیکلی
ہیں خاک میں پڑے وہ گل اندام اب تلک

نصیر : ظاہر میں اس کے گو ہے رکاوٹ پر اے نصیر
جاری ہے رسم نامۂ و پیغام اب تلک

احسان : پیغام بوسہ پر ہے تسلی کسے یہاں
تیرا وہ ہی ہے بوسہ بہ پیغام اب تلک

اب دونوں غزلوں کو آپ خود ملاحظہ فرما لیجئے - احسان کی غزل کسی طرح

شاہ نصیر سے دبی ہوئی نہیں ہے —

میر نظام الدین ممنون اور احسان کی اکثر غزلیں ایک ہی زمین میں ہیں، لیکن خدا معلوم کیا بات ہے کہ جو قافیہ ایک نے باندھا ہے وہ دوسرے نے چھوڑ دیا ہے - بعض میں قافیے ملتے ہیں، وہ بالمقابل لکھے دیتا ہوں :

ممنون : گماں نہ کیونکہ کروں تجھپہ دل چرا نے کا
جھکا کے آنکھہ سبب کیا ہے مسکرا نے کا

احسان ہماری جا ن پہ گر تی ہے برق غم ظا لم!
تجھے تو سہل سا ہے شغل مسکرا نے کا

ممنون واے بیکاری وحشت کہ رکھیں مشغلہ کیا
نہ تو داماں ہے ثابت نہ گریباں درست

احسان : سینہ اسطرح کھلا ، بند ہے وا ، بندہ نواز
کچھہ بھی موقع ہے ذرا کیجے گریباں درست

نمونہ کلام | جب مضمون بڑہ جاتا ہے تو لکھنے والا لکھتے لکھتے اور پڑھنے والا پڑھتے پڑھتے اُکتا جاتا ہے - ایسی صورت میں یہی بہتر ہوتا ہے کہ کسی طرح لپیٹ سمیٹ کر مضمون ختم کر دیا جاے - یہی طریقہ اب میں بھی اختیار کرتا ہوں اور 'احسان' کے کلام کے کچھہ نمونے اور بعض غزلیں لکھہ کر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ ہر شخص کی پسند جدا جدا ہوتی ہے، کیا ضرور ہے کہ جو شعر مجھے پسند ہو وہ آپکو بھی پسند آے' یہی تو وجہ ہے کہ جتنے شعرا کے تذکرے ہیں سب میں انتخاب کلام مختلف ہے ۔ ایکو کیا کروں چھا نٹنا مجھے ہی پڑیگا' آپ ہوتے تو آپ سے بھی مشورہ لے لیتا - انتخاب میں میںنے دو تین چیزوں کو پیش نظر رکھا ہے - ایک جدت مضمون ، دوسرے محاورہ اور تیسرے روانی - اگر ہر عنوان کے شعر علحدہ علحدہ کر دوں تو بعض صورتوں میں سلسلہ ٹوٹ کر مزا جاتا رہیگا - اس لئے بلا لحاظ

مضمون سب کو ایک ہی جگہ لکھ دیتا ہوں ' آپ کو ضرورت ہے تو تھوڑی سی
تکلیف گوارا کر کے ان اشعار کو بہ لحاظ مضامین خود تقسیم کر لیجئے —

رکھا ہے عشق کے دریا میں اب قدم میں نے　　معاف کیجیو یارو! کہا سنا میرا
سیری ہمارے زخم کو مطلق نہیں ہوئی　　جتنا تھا زور شور نمکداں کا ہوچکا
دریا بھی کیا ہے' گرم توے پر ہو جیسے بوند　　ہم سے علاج سینۂ سوزاں کا ہوچکا
مر جائیگا فراق میں کہتا ہے مجھکو تو　　ق　اس منہ پہ وصل اس مہ تاباں کا ہوچکا
فی الواقعہ یہ تونے کہا ایک ناصحا　　یہاں کل ہی واقعہ شب ہجراں کا ہوچکا

تجھ کو تو بھی نہ دیکھا ' دیکھا جہاں سارا　　گرچہ تجھی کو میں نے سارے جہاں میں دیکھا

کہا جو میں نے کہ اے رشک ماہ کو ر میرے　　ق　تو مہربانی سے کیوں ایک ذرا نہیں رہتا

لگا یہ کہنے کہ ہاں ہاں ہے یہ بھی اپنا شوق
نہیں ' نہیں ' نہیں رہتا ہوں ' جا نہیں رہتا

داد دیجئے گا ' کیا خوبصورت تکرار ہے —

ہماری چھاتی پہ پھرتا ہے سانپ یہاں احسان
وہاں ہے شغل اسے زلف کے بنانے کا

یہ شام ہجر آئی شامت زدہ کہاں سے　　ہو رو سیاہ ایسے ناخواندہ میہماں کا
پیک اجل ٹھہر جا ' چلتا ہوں میں بھی یعنی　　پیغام خود سنونگا یاران رفتگاں کا

کیا خوبصورت شعر ہے اور کیا لطیف مضمون ہے - سبحان اللہ —

مرگ کے پہلے ہوں نزدیک ' تری جان سے دور
مجھ پہ کیا کیا کہوں فرقت میں کہ کیا کیا نہ ہوا

کیا ہی کوچہ ہے مرنے درست کہ اللہ اللہ　　بر ہمن آن کے وہاں دشمن بتخانہ ہوا

مرا تو ناک میں دم تونے چرخ پیر کیا　　یہ تیری ناک میں آہ رسا نے تیر کیا

تو کیوں ہے گریہ کناں اے مرے دل محزوں
نہ رو نہ رو کہ نہ تجھ کو کبھی رلائے خدا
بتو! بتاؤ تو کیا تم خدا کو دوگے جواب
خدا سے بندوں پہ یہ ظلم بندہ ہائے خدا
رضا میں تیری ہوں دن رات اے صنم مصروف
اور اس پہ تو نہیں راضی نہ ہو، رضائے خدا
بتوں کے کوچے میں کہتا تھا کل یہی احسان
یہاں کسی کا نہیں ہے کوئی سوائے خدا

تیرا مریض عشق تو جی سے گذر گیا　　کل پہلا دن تھا آج میری جاں ہے دوسرا

محاورہ ہے "آج مرے کل دوسرا دن" —

میری بغل سے دل کو نکالو کسی طرح　　جراح سے یہ کہہ دو کہ پیکاں ہے دوسرا

لاجواب شعر ہے، پیکان سے دل کو تشبیہ دی ہے۔ جس نے خدا نخواستہ کبھی پیکان دیکھا ہے وہ سمجھہ سکتا ہے کہ کیسی خوبصورت تشبیہ ہے اور اس کے ساتھہ یہ دیکھئے کہ کس طرح جراح کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ دل کے نکلے بغیر درد نہ جائیگا اور جراح اس ڈر کے مارے دل نہ نکالیگا کہ دل نکالا اور یہ مرا۔ یاروں سے کہتے ہیں کہ اس کو دھوکا دیدو کہ یہ دل نہیں ہے دوسرا پیکاں ہے —

ہوا ہوں عشق سے ناچار یہاں تلک "احسان"　　جو مجھہ کو ہائے نہ کرنا تھا ناگزیر کیا

یارو! سبھی کو میرے گریباں کا فکر ہے　　ناصح کے منہ کو آنکے کوئی نہ سی گیا

مری آہ آتش فشاں دیکھتے ہی لئے گھر سے ہر ایک قرآن نکلا
کیا میںنے مجرا تو جھنجلا کے بولے کہاں کا مرا جان پہچان نکلا
مجھے شیخ الفت سے مانع ہے احسان' ولی حس کو سمجھا تھا شیطان نکلا

بجھی جو شمع تو پروانوں پر ہوا روشن کہ بعد مرگ کوئی آشنا نہیں رہتا

تم آئے ورنہ ہجر میں بچنا محال تھا ہمکو شب فراق ہی روز وصال تھا

کبھی شادی کبھی غم ہے' یہی عالم ہے عالم کا
مہ عید الضحی گزرا تو چاند آیا محرم کا

کہا میںنے مرے گھر بھی کبھو آؤگے' یہ بولے:
میں کیوں آؤں مجھے کیا واسطہ' کیا کار' کیا باعث

سبک کہینگے تجھے لوگ اٹھہ نہ بالیں سے
کہ رات اس ترے بیمار پر ہے بھاری آج
تمہارے آج کے وعدے کو میں سمجھتا ہوں
کہ تا بحشر نہ نبڑیگی یہ تمہاری آج
خاک میں مل کر تماشا مزرع دنیا کا دیکھہ
ساتھہ ہے ہر قفل کے کنجی یہاں دانے کی طرح

فائدہ؟ تم جو مجھے نزع میں یار آے نظر
ہے نہ یارائے سخن اور نہ یارائے نظر

نظر آتی ہے تری مانگ میں یوں سلک گہر
ابر میں جیسے کہ بگلوں کی قطار آے نظر

نئی تشبیہ ہے اور لا جواب ہے - میں شعر لکھے جاتا ہوں، آپ تعریف کرتے جائیے۔ اگر میں نے ہر شعر کی تعریف کرنی اور اس کی خوبیاں دکھانی شروع کیں تو یہ مضمون کبھی ختم ہی نہ ہوگا - اچھا آگے چلئے :

دیکھیو میری طرف، سچ کہیوا ے اختر شناس
کیوں فلک کو تو نے دیکھا میرے اختر دیکھکر

کیا غضب کا شعر ہے - ارادہ تھا کہ کسی شعر پر کوئی نوٹ نہ دونگا، لیکن کیا کروں، اس شعر کی تعریف کئے بغیر بھی تو نہیں رہا جاتا - شعر کیا ہے خو تو ہے - معشوق کے ہاتھوں پریشان ہو کر فال کھلوانے جاتے ہیں کہ قسمت میں وصل لکھا بھی ہے یا نہیں - نجومی ہاتھ دیکھتا ہے، زائچہ کھینچتا ہے، ستاروں کے چکر دیکھتا ہے اور بجاے ان سے کچھ کہنے کے آسمان کی طرف دیکھتا ہے - اس کا جو اثر بچارے عاشق کے دل پر ہوا وہ ایک دفتر میں بھی بیان نہیں ہو سکتا - اور جو الجھنیں اس کے دل میں پیدا ہوئیں ان کی تشریح محال ہے - یہ شاعر کا کمال ہے کہ اس نے کچھ نہ کہا اور سب کچھ کہہ دیا - کیا بلحاظ زبان، کیا بلحاظ طریقۂ ادا اور کیا بلحاظ مضمون، علم ادب میں ایسے شاید چند ہی شعر نکلیں : یہ وہ شعر ہے جس پر ہزاروں دیوان قربان کر دئے جائیں تو سزاوار ہے -

اگرچہ میں فغاں سے نیند اک عالم کی کھوتا ہوں
تری خاطر ہے مجھکو اے اجل بس آج سوتا ہوں
اندھیرا چھا گیا آنکھوں میں جب سے تو گیا یہاں سے
کوئی آنکھوں سے روئے اور میں آنکھوں کو روتا ہوں

چھا گئی بھر خجالت میں وہ سب قوب صریں
اپنے معشوق کو جو جان جہاں کہتے ہیں
ایک نقطہ بھی زیادہ جو زباں پر آیا
وہ زباں ہی نہیں پھر اس کو زیاں کہتے ہیں
میں تڑپتا ہوں غم عشق بتاں میں 'احسان'
حکما ' فضل الہی ' خفقاں کہتے ہیں

مجھکو مت چھیڑو کہ میں سر تاپا تاثیر ہوں
برق ہوں ' آہ سحر ہوں ' نالۂ شبگیر ہوں
کام رہتا ہے سداگردن کشوں سے ہی مجھے
پیچ و تاب حلقہ ہاے جوہر شمشیر ہوں
درد دل کو میرے جانا اُس نے افسانہ مگر
چپ جو رہتا ہوں تو پھر کہتا ہے وہ بے پیر ہوں
فی المثل آب بقا بر سے تو کیا حاصل مجھے
مزرع دنیا میں 'احساں' دانۂ زنجیر ہوں

پلائی ہے رمضاں میں نہ مجھکو اے ساقی
بڑے عذاب سے کٹتے ہیں یہ ثواب کے دن

بہت کم ہے سچ اس زمانے میں 'احسان' یہاں جھوٹ کے کارخانے بہت ہیں

تاب کس کو ہے جو پھر پھر تقابل آ سکے (ق)
گرم آہ گرم ' اپنا جب دل بیتاب ہو

خاک کو بھی چاٹ کر کہتا ہوں اے بادسموم
تو تو کیا ہے آتش دوزخ کا زہرہ آب ہو
میں یہ کہتا ہی نہیں تجھکو رہ الفت میں تو
رستم و افراسیاب و بہمن و سہراب ہو
بیدل و بیتاب و بے آرام و بیخود بیخبر
بے سرو بے صبر و بیجاں بیخور و بیخواب ہو
کیا نہ رد خط سے خطرہ کیوں مکدر تو ہوا
اے الف قامت وہ مصحف کیا جو بے اعراب ہو

جب میں نے کہا چاہتا ہوں میں تجھے واللہ
بولا وہ صنم تم مجھے للہ نہ چاہو
جنت کا یہ سب ذکر فراموش ہو واعظ
گر حضرت من آپ کا دوزخ نہ بھرا ہو

گیا نہ ہمراہ اس کے میں کل گیا وہ گھر کو کیا بہانہ
دریغ یہ ہے دروغ گو کو نہ میں نے پہنچایا تا بخانہ
جھوٹے کو گھر تک پہنچانے کا محاورہ باندھا ہے —

غرور سے نہیں خاطر میں اپنے لاتے ہو سلام لیتے ہو یا مکھیاں اڑاتے ہو
کیا ٹھکانا تیرے وعدے کا بت بے پیر ہے آج ہفتہ اور کل اتوار پرسوں پیر ہے

غم بھی آیا دل میں یوں لپٹا ہوا ہمراہ عشق
جس طرح کوئی طفیلی آتا ہے مہماں کے ساتھ
اے وفا دشمن یہ تیرے عشق سے ثابت ہوا
سر بسر جی کازیاں ہے دوستی ناداں کے ساتھ

محاورہ ہے " نادان کی دوستی جی کا زیان " غالب نے بھی اس محاورے کو باندھا ہے

غالب : فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی ہے دانا اسد دوستی نادان کی جی کا زیاں ہو جائے گا

قسمت کا بلی زلف گرہ گیر سے چھوٹے ہاتھی بھی نہ جکڑا ہوا زنجیر سے چھوٹے

کی تو اغیار سے سازش ہے ' ولے غنچہ دہن !
چٹکیوں میں ہیں یہ جوبن کے اُڑانے والے
ان کے ہنسنے پہ نہ جا ' ان کے ہنسانے سے نہ ہنس
تیرے ہنسنے پہ یہ ہنستے ہیں ہنسانے والے

رخ پہ جب خال کو دیکھا تو کہا میں نے کہ یار!
ربط کس طرح بہم کافر و دیندار میں ہے
بولا سررشتہ یہ کچھ آج کی ایجاد نہیں
رشتہ اک عمر سے یہاں سبحۂ و زنار میں ہے

چشم مست اس کی یاد آنے لگی پھر زباں میری لڑکھڑانے لگی
آگ اس دل لگی کو لگ جائے دل لگی آگ پھر لگانے لگی
کس کی آواز پاسنی کہ مجھے نزع کے وقت نیند آنے لگی

مستعد بدی ہوا وہ ہی تو جس سے کی ہم نے بارہا نیکی
نیکیاں کر کے ہم بدی حاصل ہے تری آخری زمانے کی

اسی مضمون کو ' غالب ' نے یوں ادا کیا ہے :

کہوں کیا خوبی اوضاع ابنائے زماں غالب!
بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہانیکی

وہ بحر حسن شاید باغ میں آئے گا اے احسان
کہ فوارہ خوشی سے آج دو دو گز اُچھلتا ہے

الف قامت ترا' میم دہن' جوں نون تنویں ہے
کہ سننے میں ہے آیا' پر نہیں دیکھا کسی رو سے

جو میں نے گل کی خوشامد کہا یہ درباں سے
خوشامدی سرِ محفل میں کوئی آ نہ سکے

نہ زاہد ہوں' نہ میکش ہوں' نہ میناساز ہوں 'احسان'
نہ مجھکو کام مینے سے نہ مینا سے نہ مینو سے

تسبیح کے ایسے دانوں کو جو شیشے کے ہوں "مینے" کہتے ہیں۔ مگر زاہد اور میکش کے ساتھہ میناساز کا لفظ بہت بے جوڑ آیا ہے۔ "مینے اور مینا" کے ساتھہ "مینو" کا لفظ لانا تھا' اس لئے زبر دستی "میناساز" کو تھونس دیا —

اسی غزل میں دوسرا قطعہ کہا ہے' واقعی لاجواب ہے۔ مجھے اس لئے اور بھی پسند ہے کہ عربی اور ایرانی عاشقوں کے ساتھہ ہندوستان کے عاشقوں کو بھی شریک کردیا۔ سسی اور پنو کے عشق کا حال پنجاب والوں سے پوچھو —

ہوا دشت محبت طے عزیزو' دوستو! ہر گز
نہ عشاق جفا کش سے نہ معشوق جفا جو سے

نہ خسرو سے، نہ شیریں سے، نہ مجنوں سے، نہ لیلیٰ سے
نہ وامق سے، نہ عذرا سے، نہ سسی سے، نہ پنو سے

چین تجھکو بھی نہو مجھکو ستانے والے
تو بھی تڑپا نہ رہے جی کے جلانے والے

پیر مغاں کی ہے یہ کرامات ساقیا یوں میکدے میں ساغر بے دست وپا چلے

اب دو غزلیں پوری پوری لکھکر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ ان غزلوں کے دیکھنے سے آپ کو احسان کی شاعری کا اور اچھی طرح اندازہ ہوجائیگا۔ فال کھولنے کی طرح دیوان کھولتا ہوں، جو دو غزلیں پہلے نکلیں وہی نقل کردونگا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

دل کو چرا کے عشق کا مجھ پر رکھا گناہ
انصاف کیجے میرا ہے یا آپ کا گناہ

جان دل حزیں جگرے خستگاں پہ رحم
میں نے کہا ثواب ہے کہنے لگا گناہ

جب تم سے بولتا ہوں برا مانتے ہو تم
کچھ جرم، کچھ قصور، بھلا کچھ خطا، گناہ

بار غم بتاں سے نجات اب کی بار ہو
بار دگر نہوگا یہ بار خدا گناہ

میں نے کہا کہ زلف میں دل کو اسیر کر
بولا کہ سر پہ لیوے یہ میری بلا گناہ

پایا رواج بخل نے اب تو یہاں تلک
سمجھے ہیں اس زمانے میں جود و سخا گناہ

جنت میں مجھکو اس کی گلی سے ہیں لے چلے
کیا جانئے کہ مجھ سے ہوا آہ کیا گناہ

'احسان' پر گناہ کے فضل و کرم سے بخش
یا رب بحق حضرت خیرالورا ' گناہ

ہم ہیں کو چہ ہے یار جانی کا — زور ہے زور ناتوانی کا
نام تیرا ہے ورنہ اے عنقا — ہے نشاں ہم سے بے نشانی کا
غم سے ہوتا ہے غم غلط اپنا — کس کو یہاں غم ہے شادمانی کا
میں تو اس نوجوان پر غش ہوں — ہائے عالم تری جوانی کا
تو نہ ہووے تو جان مرجاؤں — تو ہی باعث ہے زندگانی کا
نیند اُڑجائے سنتے ہی اسکے — یہ اثر ہے مری کہانی کا
اسی زلف دراز سے ہے خضر — سلسلہ عمر جاودانی کا
نہیں احساں تجھے سلیقہ کچھہ — شعر گوئی کا' شعر خوانی کا

کئی رباعیاں اوپر دے آیا ہوں' شاید نکالنی میں دقت ہو' اسلئے ایک یہاں بھی لکھے دیتا ہوں:

جس طرح بنے عمر کا کیجو لیکھا — پڑ جائیگا آخر کو تو لینا دینا
دے نام خدا اور تو لے نام خدا — دنیا میں عجب چیز ہے دینا لینا

لیجئے مضمون ختم ہوگیا' محرم کا زمانہ ہے' طبیعت خود پژمردہ ہے' مضمون میں بھی اگر افسردگی ہو تو کچھہ تعجب نہیں - مضمون لکھنے سے نہ میری کبھی یہ غرض تھی اور نہ ہے کہ آسمان کے تارے توڑ لاؤں' یا ایسا مضمون لکھوں کہ دھاک بیٹھہ جاے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جو کچھہ گزشتہ اور پامرکاب بزرگوں سے معلوم ہوجاے' اسکو محفوظ کردوں - بعد میں کوئی نہ کوئی بھلا آدمی ان واقعات و حالات کو سلیقے سے جما لےگا - اگر مضمون کی ترتیب اور الفاظ کے انتخاب کو ایکر بیٹھا تو نہ مجھہ سے کچھہ ہوا ہے اور نہ ہو گا - مضمون ہاتھہ سے جائیگا اور پرانے زمانے کے حالات ان بزرگوں کے ساتھہ قبر میں چلے جائینگے - میاں بات یہ ہے کہ جو بندہ گیا سو موتی —

ایثار (فسانہ)

از

(جناب کشن پرشاد صاحب کول ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی، لکھنو)

ساوتری — یہ ان کی بڑھ پے میں کیا مت بھنگ ہوئی، چھپن برس کی عمر میں شادی کرنے بیٹھے، انیس برس کی لڑکی ہے اور پھر گھر میں بیوی موجود۔ بڑے بڑے جوان لڑکے سامنے۔ پوتے نواسے والے —

وملا — جی ہاں اور سوشل رفارمر بنتے تھے۔ سوشل رفارم کے نام سے جب ہی تو لوگ بھڑکتے ہیں، یہ تو آپ کے رفارمروں کا حال ہے۔ بدھوا آشرم کھول کر بیٹھے۔ لوگوں نے بھروسا کرکے اپنے یہاں کی بیوہ بیٹیوں کو آشرم میں بھیجا کہ کچھ پڑھینگی، لکھینگی، سیکھینگی، وہاں یہ گل کھلا۔ بھلا اب اگر لوگ ان باتوں سے دور بھاگیں اور سوشل رفارم کو بدنام کریں تو ان کو کس منہ سے الزام دے سکتے ہو —

ساوتری — کچھ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آیا کہ دیوان صاحب کو ہوا کیا۔ کیسا نورانی چہرہ، فرشتہ سیرت، آج تک سوائے تعریف کے کسی کی زبان سے کوئی کلمہ برائی کا نہیں سنا۔ عمر بھر بڑا و پکار کی زندگی بسر کی۔ پھر کیسے قابل، سمجھدار، بردبار، دفعتاً یہ ہوا کیا۔ کیا بڑھاپے میں سب ہی کی عقل ماری جاتی ہے!

وملا — بہن جی۔ میں نے تو جب سے یہ سنا، سچ کہتی ہوں شرم کے مارے سر نہیں اٹھایا جاتا۔ انہوں نے اپنی سپید داڑھی میں تو سیاہی لگائی ہی، مگر قوم

والوں کا منہ بھی کالا کیا۔

شانتی- اس کی قائل ہو کہ آدمی شریف ' فرشتہ صورت اور پراوپکاری ھے- کل تک تم سب کی زبانیں اُس کی تعریف کرتے کرتے نہیں تھکتی تھیں اور جب سے یہ حادثہ گزرا ' بلا سوچے سمجھے تم سب کے سب ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئے - تم لوگ حیرت ظاہر کرتے تو میں سمجھ سکتی تھی' لیکن تم نے تو اہانت ملامت کا وہ طومار باندھا ھے کہ توبہ ھی بھلی —

ومِلا - بہن جی! یہ تم نے خوب کہا- تم اس بات کی حمایت کرنے کے لئے تیار ہو؟ سنو تو برادری والوں میں کیسا طوفان برپا ھے- اس کو بھی جانے دو- اخبار والے کیا لکھ رہے ھیں - لاھور بھر میں تھکہ مچا ھوا ھے اور دیوان صاحب خود منہ چھپائے چھپائے پھرتے ھیں - جو بات جیسی ھوگی ویسی کہی جائے گی —

ساوتری- بوڑھے حرکت تو واقعی بڑی نازیبا ھوئی - ایسے شخص سے ایسی حرکت کا ساں گمان بھی نہ تھا - بدھوا آشرم کے تو پاس بھی اب کوئی نہ جائے گا —

ومِلا - یہ بھی عجب دل لگی کی بات ھے ' غصہ بھی آتا ھے' شرم بھی آتی ھے' پھر ھنسی بھی - دیوان صاحب کو تو بڑھ بھس لگی تھی' اس لڑکی کو کیا ھوا - شادی بھی کی تو کس سوکھے امچور سے' ایک پیر قبر میں لٹکائے - آج مرے کل دوسرا دن —

ساوتری -اے اور بھی سنا' شادی دیوان صاحب کی بیوی کی مرضی سے ھوئی ھے' سنا کہ رکمنی کو بڑے پیار سے رکھتی ھیں —

ومِلا - میرا میاں میرے کا بچے پر اس طرح سے مونگ دلے تو میں تو داڑھی نوچ لوں اور اس موئی سوت کو لگاؤں لوکا —

ساوتری- (ھنس کر) اے تیرے میاں کے داڑھی موچھ ھی کہاں ھے جو نوچے گی —

شانتی- تم نے اس پر نہیں غور کیا کہ رکمنی نے سارے جہاں کو چھوڑ کر ایسے شخص

سے جو ایک پیر قبر میں لٹکائے ہے' شادی کرنی کیوں پسند کی اور دیوان صاحب کی بیوی رکمنی کو بیٹی کی طرح کیوں پیار کرتی ہیں - کچھ تو راز ہوگا - تم نے غور کرنے کی تکلیف تو گوارا کی ہوتی —

ومِلا - راز سارا طشت از بام ہوچکا' راز کیا ہوگا خاک' میری سمجھ میں تو یہ سارا آوان کا آوان بگڑا ہوا ہے —

ساوتری - کیا راز ہے؟ تمہیں کچھ معلوم ہے؟ بتاؤ —

شانتی - تم لوگ تو مذاق اُڑا رہے ہو' سنجیدہ باتوں میں مذاق مجھے نہیں اچھا لگتا -

ساوتری - اچھی شانتی بتاؤ کیا بات ہے - تم سے تو رکمنی سے بڑی اپنا ہت ہے - اُس نے تو سب دل کا حال تم سے کہا ہوگا - کیا بات ہے بتاؤ —

شانتی - وعدہ کرو کہ سنجیدگی سے سنوگی اور جو کچھ میں کہوں اُسے یقین کروگی - دیکھو وملا نے ابھی سے مسکرانا شروع کیا - میں اُس کے آگے نہیں کہونگی -

ومِلا - بہن جی! تم تو خفا ہوتی ہو - میں وعدہ کرتی ہوں کہ سنجیدگی سے سنوں گی اور تمھاری بات برابر مانوں گی' کہو کیا بات ہے —

دیوان جے رام دوارکا داس لاہور کے ایک معزز اور متمول خاندان سے تھے - غدر کے زمانے میں پیدا ہوئے اور لڑکپن لاہور ہی میں گزرا۔ آپ شہر کے اُن معدودے چند اصحاب میں سے تھے جنھوں نے انگریزی کی تعلیم سے اُس زمانے میں فیض اُٹھایا تھا - کچھ عرصہ پیشۂ وکالت میں صرف کیا' بعد ازاں محکمۂ عدالت میں مختلف عہدوں پر پنجاب کے مختلف اضلاع میں مامور رہے۔ چونکہ آدمی ذہین اور قابل تھے' بہت جلد سشن جج کے عہدے پر سر فراز کئے گئے - آخری زمانہ سشن ججی کا خاص لاہور میں صرف ہوا' چونکہ تندرستی کچھ خراب رہتی تھی اور لاہور کے باہر نہیں جانا چاہتے تھے' کسی قدر قبل از وقت پنشن لے لی - دیوان جے رام دوارکا داس پرانے زمانے کے اُن چیدہ اصحاب میں تھے جن کا نہ صرف دماغ انگریزی تعلیم کی نئی روشنی سے منور تھا' بلکہ جنھوں نے پہلو میں دل اور دل میں درد

پایاتھا - قوم کے تعلیمی اور سوشل معاملات میں نمایاں اور عملی حصہ لیتے رہتے تھے- نیشنل کانگرس میں بھی بہ حیثیت تماشائی ضرور جاتے - پنجاب میں سوشل کانفرنس کے روح رواں تھے اور بالخصوص لاہور میں آپ کی بڑی وقعت اور مرتبہ تھا - گزشتہ بارہ سال سے آپ نے لاہور میں ایک بدھوا آشرم اپنے صرف سے قائم کیا تھا، جس میں ہندو بدھواؤں اور لڑکیوں کی تعلیم کا نہایت معقول اور اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا تھا دس پانچ بدھواؤں کی شادی بھی اُن کی اور اُن کے ماں باپ کی مرضی سے کرادی تھی - علاوہ اس آشرم کے اور بھی کئی درسگاہیں آپ کی فیاضی سے مالامال ہوتی رہتی تھیں - اسی لئے آپ شہر میں ہر دل عزیز تھے اور اپنے صوبے میں بڑی شہرت رکھتے تھے- آپ کے راست باز اور فرشتہ سیرت ہونے کا ہر کہ و مہ معتقد تھا- آپ کے دامن شہرت پر کبھی کوئی چھینٹ بھی اُڑ کر نہیں پڑی تھی - اس لئے جب یہ خبر دفعتہ مشہور ہوئی کہ آپ نے آشرم کی ایک نوجوان بیوہ سے شادی کر لی تو نہ صرف آپکی برادری بلکہ تمام شہر میں تہلکہ مچ گیا اور لوگ متحیر رہگئے -

مسٹر بھگت رام سوری کے ڈرائنگ روم میں مسز لوری یعنی شانتی اور اُس کی دو اور سہیلیاں بیٹھی چائے پی رہی تھیں اور اسی حادثے کا چرچا ہو رہا تھا جسکا ذکر اوپر آچکا ہے - جب وملا اور ساوتری نے شانتی سے افشائے راز پر اصرار کیا تو شانتی نے دونوں سے اس بات کا حتمی وعدہ لیا کہ علاوہ ان دو کے بات اور کسی تیسرے کے کانوں تک نہ پہنچے۔ اسطرح سے اطمینان کر کے شانتی نے رکمنی کی واردات یوں بیان کرنی شروع کی: —

رکمنی پرانے خیال والے لیکن شریف اور امیر گھرانے کی لڑکی تھی، گیارہ برس کی عمر میں شادی ہوئی، سال بھر بعد وہ لڑکا جو اسکا خاوند ہوتا چند روز بیمار رہکر مر گیا - بچپن کے کھیل تماشے عارضی طور سے طبیعت میں جوش مسرت پیدا کرتے ہیں لیکن اسیقدر جلد یاد سے اتر بھی جاتے ہیں- رکمنی شادی اور موت کے دونوں حادثوں کو بہت جلد بھول گئی اور میکے میں حسب معمو

رهنے سہنے لگی۔ دیوان جےرام دوارکاداس اور رکمنی کے والد میں علاوہ هم قوم هونے کے ربط و اتحاد تھا؛ ان کے کہنے سننے اور سمجھانے سے رکمنی آشرم میں داخل کی گئی اور اسکے درس و تدریس کا سلسلہ جاری هوا - رکمنی بچپن میں بڑی خوبصورت لڑکی تھی، اب شباب جو آیا تو اسنے اسے اور چار چاند لگادئے - اٹھارھویں سال یہ کلی چٹک کر گلاب کا پھول هو گئی - طبیعت کے بھولے پن شباب کی شوخی اور تعلیم وتربیت کی جلا نے اسکو یکتائے روزگار بنا دیا - بچپن کی شادی اور موت کے حادثے کے معنی وہ اب سمجھنے لگی تھی، لیکن اُس کی فطرتی خندہ پیشانی پر ابھی بل نہیں پڑے تھے، چونکہ زمانے کی ٹھوکریں اُس نے ابھی نہیں کھائی تھیں، وہ مایوسی کے خیال سے بیگانہ تھی - اس کے دیکھتے دیکھتے آشرم کی کئی بال بدھوا سکھیوں کی شادی هو چکی تھی؛ اس لئے شباب کی امنگوں اور امیدوں سے منہ چھپانے کی مجبوری وہ کبھی محسوس نہ کرتی تھی - دیوان صاحب رکمنی کے والد کو اس کی دوسری شادی کرنے پر رفتہ رفتہ آمادہ کر رهے تھے؛ گو یہ آمادہ نہ هوے تھے؛ لیکن اب اس خیال کی پہلی سی مخالفت بھی نہ کرتے تھے - ان باتوں کی بھنک رکمنی کے کانوں تک بھی پہنچتی رهتی تھی - اسی زمانے میں رکمنی کی آنکھیں جانکی سے چار هوئیں - جانکی بائیس تیئیس برس کا خوشرو جوان لڑکا تھا - جیسا خوشرو تھا ویسا هی ذهین، هوشیار اور تعلیم یافتہ بھی تھا - رکمنی اور جانکی کے گھرانوں میں دوردراز کا رشتہ تھا؛ اور میل جول هونے کی وجہ سے آنا جانا بھی تھا - جوانی دیوانی هوتی هے اور اس عمر میں محبت کا آزار مہلک هوتا هے، بالخصوص سیدھی سچی طبیعتیں اس آزار سے جان بر نہیں هوتیں - چنگاری لگتے هی شعلے بھڑک اٹھے - عورت جب اپنے محبوب پر دل اور جان فدا کرنے لگتی هے تو قانون اور رواج کی پابندیاں ڈھیلی هونے لگتی هیں اور پھر قدموں کی لغزش کرنے میں دیر نہیں لگتیں - بھولی بھالی رکمنی کو جانکی شادی کی امید اور بھروسا دلاتا تھا اور غالباً اس وقت اس کا وعدہ اور

بھروسا نیک نیتی اور سچائی پر مبنی تھا - رکمنی شادی ہو جانے کو یقینی امر سمجھتی تھی ' لیکن شوق کی بیتابی اور شدت انتظار بلائے جان تھے - ضبط وبے تابی کی کشمکش کچھ روز تک تو قابل برداشت رہی ' لیکن تابہ کے - بالآ خردیا کا پردہ اٹھ کر آنکھوں پر پڑ گیا اور نتیجہ جو ایسی حالت میں ہوا کرتا ہے ہوا -

وملا : ہے ہے - غضب یہ دیدہ دلیری' ماں باپ کا منہ کالا کرنے سے بھی نہ ڈری —

شانتی : وملا - بات ذرا سونچ کر کیا کرو ' میں مانتی ہوں کہ اس سے غلطی ہوئی اور بڑی غلطی ہوی' وہ اپنے کئے کو بھوگ رہی ہے اور بری طرح بھوگ رہی ہے' لیکن کون سا انسان ہے جس سے غلطی نہیں ہوتی - میری اور تمھاری گود بھری ہے - جیتے رہیں دو دو تین تین بچے سامنے کھیل رہے ہیں - تمھارا سہاگ ہمیشہ قائم رہے' زندگی کی مسرتوں اور آرزووں کا دروازہ کھلا ہوا ہے' کسی بات کی کوئی کمی نہیں - شادی کے وقت تم پندرہ اور میں سولہ برس کی تھی - کون جانتا ہے کہ میں اور تم اگر اس حالت میں ہوتے ' جس میں وہ تھی اور جو صورتیں اس کو پیش آئیں ' اگر ہم کو پیش آتیں تو ہمارے قدم کہاں تک ثابت رہتے - بڑا بول نہیں بولنا چاہئے - اس کی حالت قابل نفریں نہیں' قابل رحم اور قابل ہمدردی ہے —

ساوتری: بہن جی ! تم بات کو پورا کرو' اس کو تو بیچ میں بولنے کا مرض ہے - ہاں پھر کیا ہوا ؟

شانتی : جو کچھ ہوا برا ہوا - مہینہ بیس روز تو خمار عیش باقی رہا' لیکن جب رکمنی کو حمل کے آثار ظاہر ہوے تو نشہ ہرن ہونے لگا - اس پر طرہ یہ کہ جانکی بزدلی اور بے حیائی سے بغلیں جھانکنے لگا اور چند روز بعد ہی اس نے آنا جانا بھی ترک کر دیا - ایک روز دفعتاً رکمنی نے سنا کہ جانکی بیرسٹری کا امتحان دینے کی غرض سے ولایت روانہ ہو گیا - دل تو

پہلے ہی سے لرز رہا تھا، یہ سنتے ہی ہوش و حواس بالکل جاتے رہے۔ ننھی سی جان بے یار و مددگار، بات منہ سے نکالنے کی نہیں، اندر ہی اندر گھلنے لگی، جب کرتے دھرتے کچھ بنتا نہ دکھائی دیا اور زندگی اجیرن معلوم ہونے لگی تو افیون کھا کر سو رہنے کی ٹھانی۔ اس زمانے میں رکمنی آشرم میں ہی رہتی تھی۔ آشرم کی مہری کو کچھ دے کر اسے افیون لانے بھیجا؛ وہ بیوقوف تھی، لیڈی سپرنٹنڈنٹ نے اسے افیون لے جاتے پکڑا، راز کھل گیا۔ دیوان صاحب کو اطلاع ہوئی، معاملہ سنگین معلوم ہوا، انھوں نے اپنی بیوی سیتا دیوی سے جو آشرم کے کاروبار میں ان کا بہت کچھ ہاتھ بٹاتی تھی، مشورہ کر کے انہیں رکمنی کے پاس بھیجا کہ پتہ چلائیں کیا معاملہ ہے۔ رکمنی پہلے تو پہلو تہی کیا کی بالاخر بہت کچھ سمجھانے بجھانے سے اس نے تمام کیفیت رو رو کر بیان کی۔ سیتا دیوی نے جن کو اس کے ساتھ بہت محبت تھی اس کی تسلی اور تشفی کی، جو کچھ مدد کر سکتی تھیں اس سے زیادہ کرنے کا یقین دلایا اور واپس ہو کر سارا کچا چٹھا دیوان صاحب کے گوش گذار کیا۔ دیوان صاحب عجب مخمصے میں پڑے، پریشان ہوئے، لڑکی کے باپ سے سب حال کہا، وہ پرانے خیال کے آدمی، سنتے ہی چراغ پا ہو گئے، اپنا منہ پیٹ لیا، دیوان صاحب کو بھی لعنت ملامت کی اور تمام ذمہ داری آشرم کی تعلیم و تربیت پر ڈالی۔ اپنی ماں ہوتی تو چاہے جو کچھ ہوا تھا، لڑکی کے کام آتی اور سہولت کی سبیل سوچتی۔ سو تیلی ماں تھی اسے صرف بدنامی کا خیال تھا، اس نے شوہر کے اور کان بھرے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ماں باپ دونوں نے لڑکی سے قطع تعلق کرنے اور اسے تن بہ تقدیر چھوڑنے کا فیصلہ کر کے دیوان صاحب کے سر منڈھا کہ تمہارا ہی سب کچھ کیا ہوا ہے، اب جو چاہو کرو، ہم سے کچھ واسطہ نہیں —

دیوان صاحب نے ان کے یہاں سے واپس ہو کر یہ سب گفتگو سیتا دیوی کو سنائی اور پوچھنے لگے کہ اب کیا کیا جائے :

سیتا دیوی : کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔ ماں باپ ڈھنگ کے ہوتے تو سو ترکیبیں ہو سکتی تھیں ، لڑکی کو کچھ دنوں کے لئے یہاں سے ہٹا دیا جاتا ۔ بچہ ہو جانے پر اس کی غور و پرداخت کا بھی کچھ نہ کچھ انتظام ہو ہی جاتا ۔ لیکن یہ تو اسطرح سے الگ ہو کر دور بھاگے کہ گویا کوئی واسطہ ہی نہیں —

دیوان صاحب: یہی تو مصیبت ہے ۔ میرا خیال نہ تھا کہ یہ ایسی خود غرضی اور نالائقی سے کام لینگے ۔ اب اگر کوئی دوسرا اس معاملے میں ہاتھ ڈالے بھی تو کس برتے پر ۔ بات بالکل چھپی تو رہیگی نہیں ، جو اس میں دخل دیگا اسی کی روسیاہی ہوگی اور لوگ طرح طرح کی باتیں بنائینگے —

سیتا دیوی : پھر حال جو کچھ بھی ہو ، دیدہ و دانستہ تو لڑکی کو افیم کھاکر سونے دونگی نہیں ، نیک نامی ہو یا بد نامی —

دیوان صاحب: تو تم نے کیا سوچا ہے —

سیتا دیوی : میں ارادہ کر چکی اور اس سے کہہ چکی ہوں کہ ساتھ لے جا کر اپنے گھر رکھوں گی —

دیوان صاحب: دنیا مجھکو اور تم کو کیا کہیگی ، یہ بھی تو سوچ لو —

سیتا دیوی : تو تم لڑکی کو سڑک پر نکال باہر کرنے کے لئے تیار ہو ؟

دیوان صاحب: یہ کیسے ہو سکتا ہے —

سیتا دیوی : تو پھر اس کے علاوہ اور کیا چارہ ہے —

دیوان صاحب: یہ بھی سہی ، پھر بھی تو گمنام باپ کے بچے کی پرورش اور زندگی ماں اور بچے دونوں کے لئے سوہان روح ہوگی ۔ ہماری سوسائٹی میں ایسے بچے اور ماں کے لئے کہیں گنجایش ہے ؟

سیتا دیوی : یہ ٹھیک ہے، میں تو تین روز سے اسی اُدھیڑ بن میں دن رات لگی ہوئی ہوں، کوئی ڈھنگ کی بات سمجھ میں نہیں آتی - ایک بات سوچی ہے، پر کہتے ہوئے جھجکتی ہوں کہ تم کہیں خفا نہ ہو -

دیوان صاحب: خفا کیوں ہوں گا -

سیتا دیوی : خفا ہونے کی کوئی بات تو نہیں، بشرطیکہ سمجھ میں آ جائے -

دیوان صاحب: کہو —

سیتا دیوی : بچہ گمنام باپ کا کیوں رہے، اگر تم اس کے باپ بننے کی قانونی ذمہ داری لے لو تو یہ دشواری بھی حل ہو سکتی ہے —

دیوان صاحب: (چونکر) کیا معنی ؟ —

سیتا دیوی : معنی بالکل صاف ہیں - دو جانوں کے ضائع ہونے اور دو زندگیوں کے سنورنے کا سوال ہے - بڑی ہمت کا کام ہے، لیکن تمہارے سے ہمت والے آدمی سے بعید نہیں —

دیوان صاحب: تمہاری تجویز یہ ہے ....

سیتا دیوی: کہ تم رکھنی کو عقد میں لے آؤ - آنند بواہ کے طریق سے یہ شادی ہو سکتی ہے - تم دو جانوں کو ضائع ہونے سے بچا سکتے ہو اور دو زندگیاں ٹھکانے لگا سکتے ہو -

دیوان صاحب: (سوچ کر) ہاں یہ ہو سکتا ہے، لیکن لوگ مجھے کیا کہینگے اور میں لوگوں کو کس طرح منہ دکھاؤنگا —

سیتا دیوی : تم نے تو روز اول سے اس کی پروا کی نہیں، آج لوگ تمہیں بھلا کہتے ہیں، جب آشرم کھولا تھا، لوگوں نے مطعون کرنے میں کوئی کسر اُٹھا رکھی تھی ؟ پر تم نے پروا نہ کی —

دیوان صاحب: آشرم کا کیا حشر ہوگا، سوشل رفارم کی تحریک کیسی بدنام ہوگی —

سیتا دیوی : میرے سامنے ان دلیلوں کی کوئی وقعت نہیں، جب تم نہیں ہوگے آشرم کیسے چلے گا، اگر تم ہمت کرنے کو تیار ہو تو

میری نگاہ میں اس سے بڑا اور اس سے زیادہ پراُوپکار کا کام اور دوسرا نہیں ہوسکتا —

دیوان صاحب: (سوچ کر) سوچوں گا - کل تک کی مہلت دو' دیوان جےرام دوارکاداس بڑے دل گُردے کے آدمی تھے' ان کی نگاہیں ہمیشہ اُونچی رہتی تھیں' ہمت اور ایثار اب ان کی طبیعت کا خمیر ہو گیا تھا' ان کی ذات اب لوگوں کی تعریف و تحسین سے مستغنی تھی - انھوں نے چوبیس گھنٹے معاملے کے سب پہلووں پر غور کیا' پھر خوش خوش اپنی بیوی کے کمرے میں گئے' اُن کی آنکھیں جوشِ مسرت سے نمناک تھیں' بیوی کی پیشانی پر بوسہ دے کر بولے: "تم نے جو کچھ کہا مجھے منظور ہے' اگر اس وقت میں اپنے فرض انسانی کے اداکرنے کی ہمت کر رہا ہوں' تو یہ ہمت تمہاری دی ہوئی ہے اور تمہارے ہی بوسوں کا صدقہ ہے' مرتے دم تک مجھے اس بات پر ناز رہیگا کہ میری سی بیوی دوسرے کو نصیب نہ ہوئی ہوگی' جاؤ اب رکمنی کو معاملہ کی تمام صورت سمجھا کر راضی کرو"—

ایک مہینہ ہوا کہ شادی ہو گئی' رکمنی قانون اور قوم کی نگاہ میں دیوان جےرام دوارکا داس کی نئی نویلی دلھن ہے لیکن خود اُن کی اور سیتا دیوی کی نگاہ میں اُن کی پوتی اور نواسی کی حیثیت رکھتی ہے' قوم کے آگے اُسکی نگاہیں نیچی نہیں ہوتیں' اپنے پیدا ہونے والے بچے کو اب چھاتی سے لگانے میں اُسے شرم کرنے کی کوئی وجہ نہوگی' لیکن شباب کے اُن اُمنگوں اور ارمانوں کی طرف جنھیں اُس نے اب ہمیشہ کے لئے دفنا دیا ہے' جب کبھی اُس کا خیال آجاتا ہے' تو دلمیں ایک ٹیس اٹھتی ہے' جس کا صرف ایک سرد آہ سے پتہ چلتا ہے اور بس - دیوان جےرام دوارکاداس کا لوگ اپنی اپنی صحبتوں میں طرح طرح سے مذاق اُڑاتے ہیں اور بری طرح مطعون کرتے ہیں - اُن کے کانوں تک بھی یہ چرچے پہنچتے ہیں' لیکن اس مردخداکی

پیشانی پر لمحہ بھر کے لئے بھی بل نہیں پڑتا —

ساوتری : شانتی بہن تم تو یہ واقعات بیان کررہی تھیں اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں کوئی افسانہ سن رہی ہوں اگر یہ واقعات تمہاری زبان سے نہ سنے ہوتے تو میں ان کو ہرگز یقین کرنے کے لئے تیار نہ ہوتی —

شانتی : ساوتری ! بعض واقعات زندگی افسانے سے بھی عجیب تر ہوتے ہیں دیکھو انسان بھی کیا طرفہ تماشا ہے کوئی ذلیل سے ذلیل ایسی حرکت نہیں جو اس سے سرزد نہ ہوتی ہو اسی کے ساتھ یہ بھی انسان ہی کا جوہر ہے کہ ایسے ایثار اور حوصلے کی ہمت کرسکتا ہے کہ فرشتے بھی اس کے دامن پر نماز پڑھیں —



سسي پنوں

از

(جناب نور الهي و محمد عمر صاحبان)

یوں تو سسی پنوں کی داستان عشق کئی زبانوں میں سنی جاتی ھے - مگر پنجاب اور سندھ سے اسے خاص تعلق ھے - جہاں اس کے قبول عام کا یہ عالم ھے کہ بچے سے لے کر بوڑھے تک اس پر سر دھنتے ھیں - سندھ اس ٹریجڈی کا محل وقوع ھے - وہاں اسے مذھبی تقدس حاصل ھونا کوئی بات نہیں، مگر پنجاب میں اسے جو حسن قبول ملا وہ حیرت انگیز ھے - افسانے کی جزئیات میں پنجاب اور سندھ کو اختلاف ھے - اس لئے مناسب معلوم ھوتا ھے کہ پنجابی اور سندھی روایتوں کو الگ الگ بیان کریں —

پنجاب

پنجابی بولی میں جو قصے عوام الناس کے دل بہلانے کے لئے نظم میں بیان کئے گئے، ان میں بلحاظ چند خصوصیات سسی پنوں کو درجۂ امتیاز حاصل ھے - اس کے علاوہ پنجابی میں ھیر رانجھا، سوھنی مہینوال، سیف الملوک اور شاہ بہرام کے قصے مشہور ھیں - ھیر رانجھا کی کہانی کو وارث شاہ اور فضل شاہ دو شاعروں نے آسمان پر پہنچا دیا - مگر لاھورا سنگھ اور مقبول کی تصنیفات بہت ادنی درجے کی کاوشیں ھیں - یہ قصہ صرف پنجابی بولی میں ھے اور اس کی قبولیت صرف پنجاب

تک محدود رہی - ہندوستان کے دیگر صوبوں میں اس کا بہت کم چرچا ہوا - رسالۂ مخزن کے دور اول میں اس قصے کو "ہندوستان پسند" بنانے کی کوشش کی گئی، لیکن یہ مساعی بار ور نہ ہوئیں - اس سے قبل دہلی اور لکھنو میں جو اس وقت پائے تخت ہونے کے باعث علم و فضل کے مرکز تھے، ثقات اس قصے کو مبتذل اور عامیانہ مذاق کی چیز خیال کرتے رہے اور شاید اسی کی بدولت پنجابی ذہنیت ان مقامات میں چنداں رفعت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی تھی - چنانچہ دہلی اور لکھنو کے دو نامور شاعروں کے دو شعر اس حقیقت پر بلا واسطہ روشنی ڈالتے ہیں :-

(انشاء) سنایا رات کو قصہ جو ہیر رانجھے کا
تو اہل درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

(بحر) سن کے میری سرگذشت احباب یہ کہنے لگے :
'بحر' کا قصہ بھی افسانہ ہے رانجھے ہیر کا

قصہ مختصر شعرائے فارسی و اُردو نے اس قصے کی طرف بنظر التفات نہیں دیکھا - ورنہ ایک خوبصورت دلفریب مثنوی آسانی سے تیار ہوجاتی - دیگر قصص مذکور صرف "صوبیانہ"* شہرت رکھتے ہیں اور پنجاب سے باہر شاید ہی کسی نے ان کا نام سنا ہو - یہ کہنا صحیح نہیں کہ دارالخلافے والے پنجابی سے نا آشنا تھے اس لئے وہ اس سے حلاوت اندوز نہ ہوسکے - انشا کے چند پنجابی شعروں کو گو آپ صرف ظرافت خیال کریں، پھر بھی اس بات پر تو دلالت کرتے ہیں کہ سید انشا پنجابی سے نا واقف نہ تھے اور سودا کے کلیات میں تو پنجابی زبان میں مرثیہ موجود ہے - دور کی باتیں جانے دیجئے، خود پنجاب میں فارسی شعرا کا قحط نہ تھا - در اصل بات یہ ہے کہ ان حضرات نے ان قصوں کو در خور اعتنا خیال

---

* Provincialism کا ترجمہ "صوبیت" مقبول ہوچکا ہے، اس لئے Provincial کا ترجمہ "صوبیانہ" وضع کیا جاتا ہے —

نہ کیا - اب سسی پنوں کے قصے کو لیجئے تو فارسی، اُردو، سندھی، پشتو اور پنجابی میں اس پر کئی کتابیں ملیں گی —

میر محمد پھکری نے اس قصے کو اپنی مثنوی " حسن و ناز " میں موزوں کیا۔ اس کے بعد محمد شاہ کے عہد میں قاضی مرتضیٰ سورتی نے اس کی بنیادوں پر ایک مثنوی "شہید ناز" کا قصر بلند کیا - اس کہانی کو مولانا شور مرحوم نے اپنے رسالے میں بڑی نوک پلک سے شائع کیا - متداولہ کتب کی رو سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ پنجابی میں سب سے پہلے حافظ رانجھا برخوردار نے سنہ ۱۱۷۶ ھ میں اس قصے کو کتاب کی صورت میں پیش کیا - یہ نسخہ نا پید تھا اور اس کا ایک محرف ایڈیشن حافظ برخوردار کے نام سے منسوب ہوا - آخر مولوی احمدالدین نامی حافظ صاحب کے ایک عزیز نے اصلی نسخہ نکالا، جو سنہ ۱۳۲۲ ھ میں اندر پریس سیالکوٹ میں شائع ہوا - اس کے بعد ہاشم کی مقبول عام نظم عالم ظہور میں آئی - لیکن اس کی تاریخ تصنیف کا پتہ نہیں ملتا - چوہدری شہباز سیالکوٹی نے سنہ ۱۲۵۰ ھ میں ہاشم کی روایت کے مطابق "وقائع پنوں" پر تکلف زبان اور رعایت لفظی میں ڈوب کر فارسی میں منظوم کیا - اس کے ایک شعر سے پایا جاتا ہے کہ بوقت تحریر ہاشم اور برخوردار کی تصنیفات اس کے سامنے تھیں :

زمین پیش بسے شعرا گفتہ این قصہ بہ پنجابی زبان
چوں حافظ رانجھا ہاشم ہم برجستہ سخن جو بستہ میاں

یہاں یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ وقائع پنوں میں پنوں کے بیہوش ہوجانے کے بعد کا حال منشی محمد حسین کے قلم کا مرہون منت ہے - یعنی اس کی تکمیل میں دو شاعروں کا حصہ ہے - اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم کا قصہ سنہ ۱۲۵۰ ھ سے قبل موجود تھا - پھر مولوی غلام رسول کی کتاب سنہ ۱۲۶۴ ھ میں تصنیف ہوئی اور سنہ ۱۲۸۰ ھ میں فضل شاہ نے داد سخن دی - آخر میں میاں محمد بوٹا گجراتی نے اس قصے کو سنہ ۱۳۲۰ ھ میں نظم کیا -

برخوردار کے قصے کی کتھا سیدھی سادھی' الجھاؤ سے پاک اور تصنع سے معرا ہے اور یہی بات اسے فخر تقدم کا مستحق قرار دیتی ہے - ہاشم نے چند باتیں اضافہ کر کے داستان کو زیادہ حیرت انگیز اور عوام کے مذاق کی چیز بنا دیا ہے - غلام رسول نے ہاشم کے پلاٹ کا رنگ اور چوکھا کر دیا ہے - اور زبان ایسی لکھی کہ اردو کے بہت قریب پہنچ گئی - پنجاب کے حلقۂ مشائخ و صوفیا میں یہ کتاب وجدان پیدا کرتی ہے اور اس سے بہت سے رموز تصوف وابستہ کئے جاتے ہیں * فضلشاہ نے اتنی سی بات کو ایک ضخیم فسانہ کر دیا ہے - موعظت کا پہلو اس قدر نمایاں ہے کہ انیس الواعظین سے التباس پیدا ہوتا ہے - رعایت لفظی کا اس قدر التزام ہے کہ شہباز بھی ماند ہوگیا ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امانت' نسیم' بحر' اور رشک کی ارواح عالم امکان میں آنے سے پہلے فضلشاہ کے کالبد میں جمع ہو گئی تھیں - بوٹا کی کاوش محض لہو لگا کے شہیدوں میں شامل ہونا ہے' فضلشاہ کی صدائے باز گشت ہے' کوئی جدت یا ندرت اس میں نہیں پائی جاتی —

پنجاب میں اس قصے کے باوا آدم حافظ برخوردار ہیں - نام رانجھا' تخلص برخوردار' حافظ قرآن تھے - حافظ بھی تخلص کرتے تھے' وطن مالوف ہزارہ ہے - جوان ہو کر وہاں سے نکلے اور لاہور آکر تعلیم میں مشغول ہو گئے - لیکن اس زمانے تک سیالکوٹ مرکز علم و فنون تھا' جس کی خاک سے سعداللہ خاں وزیر اعظم شاہجہاں' تفضل حسین خاں مدار المہام اودھ اور مولانا عبدالحکیم جیسے باکمال پیدا ہوے - اس لئے سیالکوٹ کا رخ کیا - اور وہاں ایسے آئے کہ پھر جانے کا نام نہ لیا - یہیں کسی اچھے گھرانے میں شادی ہو گئی اور بال بچوں کی محبت پانوں کی زنجیر بن گئی - اب درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا' جس کے دوران میں

---

* یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے امتحان پنجابی کے نصاب میں داخل ہے —

قصہ سی و پنوں تصنیف ہو کر حیات جاوداں کا موجب بنا -

بر خوردار بعد مختصر حمد وثنا کے قصے کو یوں بیان فرماتے ہیں :

شہر بھنبور کا راجہ آدم جام بڑی شان سے حکومت کرتا تھا - کوئی چیز نہ تھی جو اُسے میسر نہ ہو لیکن اولاد سے محروم تھا - آخر رانی کے آثار حمل نمودار ہوے - اور راجہ نے جوتشیوں کو بلا کر جنین کی قسمت کا حال پوچھا - انھوں نے زائچہ دیکھہ کر کہا کہ رانی کے بطن میں جو لڑکی ہے اس پر ہزاروں مصیبتیں پڑینگی - کسی مسلمان کے ساتھہ آنکھہ ملا کر اٹھہ جائیگی - اور ریگستان میں محبت کی بھینٹ چڑھیگی - لاج اور راج کی سلامتی اس میں ہے - کہ پیدا ہوتے ہی اسے یا تو دریا میں بہا دیں ، زہر دیدیں، یا گلے میں رسی باندھ کر لٹکا دیں - لیکن انھیں معلوم نہ تھا کہ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے - یہ سنکر راجہ بہت دلگیر ہوا اور رانی بھی کانپنے لگی - جب لڑکی یعنی سسی پیدا ہوئی تو رانی اس کا حسن دیکھہ کر حیران رہگئی - آخر یہ فیصلہ ہوا کہ اس مانک موتی کو دریا کے نذر کیا جاے، اسے صندل کے صندوق میں ڈالا اور اس میں تین حصے زرو جواہر کے رکھہ دیے۔ ایک حصہ اس کی پرورش کے لئے، دوسرا تعلیم اور تیسرا شادی کے اخراجات کے لئے - لڑکی کا حسب و نسب اور اخراجات کی تفصیل ایک کاغذ پر لکھہ کر اس کے گلے میں بطور تعویذ کے باندھ دیا - یہ انتظام کر کے صندوق کو منجھدھار میں ڈالا - آخر حضرت خضر کی رہنمائی سے یہ صندوق اس مقام پر پہنچا ، جہاں آتا نامی دھوبی کپڑے دھورہا تھا - دھوبی نے صندوق کو پکڑ لیا - گھر لے جاکر عورتوں میں کھولا تو ایک جیتی جاگتی پیاری پیاری لڑکی کے ساتھہ زرو جواہر کا ڈھیر نکلا - انھیں تو صندوق میں ڈالکر اندر رکھا اور لڑکی کی پرورش میں مصروف ہو گئے - جب سسی نے لڑکپن کے کوچے میں قدم رکھا تو اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا - اس کے حسن کا چرچا ہونے لگا - دھوبیوں کے ہاں سے پیغام آنے لگے اور کپڑے دھونے میں کمال کو انھوں نے ذریعۂ کامیابی بنایا - مگر آتا ٹالتا رہا -

ایک شب کو سسی جوانی کی نیند کے مزے لے رہی تھی کہ اس نے خواب میں ایک شکیل وجمیل جوان رعنا دیکھا اور اسے دیکھتے ہی دل ہاتھ سے جا تا رہا - دوسری بار پھر ایسا ہی اتفاق ہوا - تیسری بار خواب میں آیا تو اس نے بتایا کہ وہ کیچ شہر کا شہزادہ ہے اور اس کا نام پنوں ہے - سسی اُٹھی تو برسوں کی بیمار معلوم ہو تی تھی - چہرہ زرد ، لب پر آہ سرد ، نہ کھانا نہ پینا ، گھنٹوں الگ چپکے بیٹھے رہنا - یہ حالت دیکھ کر سسی کی ماں یعنی دھوبی کی بیوی نے خیال کیا کہ جوان لڑکی شادی کے لئے کڑہ رہی ہے - اس لئے اسے تسلی دینے کی غرض سے کہا کہ بیٹی غم نہ کر، جلدی کو ئی اچھا سا دھوبی ڈھونڈہ کر تیری شادی کئے دیتی ہوں - سسی نے کہا کہ راجوں مہاراجوں پر بھی کڑے وقت آ یا کر تے ہیں، لیکن وہ رذیل اور اجلاف کے سا تھہ شادی نہیں کیا کر تے - دیکھنا سفید چادر میں داغ نہ لگا دینا ، جو مٹائے نہ مٹے - جب تخت پر کو ئی جوتی سمیت چڑھتا ہے تو عرش میں زلزلہ آ جا تا ہے - ماں نے کہا : اری تو جوان ہو کر کیا باتیں بنارہی ہے- ابھی کل کی بات ہےکہ تجھے کھانے تک کی تمیز نہ تھی اور اب تو راجائوں کے نسب نامے کھول کر بیٹھہ گئی راجاؤں وزیروں کے رنگ محل کبھی دیکھے بھی ہیں- سسی نے کہا: مجھےکیا پڑی ہے جوراجاؤں اور وزیروں کے گھروں میں جھانکتی پھروں- آنکھیں وہ مانگتے ہیں جو بینا ئی سے محروم ہوں - جواہرات اپنی جگہ پر آ پ پہنچ جا تے ہیں ، انہیں اپنے لائق مقام تلاش کر نے کی ضرورت نہیں ہوا کر تی - رذائل کے سر پر چتر شاہی زیب نہیں دیتا - بلبل و بوم کا رشتہ نہیں ہوا کر تا - اس واقعا کلکل کے بعد سسی خیال یار میں مگن ہو گئی اور عملی طور پر اسے گرد و پیش کے حالات سے کو ئی علاقہ نہ رہا - تھوڑے دنوں بعد وہ زندگی سے مایوس سی ہو گئی اور صرف اس آرزو سے بر آ نے کے خیال سے دل بہلا تی رہی کہ شاید دم واپسی پنوں کی شکل دیکھ لے ۔

ایک دن سسی کپڑے لے کر راجہ کے محل میں گئی تو راجا اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا - راجا نے سسی کو ایک نو لکھا باغ عنایت کیا اور گھاٹوں کا محصول بطور مقرری بخشا - سچ ہے، جب خدا دینے پر آتا ہے تو اسباب آپ سے آپ پیدا ہوجاتے ہیں - ساون کے مہینے میں چمن خود بخود رونق پر آجاتے ہیں - سسی نے تمام گھاٹوں پر اپنے آدمی بٹھادئیے اور حکم دیا کہ جو کوئی دریا عبور کرے پہلے اپنی جنم بھوم درج کرائے- پھر سسی نے اس نولکھے باغ میں رنگ محل تعمیر کرایا، گویا بہار کے اندر ایک دوسری بہار پیدا ہو گئی - مگر سوز فراق میں کوئی کمی نہ ہوئی اور آنسو بہاتے بہاتے اس کی آنکھیں سوجھ گئیں —

اس عرصے میں ایک دن شہر کیچ سے ایک قافلہ آیا، جس کے ساتھ کئی اونٹ مشک کے تھے - وہ مختلف رنگوں کے کپڑے پہنے ہوے تھے - حسن و جوانی میں ایک سے ایک بڑھ کر تھا - قدرت خوشبو سے جنگل تا تار بن گیا - گویا قدرت پنوں کے خیر مقدم کی تیاری کر رہی تھی - اس قافلے کے سالار ببن اور بیبا نامی دو شخص تھے - سسی کو جب معلوم ہوا کہ وہ شہر کیچ سے آ رہے ہیں تو اس نے ان قافلہ سالاروں کو اپنے پاس بلایا - اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد سسی نے کہا کہ کسی طرح پنوں کو یہاں بلاؤ - اس یوسف نے مجھے زلیخا کی طرح دیوانہ بنا رکھا ہے - اُنھوں نے بہت عذر اور منت کی مگر سسی نے ایک نہ مانی - آخر صلاح و مشورہ کے بعد ببن شہر کیچ کو روانہ ہوا، جب وہاں پہنچا تو دربار میں جا کر فریاد کی کہ پنوں کے لئے سسی نے ہمیں باندھ رکھا ہے - وہ وہاں جائے تو ہمیں آزادی ملے عالی خاں فرما رواے کیچ یہ قصہ سن کر حیران ہوا - پنوں نے جب ساری داستان سنی اور اُسے سسی کے حسن و جمال کا حال معلوم ہوا تو وہ بھمبور جانے پر تیار ہو گیا - عالی خاں اور اس کی بیگم نے لاکھ منع کیا لیکن وہ سنی ان سنی کر کے روانہ ہو ہی پڑا - جب یہ خبر عام ہوئی تو شہر میں کہرام مچ گیا - بیگم کی فرط غم سے بھوک پیاس بند ہوگئی- عالی خاں یعقوب وار اپنے یوسف کے لئے دھاڑیں

مار مار کر رویا ' لیکن سب بیکار - پنوں پر خاک اثر نہ ہوا - بھلا جب حضرت عشق ڈیرے ڈالیں تو عقل و شعور وہاں کیسے ٹھہر سکتے ہیں - اونٹوں پر محمل رکھے گئے اور وہ ہوا کی خبر لانے لگے —

یہ قافلہ ریگستان کو طے کر کے شہر بھنبور میں پہنچا اور نولکھے باغ میں جا اُترا - صحرانورد اونٹوں نے مہینوں سے گھاس کا تنکا نہ دیکھا تھا ' سرسبز اور شاداب باغ کو دیکھ کر اُن کے منہ میں پانی بھر آیا ' انھوں نے خوب ہاتھ صاف کئے اور تھوڑی دیر میں باغ کو برگ و بار سے سبکبار کر دیا - باغبانوں نے جا کر فریاد کی تو سسی سہیلیوں کے دل بادل جھرمٹ سے بجلی کی طرح چمک کر اُٹھی اور ایسا معلوم ہوا کہ یہ برق بلا عاشق تنوں کے خرمن حیات کو جلا کر خاک کردے گی - لیکن پنوں کو دیکھا تو قہر و غضب کے بادل چھٹ گئے اور وہ بھولی نہ سمائی پھر حکم دیا کہ پنوں رہے اور باقی سب لوگ کیچ واپس چلے جائیں - پنوں نے ماں باپ کے نام پیغام دئے اور انہیں الوداع کہکر سسی کے پہلو میں جابیٹھا اب سسی نے پنوں سے کہا کہ گو میں راجا کی بیٹی ہوں مگر دیکھنے کو میرے والدین دھوبی ہیں اور بغیر دھوبی کے وہ کسی سے میری شادی پر رضا مند نہ ہوں گے - اس لئے تم تھوڑی دیر کے لیے دھوبی بن جاؤ - پنوں نے بقول "رشتۂ در گردنم افگندہ دوست"- دھوبیوں کا بانا پہنا اور سسی کے ساتھ گھاٹ پر گیا - سسی نے ماں کو تو دو چار باتوں میں راضی کر لیا لیکن دھوبی نے اپنی تسلی کے لئے پنوں کا امتحان لینا چاہا کہ وہ دھوبیوں کے کام میں کس قدر ماہر ہے - اللہ کو اس کی عزت رکھنی منظور تھی' پنوں نے اندے کی طرح کپڑے اُجلے کر دکھائے - یہ سب حضرت عشق کے کھیل ہیں ' انھیں کے طفیل صنعان نے سور چرائے ' یہ شہزادہ ذرا دھوبی بن گیا تو کیا ہوا - اب اتا دھوبی نے بڑے پیمانے پر دعوت کی اور سسی کا نکاح پنوں کے ساتھ کر دیا - اور اچھا جہیز دے کر رخصت کیا - سسی پنوں فلک بے مہر کی چالوں سے بے پروا ہو کر چین کی زندگی بسر کرنے لگے —

اب اُدھر کا حال سنیے ۔ بہن اور بیبا روتے پیٹتے کیچ شہر میں پہنچے تو عالی خاں کو ساری واردات سنائی - اس کے ہوش اُڑ گئے اور بیگم پچھاڑیں کھانے لگی ۔ آخر وہ بہن پر برس پڑا اور اُس کی بری گت بنائی اور پنوں کے تینوں بھائیوں کو حکم دیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، جاکر پنوں کو لے آؤ- یہ تینوں شہزادے بڑے کار آزمودہ اور ریگستان کی راہوں سے خوب آگاہ تھے اور جلد بھمبور پہنچ گئے-پنوں سے ملے- گھر کا حال بیان کرکے پند و نصیحت کا دفتر کھولا - مگر پنوں نے کچھ قبول نہ کیا - جس کے دل و دماغ کا محافظ عشق ہو، وہ کسی کے فریب میں کس طرح آسکتا ہے - اب پنوں کے بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ سیدھی اُنگلیوں گھی نہیں نکلتا، پنوں کو بیہوش کرکے عالم بے خبری میں نکال لے جائیں ۔ وہ پنوں کے پاس گئے اور اُس سے کہا کہ ہم صبح وطن جائیں گے ، پھر خدا جانے کب مل بیٹھنا نصیب ہو، اس لئے آئیے ذرا جام و صراحی سے دل بہلائیں- چنانچہ سسی کی شرکت سے بزم عشرت منعقد ہوی اور مئے ارغوانی کا پیالہ گردش میں آیا - جب سسی اور پنوں دونوں مدھوش ہوگئے تو اُنھوں نے پنوں کو محمل میں ڈالا اور روانہ ہوگئے—

صبح کو سسی جاگی تو آغوش خالی دیکھ کر اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑگئے ، دیوانہ وار چاروں طرف ڈھونڈھنے لگی - باغ کا کونہ کونہ چھان مارا ، کوئیں میں بانس ڈالے مگر کچھ پتا نہ چلا - آخر بھانپ گئی کہ یہ کیچ والوں کی شرارت ہے - اور وہ اُسے جُل دیکر پنوں کو لے اُڑے ہیں - ماں اور سہیلیوں نے بہت سر مارا مگر سسی نے ایک نہ سنی ، پنوں کی تلاش میں تن تنہا نکل کھڑی ہوئی اور ریگستان میں تنکے چننے لگی- پاؤں میں چھالے پڑگئے، چلنے کی سکت نہ رہی ، پیاس کے مارے ہونٹ خشک ہوگئے- سسی کی حالت ایسی دردناک تھی کہ وحوش و طیور اُس پر رحم کھاتے تھے اس بیابان میں اُسے ایک گڈریا دکھائی دیا - اور وہ گرتی پڑتی اس کے پاس پہنچی- وہ حیران ہوگیا کہ یہ دھان پان دوشیزہ یہاں کس طرح آگئی - آخر کار اس نے حال پوچھا تو سسی نے اپنی رام کہانی کہہ سنائی - گڈریے نے کہا: بی بی تین دن

ھوے ایک قافلہ یہاں سے گذرا ' جو اونٹوں کو بگ ٹٹ دوڑائے جاتا تھا - ایک محمل میں ایک شخص پڑا اُونگ رہا تھا - ایسا معلوم ھوتا تھا کہ نشے میں ھے' اُس کی آنکھوں سے شعلے نکل رھے تھے' مگر اُسے سر پیر کی خبر نہ تھی- وہ اب سینکڑوں کوس نکل گئے ھونگے ' تو پا پیادہ اُنھیں قیامت تک نہیں پاسکتی- میرا کہا مان واپس ھوجا - ناحق جان پر نہ کھیل - سسی نے کہا : بھائی تو دل کی لگی کیا جانے ' محبت سے منہ موڑنا اپنا شیوہ نہیں - جان جاتی رھے تو جائے' مگر تلاش چھوڑدوں یہ محال ھے - گڈریا اپنا فرض ادا کرکے چلاگیا اور سسی وھیں تڑپتی رھگئی —

دوسرے دن گڈریا پھر وھاں آیا تو کیا دیکھتا ھے کہ اس حوروش کی بجاے ایک لاش پڑی ھے - ادھر جو پنوں کا نشہ اُترا اور صورت حال معلوم ھوئی تو وہ ماھی بے آب کی طرح تڑپنے لگا - اُس نے بھائیوں کو بہت ڈانٹا اور اونٹ کی مہار موڑکر بھمبور کی طرف چل پڑا - چلتے چلتے اس مقام پر پہنچا جہاں گڈریے نے سسی کی قبربنائی تھی تو وہ ٹھیرگیا اور گڈریے سے پوچھا یہ کس کی قبر ھے جس کی مٹی سے مجھے کسی کی خوشبو آرھی ھے- گڈریے نے کہا : ایک خوبصورت عورت تھی ' نام اُس کا سسی تھا ' پنوں پنوں پکارتی تھی ' میں نے اُسے بہت کہا کہ آبادی میں چل کر آرام کرے ' مگراُس نے قدم تک نہ اٹھایا - یہ سنکرپنوں غش کھاکر گرا ' قبر پھٹ گئی اور پنوں اُس میں جاگرا اور یہ محبت کے پتلے ایک دوسرے سے مل گئے —

اس خاکے میں ' ھاشم ' نے رنگ آمیزی کرکے اسے اور شوخ کردیا ھے - اس کے کلام میں شاعرانہ تکلف زیادہ ھے مگر ' برخوردار ' کے بے ساختہ اور بلا تکلف اشعار کا لطف کہاں - پلاٹ میں دو ایک جگہ تصرف کرکے قصے کو طویل اور زیادہ دلکش بنانے کی کوشش کی ھے ' داڑھی کو بڑہ گئی مگر مولوی ' مدن ' کی سی بات پیدا نہ ھوئی - ' ھاشم ' کے اھم تصرفات حسب ذیل ھیں :

(۱) دھوبی راجہ بھمبور کے پاس فریادی ھوئے کہ ' آتا ' دھوبی کی بیٹی جوان ھوگئی ھے' مگر وہ برادری میں کسی سے رشتہ نہیں کرتا - راجہ نے سسی کو طلب

کیا - اس نے حاضر ہوکر وہ تعویذ پیش کیا' جو راجہ نے اُس کے گلے میں ڈالا تھا —

(۲) غزنی سے ایک سوداگر تصویریں لے کر آیا اور شہر بھمبور میں تصویر خانہ سجایا - اِن تصویروں میں پنوں کی تصویر دیکھہ کر سسی نے اصل کا حال پوچھا اور سوداگر سے پتہ نشان لے کر سسی اس پر نادیدہ عاشق ہوگئی —

(۳) اس گڈریے کا نام 'کاکا' تجویز کیا ' وہ سسی کو دیکھہ کر ڈر گیا -

(۴) کاکا سسی کی قبر کا مجاور بن گیا -

(۵) شہد کی مکھیوں نے سسی کا حال زار دیکھکر پنوں کو ہوشیار کیا -

(۶) پنوں خودکُشی پر آمادہ ہوگیا تھا' اس لئے بھائیوں نے اسے نہ روکا -

سادگی اورمحاکات کے لحاظ سے گو برخوردار کادرجہ بہت بلند ہے' مگرجو قبول عام اور ہمیشہ بہار ہاشم کو نصیب ہوئی وہ متقدمین و متاخرین میں سے کسي کے حصے میں نہ آئی' پنجاب میں لوہڑی کے دن ہندو مسلمان ملکر سسي پنوں کا سوانگ نکالتے ہیں اور اس میں ہاشم کی سسی گاتے ہیں- اس لئے اس کے شعر پنجاب میں بچے بچے کی زبان پر ہیں —

سوانگ میں ایک اونٹ پر پنوں اور سسی ہمردیف ہوتے ہیں اور ایک ساربان اونٹ دی مہار پکڑے رہتا ہے ' یہ سب کسی قدر مکالمے کی صورت میں ہاشم کے شعر پڑھتے ہیں - فضل‌شاہ نے قصہ تو ہاشم سے لیاہےمگر ہر بات کو طول دیکر بتنگڑ بنا دیا ہے- قصے میں دلاویزی پیدا کرنے کے بجاے دادسخن دینے کی طرف توجہ کی- البتہ یہ زیادتی کی ہے کہ راجہ آدم جام سسی پر فریفتہ ہو جاتا ہے' اور جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسکی بیٹی ہے تو عرق ندامت میں غرق ہوجاتا ہے' "ایجاد بندہ مگر سراسر گندہ" اسی‌کو کہتےہیں —

سندھ

مولانا شرر لکھنوی بیان فرماتے ھیں کہ سندھ میں اس واقعے کو تاریخی منزلت حاصل ھے - عوام نے سسی پنوں کو اولیا کا مرتبہ دیا ھے - دلگداز بابت ستمبر سنہ ۱۸۹۸ میں تحفۃالکرام سے اخذ کر کے یہ قصہ اسطرح بیان کیا گیا ھے :

راجہ دلورائے کے زمانے میں سندھ کے ایک قدیم شہر بھام براہ میں نانیا نام برھمن رھتا تھا، جو ایک متوسط درجے کی عزت و حرمت سے اپنی بیوی سندر کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا - دونوں میاں بی بی کو مدتہائے دراز کی امیدوں کے بعد خدا نے ایک لڑکی عنایت' کی، جس کا حسن وجمال آفتاب پر چشمک زنی کرتا تھا - بدنصیبی سے نجومیوں نے زائچہ بناکے پیشگوئی کی کہ یہ لڑکی کسی مسلمان سے بیاھی جائیگی - ماں باپ کو یہ سن کے نہایت صدمہ ھوا اور اُنھوں نے اپنی عزت و آبرو بچانے کے لئے سنگدلی سے کام لیا - مگر ان کا یہی بے رحمانہ کام اس پیشگوئی کے پورا ھونے کا موجب بنا، جس کی بنا پر اُنھوں نے اپنے لخت جگر کو اپنے دامن شفقت سے جدا کیا تھا —

پیشگوئی سن کر سسی کے والدین کو عزت و آبرو کے خطرے نے اس قدر خوف دلایا کہ انھوں نے اپنے اس جگر گوشہ کو ایک چھوٹے سے صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا - تقدیر نے اس صندوق کی حفاظت کی اور موجیں بہا کر اسے شہر بھمبور میں لے گئیں —

شہر بھمبور میں ایک دھوبی رھتا تھا جس کا نام تونھیا تھا - مگر عام طور پر لالہ کے لفظ سے یاد کیا جاتا تھا - اس دھوبی کے پانچ سو شاگرد دریا کے کنارے کپڑے دھویا کرتے تھے - اگرچہ یہ سب بیٹوں کی طرح اس کی خدمت میں موجود تھے - مگر خدا نے حقیقت میں اسے اولاد سے محروم کر رکھا تھا، جس کی اسے بڑی تمنا تھی - وہ صندوق بہتے بہتے جب بھام براہ سے بھمبور پہنچا تو لالہ کے کسی شاگرد کے ھاتھ پڑا اور وہ اس صندوق کو اسی طرح بند اپنے مالک کے سامنے اُٹھا لایا -

لاله نے جو صندوق کھولا تو ایک چاند کے ٹکڑے کو اس میں دیکھ کر متحیر ہوگیا، فوراً نکال کے اپنے کلیجے سے لگایا - چونکہ اس کا چہرہ چاند کی طرح دمکتا تھا اس رعایت سے سسی نام رکھا اور اپنی بیٹی بنا کے پرورش کرنے لگا —

لاله کے دامن شفقت میں پرورش پا کے سسی بڑی ہوئی تو اس کا حسن و جمال زمانے کے لئے ایک فتنہ ہوگیا - جس کی نظر اس پر پڑی دل و جان سے فریفتہ ہوگیا - ہر صحبت میں اس کا تذکرہ ہونے لگا - اور مسافر اس کی یاد کو دل میں لے کے دور دراز ممالک میں پہنچے - الغرض اس طرح اس کے حسن عالم فریب کی شہرت ہر طرف پھیل گئی اور جا بجا لوگ اس کے نادیدہ عاشق ہوگئے —

اس زمانے میں چند قافلے سندھ سے مکران کو روانہ ہوے - جن کے پہنچتے ہی بعض تاجروں کے ذریعے سے سسی کے حسن کی تعریف شہر کش کے امیر کے بھتیجے پنوں کے گوش گزار ہوئی - وہ یہ تذکرہ سنتے ہی دل و جان سے عاشق ہوگیا اور جب کامیابی کی کوئی تدبیر نظر نہ آئی تو سوداگروں کا بھیس کر کے بے کسی سے کھیے سئے سندھ کو روانہ ہوا - بھمبور میں پہنچ کے جب سسی کی دلربا صورت دیکھی تو حضرت عشق کی آگ نے اس کے دل و دماغ پر اثر کیا - شوق وصل ایک سے دہ چند ہوگیا - جب کوئی اور صورت بنتی نظر نہ آئی تو مجبوراً پنوں کو سسی کے حسن سے فائدہ اُٹھانے کے لئے یہ تدبیر کرنی پڑی کہ دھوبیوں کی صورت بنا کے سسی کے باپ کے شاگردوں میں داخل ہوگیا اور دریا کے کنارے روز جا کے کپڑے دھونے لگا - اس طریقے سے پنوں کو یہ موقع مل گیا کہ روز سسی سے ملا کرتا تھا - آخر دونوں طرف سے محبت نے جوش کیا اور دونوں کے دل میں عشق کے شعلے مشتعل ہوگئے -

یہاں ایک سنارن رہتی تھی جو ان دونوں کی پاک محبت کو دیکھ نہ سکی - اُسے آتش حسد نے اندر ہی اندر جلا دیا - اس بنا پر اس نے آخر کار ایسی

فتنہ پردازیاں کیں کہ پنوں کے دل میں سسی کی طرف سے کچھ بدگمانی سی پیدا ہوگئی - مگر سسی نے اپنی پاک دامنی کا ثبوت نہایت ہی سخت اور کڑے امتحان میں کامیابی حاصل کرکے دیا - چنانچہ وہ آگ میں کُود کر خالص سونے کی طرح اس میں سے پاک و صاف نکل آئی - اس کے تھوڑے دنوں بعد ان عاشق و معشوق کی آپس میں شادی ہوگئی - اور وہ دونو اس شہر میں رہ کر کامیابی اور مقصد بری سے اپنی زندگی بسر کرنے لگے —

جب یہ حالات امیر کش کو معلوم ہوے تو اسے اپنے بیٹے کی اس فریفتگی اور از خود رفتگی پر نہایت طیش آیا - اس نے چند آدمی روانہ کئے کہ جس طرح بنے' پنوں کو خواہ برضا و رغبت' خواہ بجبر و اکراہ کش میں لے آئیں - یہ لوگ گئے اور خود پنوں کے گھر میں اُترے اور اس کے مہمان ہوے - لیکن رات کو جب پنوں اور سسی دونوں محو خواب تھے' ان لوگوں نے پنوں کو سوتے ہی میں اونٹ کی پیٹھ پر ڈال کے رسیوں سے باندھ لیا - اور سسی کو ویسے ہی سوتا پڑا رہنے دیا اور خود مکران کی راہ لی —

صبح کو جب سسی خواب ناز سے بیدار ہوئی تو پنوں اور رات کے مہمانوں کو غائب دیکھ کے رونے پیٹنے لگی - تمام کپڑے پھاڑ ڈالے' زیور اُتار کے پھینک دیا اور تن تنہا شوہر کی جستجو میں نکل کھڑی ہوئی - محبت نے پاؤں میں اتنی طاقت دے دی کہ گھر سے بہت دور تک اپنے یوسف گم گشتہ کی تلاش میں قدم اُٹھائے چلی گئی - کوئی چالیس کوس گئی ہوگی کہ پاؤں نے جواب دے دیا اور تشنگی کی یہ شدت ہوئی کہ لق و دق بیابان اور برہنہ پہاڑیوں میں گر کے زمین میں ایڑیاں رگڑنے لگی اور بالکل نزع کا سا عالم طاری ہوگیا - خدا کی قدرت سے وہاں ایک پانی کا چشمہ نمودار ہوا جس سے پانی پی کر سسی خوب سیراب ہوئی-

سیاحوں کا بیان ہے - کہ وہ چشمہ آج تک اسی جگہ پر موجود ہے اور صحرا نوردوں کے کلیجے ٹھنڈے کیا کرتا ہے وہ ہر موسم میں موجود رہتا ہے' نہ گرمیاں اسے خشک کرتی ہیں اور نہ بالو اس کے پانی کو جذب کرتی ہے -

کہتے ہیں کہ یہ واقعات مصیبت سسی نے اس شب کو خواب میں دیکھہ لئے تھے جس رات وہ دلہن بنائی گئی تھی اور اس کے ہاتھہ حنا آلود کئے گئے تھے —

وہاں رسم تھی کہ شب زفاف کو دلہنیں مہندی کی ایک ٹہنی ہاتھہ میں لے کے سویا کرتی تھیں - سسی جو ٹہنی ہاتھہ میں لے کے سوئی تھی' اسے اس نے محبت کی نشانی سمجھہ کے حفاظت سے رکھہ چھوڑا تھا - اس سفر غربت میں بھی وہ اس ٹہنی کو اپنے ساتھہ لیتی گئی - اس پہاڑی علاقے اور صحرا میں جب خدا نے اسے آب نوشیں سے سیراب کیا تو اس نے وہ ٹہنی اس چشمہ کے کنارے گاڑ دی تھی - خدا کی قدرت سے وہ ٹہنی جم گئی - وہی مہندی کی جھاڑی اس چشمے کے کنارے آج تک سسی کے خوں چکاں دل کو یاد دلا رہی ہے —

تھوڑی دیر سستا کے سسی پھر آگے بڑھی - چھہ ہی سات کوس چلنے پائی تھی کہ پھر پیاس کا غلبہ ہوا' چہرہ کملا گیا اور تھک کے بیٹھہ گئی - اتفاقاً یہاں ایک گڈریا اپنی بکریاں چرا رہا تھا- اس نے جو سسی کی صورت دیکھی اور پھر اسے تن تنہا پایا تو بے اختیار ہوگیا - دیر تک مبہوت کھڑا دیکھتارہا - آخر اس نے تجویز کی کہ سسی کو اپنے قابو میں لاے اور جہاں جی چاہے لے جاے - چنانچہ اس ارادے سے وہ قریب آیا اور سسی کو مخاطب کرکے کہنے لگا - چلو تم میرے ساتھہ چلو اور میری معشوقہ بنو - سسی نے ایک آہ گرم کھینچ کے کہا - تم یہ کتنا بڑا ظلم کررہے ہو میں اپنی جان سے مر رہی ہوں اور تم ایسی ناجائز خواہش ظاہر کرکے میرا دل دکھا رہے ہو - گڈریے نے زیادہ اصرار کیا اور کہا: کہ یہ ممکن نہیں کہ تم میری خواہش پوری نہ کرو - تب سسی نے عاجز ہوکے کہا اچھا اگر تم مجھے مجبور ہی کرتے ہو تو کوئی ایسی تدبیر کرو جس سے میری جان میں تو جان آے - مارے پیاس کے میرا دم نکلا جاتا ہے' کوئی ایسی چیز لادو کہ ذرا حلق تر کر لوں - اتنا سنتے ہی گڈریا خوش خوش اپنے گلے کی طرف دوڑا کہ تھوڑا سا دودھہ دوہ لائے - گڈریے کے جاتے ہی سسی نے درگاہ الہی میں التجا کی وہ اپنے معشوق کی ملاقات کے آب حیات پانے

سے مایوس تو ہو ہی چکی تھی، ظالم گڈریے کے پنجۂ ظلم و ستم سے مخلصی کی کوئی صورت اسے نظر نہ آتی تھی، اس لئے تنگ آکے اس نے دعا کی: بار آلہا مجھے اس صحرائی دیو کے پنجے سے نجات دے۔ اتنا کہنا تھا کہ وہ چٹان جس پر بیٹھی ہوئی تھی بیچ سے شق ہوگئی اور سسی کو اپنی گود میں لے کے پھر بند ہوگئی - سسی تو لعل بے بہا کی طرح پتھر کے کلیجے میں جا چھپی اور اس کی ساڑھی کا آنچل اس کی بیکسی یاد دلانے کے لئے باہر نکلا رہ گیا —

گڈریے نے جب واپس آکے یہ حال دیکھا تو اسے بڑی عبرت ہوئی، اپنی زیادتی پر بہت پچھتایا، خدا کی درگاہ میں توجہ کی اور اپنی ندامت مٹانے کے لئے اسی جگہ جہاں سسی پیوند کوہ ہوئی تھی، مقبرہ بنادیا —

اب پنوں کا حال سنئے کہ وہ ستم رسیدہ، درد ہجراں کشیدہ، جب زنجیروں میں جکڑا ہوا اپنے باپ کے سامنے پہنچا تو اس کی بیتابی و حسرتناکی اس شدت پر نظر آئی کہ باپ کو بیٹے کے مرجانے کا اندیشہ ہوگیا۔ اس لئے مجبور ہوکر اس نے پنوں کے بھائیوں کو بلا کے کہا: تم پنوں کو ساتھ لے کے سندھ جاؤ اور جہاں ملے اور جس طرح ممکن ہو اس کی معشوقہ کو ساتھ لے آؤ —

اپنے باپ کے حکم کی تعمیل میں پنوں کے بھائیوں کا ایک قافلہ اسے ساتھ لے کے سندھ کی جانب روانہ ہوا۔ جب یہ لوگ اس مقام پر پہنچے جہاں سسی پہاڑ میں زندہ دفن ہوگئی تھی تو پنوں اپنے سواری کے اونٹ سے اترا اور کسی انسان کے تازہ نشان قبر کو غور کی نگاہوں سے دیکھنے لگا - دل کے تعلقات کچھ ایسے بڑھے کہ وہیں بیٹھ کے سوچنے لگا اور بے اختیار اس کی زبان سے نکلا :

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

پنوں کو وہاں بیٹھے ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہی گڈریا نمودار ہوا اور پنوں کے پاس آ کے جب دیکھا کہ وہ ان آثار کا متجسس ہے تو اس نے سسی کی ساری حقیقت اس سے کہہ سنائی - پنوں فوراً سمجھ گیا کہ یقیناً یہ موری

ہی معشوقہ کا تذکرہ ہے - اپنے ساتھیوں سے کہا: میں ذرا اس قبر کی زیارت کر آؤں' اس شہید عشق کی تربت پر مجھے فاتحہ ضرور پڑھنا چاہئیے - اتنا کہہ کے مقبرے کے اندر گیا اور قبر سے لپٹ کے دعا مانگنے لگا کہ یا اللہ مجھے میری معشوقہ سے ملا دے فوراً وہ چٹان پھر شق ہوئی اور پنوں بھی اس میں سما گیا —

پنوں کے بھائیوں کو سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ رہا کہ روتے پیٹتے اپنے وطن کو واپس گئے اور وہاں جاکر والد کو ساری کیفیت سے اطلاع دی - وہ بھی اس درد و حسرت بھرے واقعہ سے نہایت محزون ہوا' مگر صبر کئے بغیر اور کر ہی کیا سکتا تھا —

لیکن مسٹر کن کیڈ نے جو سنہ ۱۹۱۸ ءمیں کرانچی میں متعین تھا- مسٹر ہوم شیل کی مدد سے جو کہانی سندھی مثنوی اور گیتوں سے اخذ کی ہے وہ تحفۃالکرام سے بہت مختلف ہے - سندھ گزیٹر میں اس کہانی کا ذکر بر سبیل تذکرہ ہے مگر شاید بخوف طوالت کہانی بیان نہیں کی گئی - صاحب موصوف کی کہانی جو ٹائمز آف انڈیا میں شائع ہو کر بہت مقبول ہوئی - عوام میں متداول ہے جسے ہم اپنے الفاظ میں مختصر طور پر پیش کرتے ہیں :

" ایک مدت کی بات ہے کہ سندھ میں ڈلورائے نامی ایک راجا راج کر تا تھا - اس راجہ نے نانوں برہمن کو اپنا منتری بنایا - نانوں کے گھر دھن دولت کی گنگا بہتی تھی ' ہیرے موتی کے انبار لگے تھے ' پر ہاں بچہ کوئی نہ تھا - جس کے لئے یہ میاں بیوی بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپتے تھے - یوگی ' سادھوں مہنت کی سیوا میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی - ہون ہوے ' یگ کرائے ' کنگالوں کو جھولیاں بھر بھر کر روپیہ پیسہ دیا ' کچھ نہ بنا - آخر نراس ہو گئے - تو ایک دن نانوں کی بیوی نے سن پایا کہ ایک بڈھا جوتشی کہیں سے آیا ہے- جو ہندوستانی اور یونانی دونوں ملکوں کی ودیا میں کامل ہے - نانوں گھر آیا تو بیوی نے اس جوتشی کا ذکر چھیڑا بچے کے بغیر زندگی اندھیری رات کے سمان

ھو تی ھے ' آ ئیے اس جوتشی کو بھی آزما دیکھیں - کیا معلوم کہ اس اندھیرے میں اُجالا ھو جاے- لوگ تو اس کی بڑی تعریف کر تے ھیں کہ اس جیسا پہنچا ھوا دنیا بھر میں کو ئی نہیں ' آ گے رام جا نے "- نانوں نے اس تجویز کی اونچ نیچ پر بہت سوچ بچار کیا' اور جب تسلی ھو گئی کہ اس میں کسی نقصان کا اندیشہ نہیں تو بیوی کو ھمراہ لے کر جوتشی کے آ شرم کی طرف چل پڑا —

جوتشی نے راج منتری کی بڑی آؤ بھگت کی 'اُنھیں کٹیا میں لےگیا آنے کا کارن پوچھا- منتری نے جوتشی کے قدم لئے اور ھاتھ باندھ کر کہنے لگا : " مہاراج بھگوان کا دیا سب کچھ ھے' پر لڑ کا بالا کو ئی نہیں - اس پھانس نے زندگی اجیرن کر رکھی ھے " جوتشی نے کچھ دیر سوچ کر پانسا پھینکا - اور رمل کے سارے قاعدے پورے کر کے بتایا : " منگل اور برھسپت کا سنجوگ ھے - مہاراج آپ کے ھاں ایک کنیا جنم لے گی پر اس کے لیکھ میں ایک مسلمان خاوند بدا ھے " - یہ سن کر منتری کے دل کو بڑا دکھ ھوا - اس کی آ نکھوں میں آ نسو بھر آ ے اور اس نے جوتشی کی بڑی منتیں کیں ' کہ وہ اس کی بیٹی کی قسمت کو بدل دے - جوشی کو اپنے معرز مہمان کی بہت خاطر منظور تھی ' مگر وہ قسمت کے لکھے کو نہیں بدل سکتا تھا - ناچار منتری اور اس کی بیوی رو تے دھو تے گھر گئے - دارو کے لیےگئے اور نیا روگ لے آ ے - کچھ عرصے کے بعد لڑکی پیدا ھو ئی - اس نے ارادہ کیا کہ یا تو پتھر سے لڑکی کا سر کچل دے یا آگ میں ڈالدے - برھمن کی بیوی لڑکی کی جان لینے کی روادار نہ ھوئی اور کہا کہ اگر اس سے کنارا ھی کر نا ھے تو صندوق میں بند کر کے سندہ میں ڈالدیجے - برھمن نے ایک صندوق منگوایا اور سو تے ھوے بچے کو صندوق میں رکھا - ایک تھیلی اشرفیوں اور مو تیوں کی ڈال کر تالا لگا دیا - پھر اسے دریا میں پھنکدیا - صندوق بہتا بہتا شہر بھمبور میں پہنچا - وھاں محمد نامی ایک دھوبی صندوق کو باھر لے گیا - کھولا تو اس میں ایک لڑکی پڑی تھی - لڑکی کو صندوق سے نکالا تو اشرفیوں اور موتیوں کی ایک تھیلی ھاتھ لگی - اس کی خوشی کی کو ئی

حد نہ رہی اور لڑکی اور تھیلی کو اٹھا کر گھر دوڑا ' اس کی بیوی جو دن رات
اولاد کے لئے دعا مانگتی رہتی تھی ' نہال ہو گئی اور انھوں نے اس لڑکی کو اپنی
بیٹی بنا لیا اور اس کا نام سسی رکھا - (جسے ماہ لقا سمجھیے یا بدر النسا کہئے) چند
سال گذرے تو سسی جوان ہو گئی - بچپن کا حسن نکھر کر شباب کے سانچے میں
ڈھلا - جدھر جاتی انگلیاں اٹھتیں اور لوگ گھنٹوں گھورتے ' اپنا کام کاج چھوڑ کر
گھاٹ پر پڑے رہتے - دھوبی نے اشرفیوں کی تھیلی سے سسی کے لئے اچھے سے اچھا
کپڑا اور عمدہ سے عمدہ زیور خریدا ' ایک دو منزلا مکان تعمیر کیا ' جس کے گرد
ایک دلکشا باغ احاطہ کئے تھا - یہاں سسی اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی -

اس زمانے میں ایک بلوچ سردار جام علی کی بہادری اور فتحمندی کی
بڑی دھوم تھی - اور اس کی قوم نے اسے کیچ اور کوہستان کا بادشاہ تسلیم کر لیا
تھا - جام علی کے چنوں ' پنوں ' ہوتو ' نکرو ' اور نوتو ' پانچ بیٹے تھے - اگر چہ
یہ سب بہادر اور شکیل نوجوان تھے ' مگر پنوں سب سے بڑھ چڑھ کر تھا ' اس بلوچ
سردار کی دور دور تک دھاک بیٹھ گئی تھی ' کاروان محصول ادا کرتے تھے '
اور ارد گرد کے علاقے میں اگر کوئی سر اٹھاتا تھا تو اس کے بیٹے اسے ٹھیک
بنا دیتے تھے - سسی کی خوبصورتی کی شہرت اس دور دراز ملک میں بھی
جا پہنچی اور اس کے خیال نے پنوں کے دل میں گھر کر لیا - ایک دن بہو نامی
ایک سوداگر کوہستان میں آیا - جام علی نے اس کی بڑی خاطر مدارت کی اور
اس کی باتوں اور ادب و آداب سے اس قدر خوش ہوا کہ تمام محصول معاف کر دیا -
تھوڑے دنوں میں بہو نے تمام مال فروخت کر لیا اور دوسری جگہ جا کر بیچنے کے
لئے نیا مال خریدا - اس نے جام علی سے رخصت چاہی تا کہ بھمبور شہر جا کر اپنا مال
بیچ سکے - جام علی بڑی مشکل سے اس کے جانے پر رضا مند ہوا - لیکن جب پنوں کو
الوداع کہنے آیا تو پنوں نے اسے چپکے سے کہا کہ : بھمبور میں
سسی کو ڈھونڈھنا اور مجھے خفیہ اطلاع دینا کہ آیا واقعی وہ

ایسی ہی حسین ہے —

بہو نے مسکرا کر اس کام کی ہامی بھری اور اس کا کاروان بھمبور روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو بہو نے ایک مکان لے کر وہاں اپنا مال سجایا ۔ چند دنوں میں اس کے مال، اس کی خوبصورتی اور جوانی کا شہر بھر میں شہرہ ہوگیا اور اس کے مکان پر عورتوں مردوں کا تانتا بندھ گیا ۔ ایک دن بہو کا اس مکان کے پاس گذر ہوا، جہاں سسی رہتی تھی ۔ اس وقت سسی اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی، اس نے بالا خانے کی کھڑکی سے بہو کو گلی سے گذرتے دیکھا ۔ بہو کی خوبصورتی نے اس کے دل پر بڑا اثر کیا اور اس نے اپنی سہیلی سے جس کا نام سکھی تھا کہا کہ جاکر اسے اُوپر لے آئے ۔ بہو کو پیغام ملا تو وہ تھوڑا سا قیمتی مال لے کر سکی کے ساتھ سسی کے پاس گیا ۔ وہ مال کھول کر دکھا رہا تھا کہ سسی نے اس کے کان میں کہا : " اے سوداگر تونے میرا دل چھین لیا ۔ اب میرے دل میں تم ہی بس رہے ہو " ۔ پہلے تو بہو نے کچھ جواب نہ دیا، لیکن جب نظر بھر کر سسی کو دیکھا تو اس کے حسن کا قائل ہوگیا ۔ اس نے دل میں کہا کہ گو یہ لڑکی دھوبن ہے مگر حسن کے لحاظ سے پنوں کے لائق ہے ۔ سوچ کر اس نے سر ہلایا اور جواب دیا کہ " مجھ پر اپنی محبت ضائع نہ کیجیے، میں ایک شخص پنوں کو جانتا ہوں جو مجھ سے زیادہ خوبصورت اور آپ کے قابل ہے ۔ میں تو ایک معمولی آدمی ہوں اور وہ ایک فیاض شہزادہ ہے ۔ میں ایک ادنیٰ تاجر ہوں اور سارا کیچ اور وہستان اس کی اطاعت کا دم بھرتا ہے ۔ وہ پاس سے گذرے تو بھکاری کے گھر میں دھن برسنے لگے ۔ اس کے پاس گھوڑے، اونٹ، چاندی سونے کے خزانے، سپاہی، دربان اور منشی متصدی ہیں اور سچ پوچھئے تو میں بھی اسی کا ایک نوکر ہوں ۔ میں نے اسکی خوبصورتی کا اسلئے ذکر نہیں کیا کہ مجھے اس کے لئے لفظ نہیں ملتے اسے دیکھ کر ہی آپ اس کے حسن کا اندازہ لگا سکتے ہیں ۔ خدا کرے کہ آپ

کی اُس سے ملاقات ہو ''—

سوداگر کی زبان سے پنوں کی اس قدر تعریف سن کر سسی کا دل اُس کی طرف مائل ہوا - اور اُس نے بھو سے کہا کہ وہ اس خوبصورت نوجوان کو بلا کر اسے دکھائے - بھو سسی سے رخصت ہو کر گھر پہنچا تو اس نے ایک منشی بلوا کر اس سے دو خط لکھوائے - ایک خط میں یہ لکھا تھا کہ '' میں نے سسی کو دیکھا ' بے شک وہ چاند کا ٹکڑا ہے - اگرچہ دھوبن ہے' مگر خدا نے اسے دولت حسن سے مالا مال کردیا ہے - ایک سوداگر کے بھیس میں جلد تشریف لائیے اور عطر و عنبر کے بوجھ ساتھ ہونے چاہیئں '' - دوسرے خط میں یہ تحریر تھا کہ '' میری مدد کیجیے بھمبور کے لوگوں نے میرا سارا مال چھین لیا ہے اور مجھے قید کر رکھا ہے ' وہ مجھ سے محصول طلب کرتے ہیں - شہزادہ پنوں ! یہ خادم صرف آپ کے بھروسے پر جی رہا ہے ' مایوس نہ فرمائیے اور جلد تشریف لائیے —

یہ خط اُس نے ایک شتر سوار کو دئے' جو جلد پنوں کے ملک میں پہنچ گیا - قاصد نے پنوں سے زبانی کہا کہ پہلا خط صرف اس کی ذات کے لیے ہے اور دوسرا وہ اپنے باپ کو دکھا سکتا ہے - پہلا خط پڑھ کر پنوں کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی ' دوسرا اس نے اپنے باپ کو سنایا تو وہ غصے سے بیتاب ہو گیا - اس کی زندگی میں اس کے دوست بھو سوداگر کی یہ گت بنے اور وہ بیٹھا دیکھا کرے' یہ کیسے ہوسکتا تھا - اُس نے پنوں کو حکم دیا کہ '' فوراً جاؤ ' اس کے دشمنوں کو تلوار کے گھاٹ اتارو اور اسے آزاد کرو '' —

پنوں نے قاصد کو یہ پیغام دے کر رخصت کیا کہ اسے پہنچا سمجھو اور آپ سفر کی تیاری کرنے لگا - عطر و عنبر سے بہت سے صندوق بھرے' انھیں چھکڑے سے اونٹوں پر بار کیا - گنگا جمنی مخمل دھوپ میں چمک رہے تھے اور اونٹوں کے گلے میں مالا اور گھنگرو پڑے تھے - پنوں اور اس کے ہمراہیوں نے زر دوزی کپڑے پہنے ' سروں پر بڑے گھیر کی پگڑیاں باندھیں - ان کے پاجامے سبز رنگ کے تھے -

کندھوں پر سفید ریشمی رومال پڑے تھے' جن پر سنہری رپہلی لیس ٹکی تھی۔ جب پنوں کی جماعت روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئی تو جام علی اپنے بیٹے چنوں کو لے کر الوداع کہنے کے لئے آیا - اور پنوں سے کہا کہ چنوں کو ساتھہ لیجاؤ ' کام آے گا اور پنوں کو جلد واپس آنے کی تاکید کی - پنوں ماں باپ سے رخصت ہو کر روانہ ہوا - رات ہوئی تو پنوں نے کھیربیلہ میں قیام کیا - صبح ہوئی تو سارا گاؤں اس قافلے کو دیکھنے آیا - اس موضع کھیربیلہ میں سجن نامی ایک البیلی چھبیلی سنارن رہتی تھی ' جب اس نے پنوں کو دیکھا تو وہ دل و جان سے اس پر فدا ہوگئی اس نے ایک بوڑھیا کے ہاتھہ پیغام بھیجا کہ وہ اس کا مال جواہرات کے عوض خریدنا چاہتی ہے - مگر پنوں نے کہا کہ یہ مال بکاؤ نہیں ' مجھے اس کی بھمبور میں ضرورت ہے - اصرار کرنے پر سجن کی دعوت قبول کی اور ایک رات اور ٹھیرنے پر رضا مند ہو گیا - دوسرے دن سجن دامنگیر ہوئی مگر پنوں نے روانگی کا حکم دیدیا —

جب شہر کے قریب پہنچے تو پنوں نے بہو کو بلایا اور اس کے مشورے سے شہر کے جنوب میں ڈیرے ڈالے اور سوداگروں کی طرح دکانیں لگائیں - جب سسی کو معلوم ہوا کہ ایک بہت بڑا سوداگر آیا ہے تو وہ بھانپ گئی کہ اس سوداگر کے پردے میں پنوں جلوہ دکھا رہا ہے اور بہو کے کہنے پر وہ جھٹ اپنی سہیلیوں کے ساتھہ نئے سوداگر کے بازار کی سیر کرنے کے لئے چل پڑی - جب وہاں پہنچی اور سسی اور پنوں کی آنکھیں چار ہوئیں تو اُنھیں کوئی سدھ بدھ نہ رہی اور وہ ایک دوسرے کے لیے وقف ہو گئے - دونوں کے دلوں میں آتش عشق پھر بھڑک اٹھی - جب سسی گھر واپس گئی تو اُس نے اپنی محرم راز سہیلی سکی سے کہا : آنکھیں اشکبار ہیں' کلیجے میں ہوک اُٹھہ رہی ہے - اگر کسی طرح پنوں کو لے آؤ تو خیر ' نہیں تو سمجھو کہ میری جان کی خیر نہیں " - سکی نے اس کو باتوں میں بہلانا چاہا لیکن سسی نے اس وقت تک دم نہ لیا ' جب تک سکی نے یہ وعدہ نہ کیا کہ وہ اس کے والدین کو اسبات پر راضی کرے گی کہ سسی کی شادی پنوں سے ہوجاے -

دوسرے دن سکی نے سسی کی ماں سے یہ ذکر چھیڑا اور کہا کہ سسی کے لیے اس سے بہتر بر ملنا محال ہے - خوبصورت گبرو جوان اور اس پر مال دار اور کیا چاہئیے-
سسی کی ماں نے کہا : یہ تو خیر ہوا ' پر یہ تو بتاؤ کہ اس کی ذات کیا ہے - اتنے میں محمد آ گیا اور سسی کی ماں نے ساری بات کہہ سنائی - یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اتفاق سے ببو گلی سے گذرا - اسے دیکھکر سکی نے کہا : " وہ دیکھو سوداگر کا منشی جا رہا ہے ' اُسے بلا کر ذات پات پوچھ لیجیے " - محمد گیا اور اسے لے آیا - ببو نے سوال کا مطلب پا کر جواب دیا - " اُس نے مجھ سے بار ہا کہا ہے کہ وہ کسی زمانہ میں دھوبی کا کام کرتا تھا لیکن اپنے وطن سے بھاگ آیا اور یہاں سوداگری شروع کر دی " - یہ سن کر محمد نے ببو سے کہا کہ پنوں کو اپنے گھر بلا کر اُس سے ملائیے - پنوں خوشی سے ببو کے مکان پر آکر محمد سے ملا - محمد نے پنوں کا امتحان لینے کے لئے کہا - " میں نے سنا ہے کہ تم ذات کے دھوبی ہو ' ذرا ان کپڑوں کے دھونے میں میرا ہاتھ بٹاؤ " یہ کہہ کر محمد نے شہزادے کو کچھ ریشمی کپڑے اور صابون دیا - ببو نے شہزادے کو بتادیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو دھوبی ظاہر کرے - اس لئے اُس نے کپڑے لے لئے اور گھاٹ کو چل پڑا- وہ حیران تھا کہ یہ کام کس طرح سرانجام ہوگا - رستے میں اُس کا بھائی ' چنوں ' ملا اور کہنے لگا : یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں ' کیا تم سچ مچ ایک دھوبن سے شادی کرکے ہمیں کلنک کا ٹیکا لگاؤ گے " - پنوں نے جواب دیا : "بھائی یہ تو من بھاتے کا سودا ہے ' جب دل آگیا تو کہاں کی دھوبن اور کہاں کی رانی " - چنوں یہ جواب سن کر دم بخود کھڑا رہا اور پنوں نے گھاٹ کا رخ کیا - کپڑے دھونے میں اس نے ایسا زور لگایا کہ اُن کے پرخچے اُڑ گئے - ان دھجیوں کو پنوں حیرت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا کہ سسی مسکراتی ہوی اُس کے پاس آئی اور کہا : کوئی فکر کی بات نہیں ' ہر ایک کپڑے کی جیب میں ایک اشرفی ڈالدو ' کوئی بولے گا بھی نہیں- پنوں نے ایسا ہی کیا ' اور جب ان کے مالکوں کو کپڑے دینے گیا تو اُنھیں

کہتا آیا کہ بھائی کپڑوں کے ساتھ اُن کی جیبوں کو بھی دیکھ لینا - کپڑوں کا حال دیکھا - وہ بگڑنے کو تھے لیکن اشرفی دیکھ کر اُن کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا - جب محمد کو معلوم ہوا کہ پنوں نے کپڑے دھوکر لوگوں کے پہنچا دیے - اور کسی نے شکایت نہیں کی تو اُسے اطمینان ہوگیا کہ پنوں واقعی دھوبی ہے - اُس نے بڑی دھوم دھام سے سسی اور پنوں کی شادی کر دی - لیکن چنوں اس میں شریک نہ ہوا اور ناراض ہو کر وطن کو چلا گیا - وہاں جا کر اس نے سارا قصہ جام علی ' کو سنایا تو وہ آگ بگولا ہوگیا - اس نے پنوں کے تین بھائیوں ' چنوں ' ' ہوتو ' اور ' نوتو ' کو حکم دیا کہ فوراً پنوں کو لے آئیں - یہ تینوں شہزادے بھمبور پہنچے اور دل میں کھوٹ رکھ کر خندہ پیشانی سے پنوں سے ملے اور بھائی اور بھابی پر سے صدقے اُتارے - پنوں اور سسی کو اُن کی نیت پر کوئی شک نہ ہوا - چنوں نے اس سے کہا کہ ' جام علی ' نے شادی منظور کرلی ہے اور اس خوشی میں وہ سب مل کر رات دن رنگ رلیاں منائیں گے - ایک شب کو شہزادوں نے شراب میں داروے بے ہوشی ملائی اور پنوں اور سسی کو پلادی - آدھی رات کے وقت جب ان پر نیند غالب آئی تو انھوں نے پنوں کو سسی کے آغوش سے نکال کر اونٹ پر ڈالا اور فوراً کیچ کو روانہ ہوے - جب صبح کو سسی بیدار ہوی اور پنوں کو نہ پایا تو وہ دھاڑیں مارکر رونے لگی - ہمسائے اکھٹے ہوگئے اور دم دلاسا دینے لگے - سسی پنوں کو ڈھونڈھنے کے لئے تن تنہا چل پڑی - ' سکی ' کے سوا سب نے اس کے روکنے کی کوشش کی مگر اس نے ایک نہ سنی —

اونٹوں کے پاؤں کے نشانوں پر سسی پاپیادہ روانہ ہوی - دن بھر چلتی رہی مگر اُس کا پتہ نہ ملا - شام کو ایک گڈریے کی جھونپڑی پر پہنچی اور اس سے پوچھا کہ ادھر سے کوئی قافلہ تو نہیں گذرا - گڈریا سسی کے حسن کو دیکھ کر مبہوت سا ہوگیا - اور جواب دینے کے بجاے گھسیٹ کر اندر لے جانے کی کوشش کرنے لگا - سسی نے اس مصیبت میں پہلے پنوں کو یاد کیا ' پھر بلند آواز سے یہ دعا مانگی :

"یا رحیم و کریم! زمین کو حکم دے کہ پھٹ جائے اور مجھے اپنے آغوش میں لے لے"۔
خدا کا کرنا دھرتی ماتا کا منہ پھٹ گیا اور سسی گڈریے کی گرفت سے نکل اس میں جا پڑی - شگاف مل گیا مگر سسی کے دوپٹے کا دامن باہر رہ گیا - گڈریا یہ دیکھ کر مارے خوف کے اپنی جھونپڑی میں جا چھپا —

اب پنوں کا حال سنئے - دوپہر کو اُسے ہوش آیا تو وہ اپنے آپ کو اُونٹ کی پشت پر دیکھ کر حیران رہ گیا - پہلے تو خواب سمجھا ' لیکن جب اُسے معلوم ہوا کہ یہ عالم بیداری ہے تو اُس نے 'چلوں' سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے - جب اُس کے بھائیوں نے اُسے بتایا کہ وہ اُسے 'جام علی' کے حکم سے کیچ لیجا رہے ہیں تو وہ اونٹ سے کود پڑا - اُس کے بھائیوں نے اُس کے پکڑنے کی کوشش کی تو اُس نے تلوار نکال لی - سب الگ کھڑے ہوگئے - پنوں بھمبور کی سمت چل پڑا - چلتے چلتے اس جگہ پہنچا ' جہاں سسی گم ہوئی تھی - وہاں سے گڈریا ملا - اس نے دریافت کیا کہ اس نے کسی عورت کو سر گرداں پھرتے تو نہیں دیکھا؟ کیونکہ اسے یقین تھا کہ سسی نچلی نہ بیٹھیگی - گڈریے نے کہا کہ اس کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے ایک عورت یہاں ماری ماری پھر رہی تھی اور اسے زمین نگل گئی - اور اسکے ثبوت میں سسی کا آنچل دکھایا ' جو قبر سے باہر ہوا میں اُڑ رہا تھا - شہزادے نے فوراً پہچان لیا اور اللہ سے دعا کی کہ وہ بھی زمین میں سما جاے - اللہ نے اس کی دعا قبول کی - زمین پھٹی اور پنوں سسی کے پہلو میں جا پڑا - شگاف پھر بند ہوگیا - اس طرح شہزادہ اور دھوبن ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے مل گئے —

یہ ہے سسی پنوں کی داستان ' جو سندھ اور پنجاب میں مختلف طور پر بیان کی جاتی ہے - چونکہ یہ سندھ کی سرزمین کا واقعہ ہے ' اسلئے روایات سندھ حکایات پنجاب پر مرجح ہیں - لیکن پنجابی میں جو قصہ برخوردار نے تیار کیا ہے '

وہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے - قصے کے دلچسپ ہونے میں کلام نہیں - لیکن اسے حضرت شرر مرحوم کی طرح تاریخی واقعہ تسلیم کرنے میں تامل ضرور ہے - مشرقی تاریخوں میں ایسے قصے اکثر زیب داستان کے طور پر بیان ہوئے ہیں - لیکن ان چیزوں کو امر واقعہ کی منزلت حاصل نہیں ہوسکتی- لفٹننٹ برٹن اور مسٹر اوسٹن ا کی رائے میں اس قصے کی اصلیت کچھ بھی نہیں - اور یہ فرضی ایک کہانی ہے - مولانا شرر کا یہ فرمانا کہ خلاف قیاس حاشیے کو چھوڑ کر اگر غور کیا جائے تو اصل قصے کے صحیح ہونے میں شک باقی نہیں رہتا - محض تکلف ہے - ورنہ تاریخ سندھ کا یہ مصنف اس پر مزید روشنی ڈالتا —

ہاں صاحب تحفۃالکرام وثوق سے فرماتے ہیں کہ اس کے آثار و نشان ان کے عہدتک موجود تھے اور ان شہیدان عشق کا مزار مرجع خاص و عام تھا - لیکن صرف انکے کہنے کو کون باور کرے جب تحقیق و تدقیق سے انکی تائید میں نہ ہو -

عوام کی رائے میں سسی اور پنوں ہنوز زندہ ہیں اور جو بھولا بھٹکا مسافر انکے مقبرے کے پاس آتا ہے، اسکی خبر گیری کرتے ہیں اور غیب سے انہیں کھانا بھی مل جاتاہے-ان میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ اسمعیل نام ملتان کے ایک درویش نے سسی اور پنوں کو زندہ دیکھا- کئی شخصوں نے اس قسم کے واقعات بیان کئے ہیں - مگریہ باتیں پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں اور تحقیق کے معیار پر پوری نہیں اترتیں —

اس قصے میں اظہار محبت کی ابتدا عورت کی طرف سے ہوتی ہے جو خالص ہندی اسلوب ہے، اسکے بر عکس عرب اور عجم میں اسکا آغاز مرد کی طرف سے ہوتا ہے - اسلئے قیاس یہ ہے کہ اس قصے کی بنیاد کسی ہندوستانی نے ڈالی اور یہ قصہ اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جبکہ ہندو عورت اور مسلمان مرد میں ازدواج نے رواج نہ پایا تھا اور ہندو ایسے تعلقات کو جائز نہیں سمجھتے تھے اس سے زیادہ اس قصے کی تحقیق پر مزید روشنی نہیں پڑتی -

سنیما کی چادر پر

تھیٹر والوں نے اس قصے کی جو مٹی پلید کی ہے، بیان سے باہر ہے مگر سنیما کے ڈھب کی چیز تھی وہ اسے لے اڑا۔ آجکل سنیما نواز حضرات کی نگاہ میں سسی پنوں کا فلم ہندوستانی صنعت فلم سازی کی بہترین پیداوار ہے سنیما میں یہ قصہ دھوبی کے دریا سے صندوق پکڑنے سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے قبل کے واقعات کو بجا طور پر نظری کردیا ہے۔ اور سسی کی علالت کے سلسلے میں ایک طبیب آکر سامان مزاح پیدا کرتا ہے، یہ تصرف مذاق سلیم برداشت نہیں کرتا۔ بھلا اس زور کی ٹریجڈی میں ہنسی مذاق کو کیا دخل۔ اتصاد جذبات کا فقدان آرٹ کے متبائن ہے۔



تبصرے

ادب

مذهب و اخلاق

تاریخ و سیر

متفرق

اُردو کے جدید رسالے

ادب

سیر المصنفین جلد دوم

(از جناب محمد یحییٰ صاحب تنہا بی اے، ال ال بی۔
جامعۂ ملیہ پریس دہلی — قیمت تین روپے)



سیر المصنفین کی یہ دوسری جلد ہے - پہلی جلد اس سے قبل شایع ہوچکی ہے اور ان اوراق میں اس پر تبصرہ بھی ہوچکا ہے- اس جلد میں سر سید احمد خاں، مولوی چراغ علی، مولوی محمد حسین آزاد، مولوی ذکاءاللہ، مولوی سید علی بلگرامی، مولوی نذیر احمد، خواجہ الطاف حسین حالی، مولانا شبلی، مطبع منشی نولکشور، پنڈت رتن ناتھ سرشار، مولوی عبدالحلیم شرر کے حالات اور ان کی تالیف و تصنیف کا ذکر ہے - مولف نے مختلف ماخذوں سے سلیقے کے ساتھ ان بزرگوں کے حالات ایک جا جمع کردئے ہیں، اُن کی تالیفات و تصنیفات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور آخر میں ان کی تحریر کے نمونے بھی لکھ دیے ہیں- ہر مصنف کے طرز تحریر اور اس کی تالیف وتصنیف پر تنقیدی راے بھی لکھی ہے- تنقیدی حصہ ایسا ہے کہ اس میں اختلاف کی بہت گنجائش ہے لیکن حالات بہت خوبی سے اور صاف اور اچھی عبارت میں لکھے ہیں - یہ چلتے مصنفین ہیں اردو پر ان کا بڑا احسان ہے اور ان پر جس قدر ایسی کتابیں لکھی جائیں قابل قدر ہیں —



تاریخ ادب اُردو

(مصنفہ جناب بابو صاحب سکسینہ ایم اے، ال ال بی۔ مترجمہ جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی اے۔ مطبع نول کشور)

—•—

اصل کتاب پر جو انگریزی میں شایع ہوئی تھی، تبصرہ ہوچکا ہے – یہ اس کا ترجمہ ہے۔ اردو ترجمے میں بعض باتوں اضافہ کی گئی ہیں - جس سے کتاب زیادہ خوشنما، دلچسپ اور مکمل ہوگئی ہے – مثلاً انگریزی کتاب میں کلام کا نمونہ درج نہ تھا اور نہ اس میں ضرورت تھی، لیکن ترجمے میں بعض بعض مصنفین و شعرا کے کلام کا نمونہ بھی درج ہے۔ کہیں کہیں حذف و اضافہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔ اکثر شعرا اور مصنفین کی تصویریں بھی دی ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ قابل مصنف نے بعض خامیوں پر نظر ثانی فرمائی ہے اور بعض غلطیوں کی تصحیح کی ہے ۔ مگر اب بھی بعض غلطیاں رہ گئی ہیں - مثلاً شیخ شہن الدین گنج العلم کی اردو تصانیف کا ذکر جو محض فسانہ ہے - اس طرح سے یقین سے نہیں کرنا چاہئے - اب تک ان کی کوئی تصنیف ایسی نہیں معلوم ہوئی ہے جو اُردو یا کسی دیسی زبان میں ہو - یا دہ مجلس کو مشہور شاعر ولی سے منسوب کرنا، حالانکہ یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ گیا ہے کہ دہ مجلس کا مصنف اسی نام کا دوسرا شخص ہے - یا میر صاحب (میرتقی) کے والد کے نام کے متعلق یہ کہنا کہ چونکہ ذکر میر میں میر صاحب نے کہیں اپنے والد کا نام نہیں لکھا اس لئے ان کا نام میر عبداللہ ہی ہوگا۔ یہ صحیح نہیں۔ میرصاحب اپنے والد کو میر جگت علی متقی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور دوسروں کی زبان سے بھی یہی نام کہلوایا ہے۔ البتہ جب میر صاحب اپنے والد کے مرنے پر امیرالامرا صمصام الدولہ بہادر کی خدمت میں حاضر ہوے تو امیرالامرا نے اپنے برادر زادہ خواجہ محمد باسط سے جو انہیں نواب کے پاس لے گئے تھے، پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ تو خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ " از میر محمد علی است " - اس سے شبہ ہوتا ہے کہ غالباً میر صاحب کے والد کا نام میر محمد علی تھا - اس قسم کی بعض غلطیاں اور بھی ہیں مگر اس سے کتاب کی قدر و قیمت میں کوئی کمی نہیں ہوتی - اُردو ادب کی تاریخ پر اس وقت اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں اور بابو صاحب کی محنت اور کوشش بہت قابل قدر ہے—

ہم بابو صاحب کو مبارک باد دیتے ہیں کہ انہیں مترجم بھی مرزا محمد عسکری

صاحب جیسے قابل شخص ملے ہیں - مرزا صاحب نے ترجمہ ایسا اچھا کیا ہے کہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتا —

کتاب بہت اچھی چھپی ہے، کاغذ بھی عمدہ لگایا گیا ہے اور مجلد ہے - غرض سب خوبیاں موجود ہیں —

منتخبات عود ہندی

(از جناب مولوی حافظ شاہ علی احسن صاحب مارہروی، اُردو لکچرار انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڈھ - صفحات مع مقدمہ وغیرہ ۳۶۱- قیمت دو روپے) —

یہ انتخاب جناب احسن صاحب کا ہے - اس میں کل ۱۲۸ خط ہیں اور ہر ایک کے نام کے الگ الگ کردیے ہیں- چونکہ یہ انتخاب یونیورسٹی کے ایف - اے کے نصاب میں ہے لہذا ایسی بحثیں خارج کردی گئی ہیں جن کا تعلق خالص فارسی ادب سے ہے - شروع میں احسن صاحب نے ۶۶ صفحے کا مقدمہ مرزا غالب کے حالات اور اُن کے کلام کی خصوصیات پر لکھا ہے - اور آخر میں ۸۷ صفحے پر حواشی ہیں جن میں مشکل مقامات اور مشکل الفاظ کا حل درج ہے - یہ انتخاب یونیورسٹیوں کے نصاب کے لئے بہت موزوں ہے —

ادبی خطوط غالب

(مرتبۂ مرزا محمد عسکری صاحب بی - اے لکھنوی، مصنف یا نول کشور پریس سے مل سکتی ہے - قیمت دو روپے، صفحات ۳۰۴)

یہ مرزا غالب کے ایسے خطوں کا مجموعہ ہے جن میں مرزا صاحب نے ادبی نکات حل کئے ہیں، اشعار کے معنے سمجھائے ہیں اور شعرا کے متعلق رائے زنی کی ہے - شروع

میں ۵۳ صفحے کا دیباچہ قابل مرتب صاحب نے لکھا ھے ' جس میں مرزا صاحب کی طرز تحریر اور ان کے خطوط کی خصوصیات پر بحث کی ھے - ہر رقعے میں جو جو ادبی نکات یا مباحث آئے ہیں ان کے عنوان الگ الگ لکھہ دیے ہیں جس سے پڑھنے والے کو بڑی آسانی ہوجاتی ھے - ان تمام رقعوں کی تعداد ۹۶ ھے - آخر میں ۱۲۴ صفحے کا ضمیمہ ھے' جس میں اُن تمام اصحاب کے حالات ہیں' جن کے نام یہ رقعے لکھے گئے تھے - یہ ضمیمہ بہت دلچسپ اور کار آمد ھے - مرزا محمد عسکری صاحب کی یہ ادبی سعی بہت قابل شکریہ ھے —

اُردو محاورات و ضرب الامثال

[مؤلفہٗ مولوی محمد اسمعیل صاحب سابق اسسٹنٹ گورنمنٹ آف انڈیا سکریٹریٹ یی ڈیلہوزی ہملہ- ملنے کا پتہ: حاجی عبدالقیوم صاحب تاجر کتب کلکتہ ویلسلی اسکوائر نمبر ۱۶ - قیمت ایک روپیہ ایک آنہ - لکھائی' چھپائی متوسط تقطیع ۱۸ × ۲۲ حجم ۲۰۰ صفحے]

—•—

یہ کتاب اردو زبان کے محاورات اور ضرب الامثال اور بحث تذکیر و تانیث پر ایک متوسط درجے کی اسکولی لغت ھے' جسے مولوی اختر جمول صاحب بی اے نظر ثانی و اضافے کے بعد تیسری بار چھپوایا ھے —

پہلی فصل میں تین ہزار سے زیادہ اردو محاورات ہیں' جو روز مرہ کے استعمال میں ہیں - اشعار بھی سند و مثال کی طور پر دیے ہیں ' دوسری فصل میں تقریباً چارسو ضرب الامثال ہیں- ہر مثال کے نیچے اُس کے معنے بھی بتا دیے گئے ہیں — تیسری فصل مؤنث و مذکر کی بحث میں ھے اس میں حقیقی ' غیر حقیقی' قیاسی ' سماعی مرکب اضافی' توصیفی وغیرہ کی کار آمد بحثیں آگئی ہیں اور چار ہزار الفاظ کی فہرست دے دی ھے غرضکہ طلبائے اردو کے لئے مختصر سی کارآمد اور مفید لغت ھے اور اس کی مقبولیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ھے کہ اب بار سوم چھپی ھے جناب مؤلف کی قابل قدر کوشش لائق تحسین ھے —

فغان درد

(مصنف : جناب عطا محمد خان صاحب 'درد' درانی قندھاری -
حجم ۱۰۰ صفحے ' سائز ۲۰ × ۲۶ - لکھائی ' چھپائی متوسط - قیمت
ایک روپیہ - ملنے کا پتہ : مصنف صاحب - محلہ فتح پورہ ' گجرات ' پنجاب)

—•—

یہ جناب مصنف کے کلام کا مجموعہ ہے ' یا دیوان - جس میں ردیف وار ترتیب سے وہ غزلیں یادگار کے طور پر جمع کرکے چھپوا دی ہیں ' جو درد صاحب نے اپنے تاثرات سے مجبور ہوکر وقتاً فوقتاً کہی ہیں - کلام اچھا خاصا اور صاف ہے - شروع میں مصنف کا فوٹو اور مختصر حالات بھی خود اُنھوں کے لکھے ہوئے ہیں - کلام کا نمونہ یہ ہے :

دام صیاد میں بلبل کو چمن یاد آیا
قید ہستی میں مری جاں کو وطن یادآیا
سوز ہجراں نے تر کیا جوش پیدا کردیا
پل میں اشکوں نے مرے صحرا کو دریا کردیا
آنکھ سے آنسو' دل پر 'درد' سے نکلی ہے آہ
اُس بت بے مہر کی الفت نے رسوا کر دیا

مجھے سیر گلشن کی پروا نہیں   کہ داغوں سے سینہ چمن بن گیا

کلام میں کوئی خاص ندرت و جدت یا تازگی نہیں معلوم ہوتی - وہی قدیم تخیل ہے اور وہی انداز بیان ہے ' بہر حال جناب مصنف نے خود کہدیا ہے کہ "میری شاعری عالمانہ فاضلانہ نہیں اور نہ میں اعلیٰ پایے کی نظم لکھنے (کہنے) کا مدعی ہوں ' قدرت نے بچپن سے درد دیکر آہ و فغاں کا سوز عطا کیا تھا ' جس کا اثر یہ مجموعہ ہے" اُمید ہے کہ شعر و سخن کے قدر داں جناب درد کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے اور ان کے کلام سے لطف اندوز ہوکر داد دیں گے —

———•———

عروض

النجمۃ السائرہ

(ترجمۂ محیط الدائرہ مترجمۂ جناب مولانا سید سبط حسن صاحب ملا فاضل ' مولوی فاضل ' ممتاز الافاضل - ملنے کا پتہ : انجمن موید العلوم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ - قیمت ایک روپیہ ' حجم تقریباً ۲۰۰ صفحے- لکھائی ' چھپائی ' کاغذ متوسط سائز ۲۰ × ۲۶)



محیط الدائرہ علم عروض و قافیہ کی مشہور اور نہایت مقبول عربی کتاب ہے ' جو مصر میں کئی بار چھپی اور ہندوستان کے کئی سرکاری و غیر سرکاری مدارس کے نصاب عربی میں شامل ہے - یہ ایسی کتاب کا ترجمہ ہے جو لکھنؤ کے مشہور ' عالم نے کیا ہے ' ترجمہ صحیح عمدہ ہے لیکن انداز قدامت لئے ہوے ہے -اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا نے بالکل لفظی ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے - اس سبب سے لطف عبارت جاتا رہا ہے - یونکو یہ فن ہی نہایت خشک ویے مزہ اور غیر ضروری ہے پھر اُس کی اصطلاحات نہایت ہی غیر دل چسپ اور اس کے قواعد میں گنجلک اور اُلجھاؤ ہے - تاہم طلبائے عربی اور ان طلبا کے لئے خاص کر جو سرکاری یونیورسٹیوں میں عربی کے امتحانات دیتے ہیں- یہ ترجمہ بہت کار آمد اور معین ثابت ہوگا - بڑی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ حامل المتن ہے- اوپر کے نصف صفحے میں اصل عربی ہے - اور نیچے کے نصف صفحے میں ترجمہ - ضرورت مند طلبہ اور عروض کے شائقین ضرور اس سے فائدہ اُٹھائیں -



آل انڈیا مشاعرہ

(مرتبۂ احسن صاحب مارہروی- لکچرار اردو انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڈہ-لکھائی چھپائی عمدہ-سائز ۲۰ × ۳۰-قیمت بارہ آنے-حجم ۱۰۰ صفحے)



خیابان اُردو' انٹر میڈیٹ کالج علی گڈہ میں اردو کی ایک ادبی انجمن ہے '

جس کے روح رواں کالج کے اردو پروفسر جناب احسن مارہروی ہیں - اس کی جانب سے سالانہ ایک آل انڈیا مشاعرہ ہوتا ہے - جس میں باہر کے شعرا اور دیگر ارباب ذوق بھی شریک ہوتے ہیں - یہ دسمبر سنہ ۱۹۲۸ ع کے سالانہ مشاعرے کے کلام کا مجموعہ ہے' ابتدا میں جناب مرتب نے مختصر حالات اور ضرورت مشاعرہ و شعر و سخن پر تمہید لکھی ہے' اسی کے بعد جناب ملا رموزی صاحب بھوپالی نے اپنی خاص انداز میں مشاعرے کے حالات بہت تفصیل سے اور نہایت دلچسپ پیرائے میں لکھے ہیں پھر مشاعرے کی دونوں طرحوں اردو فارسی پر جو غزلیں پڑھی گئی تھیں اُن کا انتخاب ہے - اس سال یہ جدت کی گئی تھی کہ مصرع طرح کے علاوہ "عزت" - نفس و جذ بۂ قولی کا عنوان نظمیں لکھنے کے لئے دیا گیا تھا - چنانچہ یہ نظمیں بھی شامل ہیں کلام عمدہ اور آج کل کے مذاق کا ہے اور مجموعی طور پر یہ گل دستہ دل چسپ دل پزیر ' ہوگیا ہے —

مذہب و اخلاق

نغمہ اور اِسلام

(مؤلفۂ مولوی محمد علی شاہ صاحب 'میکش' - میوہ کٹرہ آگرہ - قیمت بارہ آنے' سائز ۱۸ × ۲۲' لکھائی چھپائی' کاغذ' متوسط - حجم ۷۴ صفحات)

—•—

یہ مختصر سا رسالہ جیساکہ اُس کے نام سے ظاہر ہے' اس موضوع پر جناب مؤلف نے لکھکر شائع کیا ہے کہ اسلام میں گانا اور گانا سننا جائز ہے یا نہیں' اور اسے ارباب دل و شریعت کیا رتبہ دیتے ہیں جناب مؤلف نے نہ صرف احادیث و آیات قرآنیہ سے اپنے مفید مطلب نتائج نکال کر نغمہ اور سماع کا جواز ثابت کیا ہے بلکہ اور بزرگان دین کے اقوال اور علماء کے تصانیف کے حوالے بھی دیکر نغمہ کو مباح اور جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے آخر میں تقلید اور وجد و حال پر بحث ہے' جن حضرات کو اس موضوع سے اختلافی یا اتفاقی حیثیت سے دل چسپی ہے وہ اس رسالے کو پڑھیں —

—•—

تاریخ و سیر

افغان بادشاہ

مصنفہ جناب محمد حسین خان صاحب بی اے - [علیگ] سابق رئیس تدریسات عمومی افغانستان یعنی ڈائرکٹر جنرل پبلک انسٹرکشن - مطبوعہ فیروز پرنٹنگ ورکس ، سرکلر روڈ ، لاہور - قیمت دو روپے آٹھ آنے]



یہ کتاب غازی امان اللہ خاں سابق شاہ افغانستان کے حالات میں ہے ، جو محمد حسین خاں بی - اے [علیگ] سابق صدر ناظم تعلیمات افغانستان نے تالیف کی ہے۔ خان موصوف نہایت قابل اور فاضل شخص ہیں اور انہوں نے امیر حبیب اللہ خاں مرحوم اور شاہ امان اللہ خاں کے عہد میں قابل قدر خدمات کی ہیں ، خصوصاً تعلیم کی اشاعت و ترویج میں لائق تعریف کام کیا ہے۔ فاضل مؤلف نے امان اللہ خاں کے خصائل و عادات ، اُن کی روز مرہ کی باتوں ، اُن کے مختلف ارشادات اور ان کی کار گزاریوں کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے - اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی طبیعت اور دماغ کا اصلی جوہر جس طرح ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے کھلتا ہے وہ بڑے بڑے کاموں سے نہیں معلوم ہوتا - اس کتاب کے پڑھنے سے امان اللہ خاں کے حالات اور خیالات کی سچی قدر ہوتی ہے - معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص میں اپنے ملک کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور اس کی یہ تمنا تھی کہ جس قدر جلد ہوسکے افغانستان دنیا کے اعلیٰ متمدن ممالک میں سے ہو جائے - اس آرزو کے پورا کرنے کے لئے اُس نے ہر طرح کے سامان کئے اور شب و روز ایک مزدور کی طرح سے کام کیا —

امان اللہ عجیب دل و دماغ کا آدمی ہے - ملک کے ہر شعبے اور ہر محکمے میں خود کام کرتا اور کوئی جزوی سے جزوی چیز بھی اس کی نظر سے نہ بچتی تھی - خصوصاً تعلیم کی اشاعت سے اُسے خاص شغف تھا - مدارس میں جاتا ، خود پڑھاتا ، امتحان لیتا اور تعلیم کے سہل طریقے ایجاد کرتا - ممالک غیر سے ماہرین فنون بلاکر مختلف فنوں کے مدرسے قائم کئے - تعلیم نسوان کی اشاعت کی بھی اُسے ایسی ہی دھن تھی جیسی مردوں کی تعلیم کی - اس کے علاوہ افغان لڑکوں کو ممالک غیر میں تعلیم کے

لئے بھیجا اور اُن کے لئے وہی انتظام کیا جو اپنی اولاد کے لئے —

باوجودیکہ وہ سچا مسلمان تھا مگر کبھی مذہب و ملت کی تفریق روا نہ رکھا تھا اور ہندو، مسلمان، یہودی سب سے یکساں برتاؤ کرتا تھا۔ اگر وہ مولانا محمودالحسن مرحوم کی فاتحہ خوانی میں شریک ہوتا ہے تو ملک مہاراج کی موت پر اُن کے جلسۂ ماتم داری میں بھی اظہار غم کے لئے جاتا ہے اور اسی طرح محرم کی مجلسوں میں شریک ہوتا اور حالات شہادت سنکو آنسو بہاتا ہے —

اگرچہ امان اللہ خاں اس وقت اپنے ملک سے جدا بہت دور پڑا ہے مگر اپنے ملک کے لئے جو مخلصانہ کوششیں اس نے کی ہیں وہ رائگاں نہیں جائیں گی اور وہ بد نصیب قوم جس نے اُسے جلا وطنی پر مجبور کیا ایک روز اپنے کئے پر پچتائے گی اور اس کی صداقت، ایثار اور حب وطن کی قدر کرے گی —

فاضل مؤلف کو چونکہ زمانۂ دراز تک افغانستان میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے اور شمانہ روز بادشاہ سلامت کی صحبت کا شرف حاصل رہا ہے، اس لئے جس قدر واقعات اس میں درج ہیں وہ ان کی آنکھوں کے سامنے گزرے ہیں اور بالکل صحیح ہیں —

جن صاحبوں کو موجودہ افغانستان اور اس کے سابق بادشاہ امان اللہ کے حالات سے ذرابھی دل چسپی ہے وہ اس کتاب کو شوق سے مطالعہ کریں گے اور اس کے مطالعے سے انکو خوشی ہوگی —

فاضل مولف بعض بعض جگہ عربی فارسی کے ثقیل اور غریب الفاظ لکھہ گئے ہیں، جو غالباً ان کے قیام کابل کا نتیجہ ہے —

ایشیا

(از جناب ابرار حسین قادری صاحب ایم - اے، ایل ٹی
لکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڈھ- قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے)

یہ کتاب ایشیا کے طبعی، سیاسی اور اقتصادی جغرافیے پر ہے - اب تک جو جغرافیے کی کتابیں عام طور پر اُردو میں لکھی گئی ہیں اور مدارس کے نصاب میں شریک ہیں، اُن میں اور اس کتاب میں بہت بڑا فرق ہے - یہ کتاب محض جغرافی اسما اور بعض خشک معلومات کا مجموعہ نہیں ہے جو رٹنے اور امتحان پاس کرنے کے لئے کار آمد ہوتا ہے بلکہ اس میں ایشیا کے ہر ملک کی طبعی، سیاسی اور معاشی

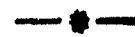
حالت بہت ہی شستہ زبان میں، دلچسپ طریقے سے، اس طرح بیان کی گئی ہے کہ طالب علم اور عام پڑھنے والے دونوں مستفید ہوسکتے ہیں - جغرافیے کو بہت خشک مضمون کہاجاتا ہے مگر اس کتاب نے اسے دلکش بنا دیا ہے —

کتاب کے آخر میں ایک نقشہ شامل ہے جس میں ایشیا کے خشکی اور تری کے رستے اور تقویم الاوقات کا حال معلوم ہوتا ہے - اس کے علاوہ چند ضمیمے اور نقشے بھی ہیں - پہلے ضمیمے میں دنیا کی طبعی خطوں کی تقسیم ہے، جس سے دنیا بھر کی طبعی تقسیم نظر کے سامنے آجاتی ہے - دوسرے ضمیمے میں علامہ ابن خلدوں کے مقدمۂ تاریخ سے اس حصے کا اقتباس دیا ہے جس میں علامہ ادریسی (چھٹی صدی) نے ایشیا کی جغرافی کیفیت بیان کی ہے - اس کے بعد ذرائع آمد و رفت، سکہ جات، گوشوارۂ تجارت، جدول عرض البلد و طول البلد کے نقشے ہیں ۔



عصر قدیم

(مرتبۂ مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی مرحوم - ملنے کا پتہ: دلگداز پریس، کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ - حجم ۲۲۰ صفحے - قیمت ایک روپیہ چار آنے - لکھائی، چھپائی، کاغذ متوسط - تقطیع ۲۰-۲۶)



مولانا شرر مرحوم کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں - ان کی تمام تر زندگی علم ادب اور زبان کی خدمت میں گزری ہے اور آخر وقت تک وہ برابر کچھ نہ کچھ لکھتے رہے ہیں، یہ کتاب اُن کی مشہور اور مستند تاریخی تالیف ہے جسے عہد سلف کی مختصر اور جامع تاریخ کہنا چاہئے - اس میں مولانا نے تخلیق عالم کی ابتدا سے لیکر حضرت مسیح کی ولادت تک کے دنیا کی تمام فاتح اور متمدن و ترقی یافتہ قوموں کے واقعات نہایت سلیقے اور ترتیب کے ساتھ بیان کیے ہیں - سیریا، بابل مصر، فلسطین، یونان، روم وغیرہ اقوام قدیم کے اجمالی حالات درج ہیں - غرض کہ یہ کتاب ایک بیش بہا تاریخی ذخیرہ ہے، ہر لائبریری اور کتب خانے میں ہونا چاہئے بلکہ ہر پڑھے لکھے کے مطالعے کی چیز ہے - کتاب کی خوبی کے لئے خود مؤلف کا نام کافی

ہے - اس کے علاوہ یہ ملک میں کافی مقبولیت حاصل کر کے اب دوبارہ شائع کی گئی ہے - تاریخی ذوق رکھنے والوں کے لئے از بس دل چسپ اور قدیم تاریخی حالات کے لئے اچھی چیز ہے —

مسلمان تاجداران ہند

مؤلفۂ حکیم محمد سراج الحق صاحب ایڈیٹر سفینہ سلیج ' مطبوعۂ دلگداز پریس لکھنؤ- قیمت فی جلد آٹھ آنے- لکھائی چھپائی ' کاغذ ادنی درجے کا سائز ۲۰- ۳۰ - ۱۶ حجم حصۂ اول جلد دوم ۱۲۰ صفحات - حجم حصۂ سوم جلد اول ۹۶ صفحات

—*—

حکیم سراج الحق صاحب ' مولانا شرر مرحوم کے دلگداز پریس کے مہتمم اور مرحوم کے کتابوں کے ناشر و طابع کی حیثیت سے مدت سے اردو کی قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں ' اور اب انہوں نے خود بھی تالیف و تصنیف کے خار زار میں قدم رکھا ہے - اُن کی دو کتابیں جو جدید شائع ہوئی ہیں ہمارے پیش نظر ہیں یہ ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں - پہلا حصہ ' دوسری جلد کا ہندوستان کے مشہور و نامور شہنشاہ جلال الدین اکبر کے سوانح حیات پر مشتمل ہے - ہمایوں ابن بابر کے حالات سے شروع ہوتا ہے - بیان صاف و سادہ ہے - اور حالات کے انتخاب میں سلیقے سے کام لیا گیا ہے ' دوسرا حصہ جلد اول کا ' کتاب کے ساتویں باب سے شروع ہوتا ہے اس میں تیمور کے حملے کے بعد سے خاندان شیر شاہ کے آخر عہد تک کے تمام واقعات ہیں - ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے اور حکومت کرنے کی مجمل مگر کارآمد تاریخ ہے -مدارس میں ہندوستان کی تاریخ کے نصاب میں داخل کی جائے تو بہتر ہے ' ہمارے خیال میں یہ پورا سلسلہ مفید ہوگا اور مکمل کتاب نہایت کار آمد و ضروری ہوگی —

متفرق

رپوٹ آل انڈیا مسلم ایجو کیشنل کانفرنس علی گڈھ منعقدۂ ڈسمبر سنہ ۱۹۲۸ع

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں - یہ رپوٹ اسی کے اکتالیسویں سال کے جلسے کی روداد ہے- جو ڈسمبر کے آخر میں بمقام اجمیر شریف منعقد ہوا تھا اور سکریٹری صاحب کے حسب ہدایت رپوٹ اب شائع ہوئی ہے، کانفرنس کا یہ پہلا اجلاس تھا جو صوبۂ اجمیر و میواڑ میں ہوا - ڈاکٹر شاہ محمد سلیمان ایم اے - جج ہائی کورٹ الہ آباد اس کے صدر تھے - تقریباً سات صفحوں میں جناب صدر کا معرکہ آرا اور زبردست خطبۂ صدارت ہے جس میں بیش قیمت مشورے مسلمانوں کی بہبودی اور تعلیمی ترقی پر دیے گئے ہیں، پھر اس کے رزولیوشن (تجاویز) ہیں، تجاویز کے بعد سال بھر کی رپوٹ اور چندہ دینے والوں کی فہرست ہے - ان سب کو ملا کر یہ رپوٹ دو تین سو صفحات تک پہنچ گئی ہے - لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ متوسط، حجم تقریباً دو سو صفحات۔صدر دفتر کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڈھ سے ملتی ہے —

اُردو کے جدید رسالے

مجلۂ مکتبہ

(انجمن امداد باہمی مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن - قیمت سالانہ چار روپیہ)

مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد اردو کتب کی اشاعت کا بہت اچھا کام کر رہا ہے اور یہ ماہوار رسالہ بھی اسی مکتبہ کی جانب سے شایع ہوتا ہے - اس رسالے میں زیادہ تر ادبی اور علمی مضامین ہوتے ہیں - دکنی تصانیف کے متعلق اکثر مضامین درج ہوتے رہتے ہیں حیدرآباد کے ممتاز علمی رسالوں میں سے ہے اور بعض مضامین اس میں عالمانہ شان کے شایع ہوے ہیں- اس کے مدیر مولوی محمد عبدالقادر صاحب سروری ایم-اے' ال ال-بی ہیں جو اسے سلیقے اور محنت سے مرتب کرتے ہیں —

چمنستان

(از امرتسر' ایڈیٹر محمد افضل خان 'و سید ظفر
ہاشمی- چندہ سالانہ دو روپے فی پرچہ تین آنے حجم ۴۴
صفحات سائز ۲۰ × ۲۶ لکھائی چھپائی متوسط- باتصویر)

لاہور سے جس قسم کے اُردو ادبی رسالے آئے دن نکلتے رہتے ہیں - یہ بھی اسی طرح کا ایک ماہانہ رسالہ ہے - جس میں زیادہ تر فسانے ' غزلیں اور نظمیں ہیں- ایک آدھ اور مضمون بھی ہے - اور دو تصویریں ہیں - ایک رنگین " نخچیر صیاد " نہایت دلفریب تصویر ہے اور دوسرے جون آف آرک کی ہے' جو بہت پامال ہے اور بارہا چھپ چکی ہے - مضامین متوسط درجے کے ہیں- کوئی اہم اور قابل تذکرہ نہیں - افسانوں سے جو حضرات ذوق شوق رکھتے ہیں وہ یہ پرچہ بھی منگواکردیکھیں -

---

الہادی

(ایڈیٹر سید محمد حسین صاحب ' کوثر ' کانپوری ' ملنے
کا پتہ بازار رام نرائن کانپور - قیمت سالانہ تین روپے -
حجم ۳۲ صفحے ' سائز ۲۰ × ۲۶ کاغذ اور لکھائی چھپائی متوسط)

—*—

یہ مذہبی رسالہ بھی نیا نکلنا شروع ہوا ہے- اور پہلا ہی نمبر ہمارے سامنے ہے اس کے مقاصد یہ ہیں کہ اہل اسلام اُن نکات و رموز حکیمانہ سے واقف ہوں جو قرآن مجید اور احادیث میں موجود ہیں ' کسی فرقۂ اسلام کی دل آزاری مقصود نہیں" ہمارے یہاں ایسے رسالے کم نکلتے ہیں جنھوں نے اپنا کوئی خاص مقصد قرار دیا ہو بلکہ زیادہ تر فقیر کے کچکول کی حیثیت رکھتے ہیں مگر یہ خالص مذہبی رسالہ ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ دل آزاری سے اس کا دامن پاک ہے- اس نمبر میں پانچ مضمون ہیں - علوم الٰہیہ خاص ایڈیٹر صاحب کا دوسرا الاخلاق- تیسرا امام پنجم امام باقر پر چھٹا اور ساتواں احسان اسلام و خصوصیات اسلام پر ہیں - اپنے مقاصد کے لحاظ سے پرچہ غنیمت ہے اور شیعیت غالب ہے -

——*——

اردو

نویں جلد　　　　سنہ ۱۹۲۹ ع

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

اردو

نویں جلد　　　　　　　　　　　　　　　سنہ ۱۹۲۹ع

فہرست مضامین

(الف) مقالے

(ب) نظمیں

——:۞:——

تبصرے

ادب

اخلاق و مذہب

تاریخ و سیر

تعلیم

متفرق



(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

انجمن کے مطبوعات

—— (چمنستان شعرا) ——

ایک قدیم و نایاب اردو زبان کے شاعروں کا تذکرہ ہے ' جو انجمن ترقی اردو نے نہایت اہتمام سے شایع کیا ہے ' اور اس کی تصحیح و ترتیب میں نہایت محنت و کوشش سے کام لیکر ایک دل چسپ و محققانہ مقدمے کے ساتھہ چھاپا ہے - تذکرے کے مولف (دکن) کے مشہور مورخ و تذکرہ نویس لالہ لچھمی نرائن ' شفیق و صاحب ' ہیں - سنہ ۱۱۷۲ ھ میں یہ تذکرہ تالیف ہوا ' اور دنیا میں اس کا صرف ایک نسخہ ہی پایا جاتا تھا - عالی جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے - سکریٹری انجمن ترقی اردو کا مقدمہ بھی قابل دید ہے - حجم تقریباً ۲۰۰ صفحے - جلد نہایت اعلی قسم کی ' قیمت مجلد پانچ روپے آٹھہ آنے سکۂ انگریزی' غیر مجلد چار روپے بارہ آنے سکۂ انگریزی —

—— (مخزن نکات) ——

یہ اردو شعرا کا نایاب تذکرہ ہے - مصنفۂ شیخ محمد قیام الدین ' قائم ' چاند پوری- شروع میں مولوی عبدالحق صاحب بی- اے آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو کا ایک مقدمہ ہے' جس میں اس تذکرے پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے اور آخر میں قائم کے کلام کا انتخاب بھی دیدیا ہے - قیمت فی جلد مجلد ڈیڑہ روپیہ —

—— (ذکر میر) ——

ہندوستان میں کون ایسا صاحب ذوق ہوگا جو اردو کے خداے سخن حضرت ' میر ' کے نام اور کلام سے نا آشنا ہو' ان کے کلام کا پاکیزہ انتخاب عرصہ ہوا کہ انجمن

الہشتہر ——————————————

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

نے شائع کیا تھا جو ملک میں بہت مقبول ہوا اور کئی بار چھپ چکا ہے - اب خاص اہتمام سے میر صاحب کی یہ نادرۂ روز گار سوانح عمری طبع کی گئی ہے جو خود انھوں کے پر سوز و گداز قلم کی تراوش ہے - جس میں انھوں نے اپنے حالات زندگی اور اس وقت کی فضا نیز آخری دور مغلیہ کی تصویر نہایت دل کش انداز سے کھینچی ہے - اور انجمن نے اپنے مخصوص و خوش نما ٹائپ میں چھاپی ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ معتمد انجمن کا مقدمہ بجائے خود قابل دید اور کتاب کی جان ہے - جلد خوب صورت، حجم ۱۸۰ صفحے، قیمت دو روپے —

—— (بزم مشاعرہ) ——

گذشتہ سال ماہ تیر (مئی و جون) میں عالی جناب مہاراجہ کشن پرشاد، شاد، مدظلہ العالی صدر اعظم دولت آصفیہ دکن نے اورنگ آباد میں شرف ورود فرمایا تھا - جناب معتشم کی تشریف آوری پر اور دل چسپ ہنگاموں کے علاوہ ایک نہایت پر تکلف، شاندار مشاعرہ بھی حضرت موصوف کی صدارت میں بمقام مقبرہ ہوا - اس مشاعرہ کا گلدستہ نہایت خوش نما، نظر فریب دو رنگوں میں طبع کیا گیا ہے - شروع میں جناب صدر مدظلہ کی پاکیزہ تصویر اور جناب معنوی صدیقی کے قلم کا دل پذیر دیباچہ بھی قابل دید ہے - سر ورق بھی خوب صورت اور شاندار ہے - آخر میں وہ قصائد بھی شامل کر دیے گئے ہیں جو اورنگ آباد کالج میں پڑھے گئے تھے - نفاست پسند ارباب ذوق کے لئے بہت تھوڑی تعداد میں یہ گلدستہ طبع ہوا ہے - قیمت آٹھ آنے —

—— (تاریخ اخلاق یورپ) ——

اس کتاب کے اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام علم و تبحر، تحقیق و صداقت کا مرادف ہے - یہ کتاب کئی ہزار برس کے تمدن، اصول اخلاق، مذاہب و خیالات کا مرقع ہے - مترجمہ مولوی عبدالماجد صاحب بی - اے، جلد اول مجلد ۳ روپے، جلد دوم مجلد دو روپے ۸ آنے —

المشتهر ______________________________

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

—— (ہماری شاعری) ——

مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ، ایم - اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی نے رسالۂ اردو میں شاعری پر ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جو عام طور پر بہت پسند کیا گیا تھا - اب رضوی صاحب نے اس میں بہت کچھ اضافہ کر کے کتابی صورت میں کردیا ہے - اور انجمن ترقی اردو نے نہایت عمدہ طور پر یہ کتاب طبع کرائی ہے - پورے کپڑے کی خوشنما جلد ہے - حجم دو سو صفحے ، قیمت دو روپے ——

—— (کلیات ولی) ——

ولی دکنی کے نام سے کون اردو داں واقف نہ ہوگا - اسے اردو شاعری کا باوا آدم کہتے ہیں اور یہی گویا ہماری شاعری کا قدیم اور ممتاز ترین علم برادر ہے - اس کا کلام اس زمانے کی زبان اور شاعری کا بہترین اور کامل مرقع ہے ——

یہ کلیات جناب ' احسن ' مارہروی نے نہایت محنت اور قابلیت سے مرتب کیا ہے - اور انجمن ترقی اردو کے جدید ترین مطبوعات میں ہے - اب تک ولی کے جو دیوان کہیں چھپے اور ملتے ہیں - اکثر غلط اور نا مکمل ہیں - یہ کلیات ۱۷ - ۱۸ قدیم ' قلمی ' نایاب نسخوں سے مقابلہ اور تصحیح کر کے کئی سال کی لگا تار محنت و کاوش سے مرتب کیا گیا ہے ——

اس نادرالکلام استاد کا کلیات تقریباً تمام اصناف سخن پر حاوی اور چار سو صفحوں پر پھیلا ہوا ہے - شروع میں مرتب صاحب کا ایک بسیط اور قابل قدر مقدمہ ہے ' جس میں موصوف نے صاحب دیوان کے حالات و سوانح نہایت تحقیق اور کمال محنت سے فراہم کر کے جمع کئے ہیں اور کلام پر تبصرہ بھی فرمایا ہے ——

کلیات کے آخر میں ایک بسیط فرہنگ ہے ' جس میں ان تمام قدیم ' متروک ' اجنبی ' ہندی ' دکنی الفاظ کا حل ہے جو کلام ولی میں جا بجا آئے ہیں - آخر میں پونے دو سو صفحے کا ایک ضمیمۂ اختلاف نسخ ہے ' جو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے ' اس میں تمام نسخوں سے مقابلہ کرنے پر جو جو اختلاف نظر آیا ہے '

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

دیوان کی ہر غزل کے نمبر کا حوالہ دے کر بتا دیا ہے - یہ ضمیمہ ارباب فن و تحقیق کے لئے خاص طور سے قدر کی چیز ہے - اور کئی ماہ کی مسلسل محنت سے تیار ہوا ہے - ان تمام خوبیوں کے علاوہ انجمن نے اپنے مشہور عمدہ ٹائپ میں مضبوط سفید چکنے کاغذ پر طبع کیا ہے ' قابل دید اور اس لائق ہے کہ ہر لائبریری اور قدر دانان اردو کے ہر کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ موجود رہے - حجم تقریباً آٹھ سو صفحات' قیمت مجلد ۵ روپے' غیر مجلد ۴ روپے —

—— (مثنوی خواب و خیال) ——

حضرت میر درد دهلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لا جواب مثنوی نایاب تھی ' بہت کوششوں کے بعد خوش نصیبی سے انجمن ترقی اردو کو دستیاب ہو گئی ' اور اب خاص اهتمام کے ساتھ عمدہ ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر ' طبع کی گئی ہے ' جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرما کر اس مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے - یہ مثنوی آج تک نا پید تھی ' تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آجاتا ہے ' حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلیں بھی جا بجا ہیں ' جو قابل دید اور نہایت پاکیزہ ہیں - یہ مثنوی اردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور قدر دانان اردو کی خدمت میں انجمن کا جدید علمی ہدیہ ہے ' جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے - حجم دو سو صفحے سے زائد ' قیمت مجلد ڈیڑہ روپیہ —

—— (انتخاب کلام میر) ——

ملک الشعرا میر تقی میر کے نام اور کلام سے کون قدر دان اردو واقف نہیں ' یہ انہیں کے کلام کا بہترین انتخاب ہے جو جناب مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے کلیات کا عطر کھینچ لیا ہے ' یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ہو چکا ہے اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم میں شامل کر لیا ہے —

المشتہر ——————————

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اب تیسری بار انجمن ترقی اردو پریس نے اپنے مشہور، نفیس ٹائپ میں چھاپ کر شائع کیا ہے ۔ کاغذ چکنا، نہایت عمدہ ۔ حجم دو سو صفحات سے زیادہ، جلد نفیس اور مضبوط ۔ شروع میں فاضل مرتب کا زبردست و دلچسپ مقدمہ ہے ۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے —

—— (قواعد اردو) ——

یہ کتاب جناب معتمد صاحب انجمن ترقی اردو کی بیش بہا تالیف ہے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ زبان اردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر، سہل، جامع کتاب تصنیف نہیں ہوی ۔ ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ہوی ہے ۔ جامعۂ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ہے ۔ اب جناب مولف و مرتب کی بیحد کاوش اور غور سے نظر ثانی، ترمیم و اضافہ کے بعد دوبارہ چھاپی گئی ہے ۔ شروع میں اردو زبان اور اس کے ادب پر لا جواب بسوط مقدمہ بجائے خود قابل دید ہے ۔ انجمن نے اپنے پریس میں عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ہے ۔ کاغذ بہت عمدہ، جلد نہایت نفیس اور مضبوط، قیمت مجلد دو روپے ۸ آنے ۔

—— (جاپان اُس کا تعلیمی نظم و نسق) ——

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظم ونسق کے مطالعے اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا ۔ نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور و تحقیق سے مطالعہ فرمایا ۔ کتاب کے ابتدائی حصے میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے، جو ہمارے اہل وطن کے لئے سبق آموز ہے ۔ اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے ۔ ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات بھی ہے ۔ خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ لابد نا گزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے دلچسپی اور تعلق رکھتے ہیں ۔ حجم ۴۸۲ صفحے قیمت فی جلد مجلد تین روپے —

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

—— (سرگزشت حیات (یا) آپ بیتی) ——

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے - حیات کی ابتدائی حالت سے لیکر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقے سے بتایا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھہ سکے - اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا - یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ لازم ہے حجم ۳۰۰ صفحے ' قیمت فی جلد مجلد ۲ روپے ۸ آنے -

—— (تذکرۂ شعرائے اردو) ——

میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - ان کی مثنوی ' بدر منیر ' کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی اور کتاب کو نصیب ہوا ہو - یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی ' بڑی کوشش سے بہم پہنچا کر طبع کی گئی ہے - میر صاحب کا نام اس تذکرے کی خوبی پر کافی شہادت ہے - شروع میں مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کا ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ ہے - قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنے غیر مجلد ایک روپیہ ۶ آنے —

—— (تاریخ تمدن) ——

سر تامسن بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے - الف سے (ی) تک تمدن کے ہر مسئلے پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے - اس کے مطالعے سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنے - مجلد دو روپے - حصۂ دوم مجلد دو روپے —

المشتہر ———————————————————

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

—— (مقدمات الطبیعات) ——

یہ انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ہکسلے کی کتاب کا ترجمہ ہے جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں بظاہر فطرت کی بحث ہے ' لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپے - مجلد ۲ روپے ۸ آنے —

—— (القول الاظہر) ——

امام مسکویہ کی معرکۃ لآرا تصنیف (فوزالاصغر) کا اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہئین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنے' مجلد ایک روپیہ —

—— (القمر) ——

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوے ہیں ' ان سب کو جمع کر دیا ہے - طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنے' مجلد ایک روپیہ —

—— (فلسفۂ تعلیم) ——

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۲ روپے' غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنے —

—— (دریاے لطافت) ——

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے ' اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں - قیمت مجلد ۲ روپے' غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنے —

—— (طبقات الارض) ——

اس فن کی پہلی کتاب ہے - (۳۰۰) صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم بند

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

گئے ہیں - کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپے - مجلد دو روپے ۸ آنے —

—— (مشاہیر یونان و روما) ——

ترجمہ ہے - سیرت نگاری اور انشا پردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم چلا آتا ہے - ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمے سے فیض حاصل کیا ہے - وطن پرستی اور بے نفسی، عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے - قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپے - مجلد ۴ روپے جلد دوم ۲ روپے ۸ آنے —

—— (اسباق النحو) ——

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی - اے کی تالیف ہے - اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے - قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۲ آنے - حصۂ دوم ۳ آنے —

—— (علم المعیشت) ——

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم - اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے - معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے - مبہم و مشکل مسائل کو پانی کردیا ہے، اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں - اشتراکیت کا باب قابل دید ہے، حجم ۸۸۵ صفحے، قیمت مجلد ۵ روپے آٹھ آنے —

—— (تاریخ یونان) ——

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ - اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے - ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں، اس کتاب کو حد درجہ مفید پائیں گے قیمت مجلد ۲ روپے —

المشتہر ———————————————

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

——— (رسالۂ نباتات) ———

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے۔ علمی اصطلاحات سے معرا - طلبائے نباتات جس مسئلے کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالے میں مطالعہ کریں قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنے —

——— (دیباچۂ صحت) ———

اس کتاب میں مطالبات صحت پر (مثلاً ہوا ' پانی ' غذا ' لباس ' مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے ' ملک کی بہترین تصنیف ہے - اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا - حجم ایک ہزار صفحے - قیمت مجلد چار روپے —

——— (نکات الشعراء) ———

یہ اُردو کا تذکرہ استادالشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے - اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں - نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں- مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدرالصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

——— (فلسفۂ جذبات) ———

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے - جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے- متعلمان نفسیات اسے بہت مفید پائیں گے- قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے- غیر مجلد دو روپے —

——— (وضع اصطلاحات) ———

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز و عالم مولوی وحیدالدین سلیم مرحوم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعے کے بعد تالیف کی ہے

المشتہر ——————————————————

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

بقول فاضل مؤلف " یہ بالکل نیا موضوع ہے - میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی زبان میں " - اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھہ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کئے گئے ہیں - مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی ، مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے سابقوں اور لاحقوں - اردو مصادر اور ان کے مشتقات - غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آ گئی ہیں - اردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں - لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں - اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں - اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوے ہچکچاتے تھے - مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا - اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے - تعداد صفحات (۴۰۵) قیمت مجلد تین روپے ۱۲ آنے —

—— (محاسن کلام غالب) ——

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری کا معرکۃالآرا مضمون ہے - اردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے جو اس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون رسالۂ اُردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ طبع کیا گیا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ

—— (ملل قدیمہ) ——

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے - اس میں بعض قدیم اقوام ، سلطنت کلدانی آشوری ، بابل ، بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد - اور صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھہ دیے ہیں - اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہو سکیں اس لئے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ہے - حالات کی وضاحت کے لئے جا بجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحے ۲۸۴ - قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) —

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

—— (بجلی کے کرشمے) ——

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خاں صاحب بی ' اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعے کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی گئی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے ' کہاں سے آتی ہے ' کیا کام آ سکتی ہے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکوں لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے - قیمت ایک روپیہ بارہ آنے ——

—— (البیرونی) ——

مصنفۂ مولوی سید حسن برنی صاحب بی اے - اس کتاب میں علامہ ابو ریحان بیرونی کے حالات ہیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب الہند ' اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھ تبصرہ دیا گیا ہے - انجمن ترقی اردو نے اب دوسرا ایڈیشن مصنف کی نظر ثانی اور اضافۂ مضامین کے ساتھ نہایت عمدہ کاغذ پر چھپوایا ہے - قیمت فی جلد مجلد دو روپے - غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ ——

—— (تاریخ ہند) ——

ہندوستان کی یہ تاریخ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے محکمۂ تعلیمات سرکار نظام کی فرمائش پر لکھی ہے اور مدارس اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے - اس وقت تک کوئی اور مختصر تاریخ ہند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ہے - تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ہے - چھوٹے سائز کے ۲۸۳ صفحے - قیمت ایک روپیہ ایک آنہ ——

—— (لغت اصطلاحات علمیہ) ——

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ ' جس میں حسب ذیل علوم داخل ہیں:

Astronomy, Botany, Economics, History, (Constitutional, Greece

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

England, etc,) Logic, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differential Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archaelogy –

کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماہرین زبان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ہے - مصنفوں و مترجموں کے لئے ناگزیر ہے —

حجم ۵۳۸ صفحے - قیمت مجلد چھہ روپے —



یہ بیش بہا کتابیں بھی انجمن ترقی اورنگ‌آباد دکن سے مل سکتی ہیں



—— (دیوان غالب جدید و قدیم) ——

یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بے حد انتظار تھا - اس میں مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہے - مرزا صاحب کا قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی - یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھہ آ گیا اور ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے - مع مقدمۂ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم- مجلد ۵ روپے غیر مجلد ۴ روپے (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپے غیر مجلد دو روپے آٹھہ آنے) —

—— (حقیقت اسلام) ——

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر کے ' سی ' آئی ' ای ' سی ' ایس ' آئی ' ایم ' اے ' بی ' ایل ' ایف ' آر ' ایس ' چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی بے نظیر تصنیف نوٹس آن اسلام کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ہے-

المشتہر ———————————————

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھہ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی صداقت کا بیان کیا ہے - فاضل مصنف نے ان تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ جوانوں یا غیر مسلموں کو شبہات واقع ہوتے ہیں، زمانۂ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ہے، جس سے مصنف ممدوح کے وسیع مطالعہ فلسفیانہ طبیعت اور غور و خوض کا پتہ ملتا ہے —

کتاب بہت عمدہ کاغذ پر چھپی ہے - قیمت مجلد بارہ آنے —

——— (تاریخ زوال روما) ———

یہ گبن کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ہے - اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں - قیمت فی جلد غیر مجلد سوا روپیہ —

——— (تاریخ عرب) ———

مصنفۂ موسیو سدیو فرانسیسی - عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ہے جو یورپ و ایشیا کے کتب خانوں کی زینت ہیں مسلمانوں کی ترقیوں اور عربوں کے کمالات کا آئینہ ہے - ساتھہ ہی یورپ کے کذب و افترا کا بہترین جواب - قیمت مجلد چرمی ۷ روپے ۸ آنے —

——— (یاد گار غالب) ———

یعنی مرزا اسداللہ خاں 'غالب' دہلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے نظم و نثر، اردو، فارسی پر تفصیلی ریویو اور انتخاب - مولفۂ شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب 'حالی' مرحوم - قیمت مجلد ۳ روپے —

——— (شعر و شاعری) ———

شمس العلما خواجہ الطاف حسین 'حالی' مرحوم کے اردو دیوان کا لاجواب مقدمہ جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے - تنقیدی حیثیت سے اردو زبان میں اب تک ایسی کتاب نہیں لکھی گئی ہے - قیمت مجلد ۲ روپے، غیر مجلد سوا روپیہ —

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں) .

—— (موازنۂ انیس و دبیر) ——

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ ۔ مولفۂ مولانا شبلی نعمانی ، قیمت فی جلد مجلد چار روپے ۔ غیر مجلد تین روپے ——

—— (وکرم اُروسی) ——

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمے کے جس میں ہندی ڈرامے کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے ۔ مترجمۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی ، اے مرحوم ۔ قیمت مجلد دو روپے ۔ غیر مجلد ڈیڑہ روپیہ ——

—— (خطوط شبلی) ——

علامۂ شبلی مرحوم کے یہ وہ لا جواب اور نادر خطوط ہیں جو موصوف نے بمبئی کی مشہور تعلیم یافتہ خواتین عطیہ بیگم صاحبہ فیضی اور زہرا بیگم صاحبہ فیضی کے نام وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و محبت اور انداز خاص کے ساتھہ لکھے تھے ۔ یہ جواہر پارے اردو میں مولانا کے کمال انشا پردازی کی نایاب یادگار ہیں ۔ طرز نگارش اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ شروع کر کے ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنا دشوار ہے ۔ شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب ، بی ۔ اے معتمد انجمن ترقی اردو کا ایک نہایت لطیف و سخن گسترانہ مقدمہ بھی شامل ہے ، جس نے ان خطوط کے جذبات اخلاص و محبت اور نکات ادبی کو بے نقاب کردیا ہے ۔ مرتبۂ مولوی محمد امین صاحب مارہروی و جناب قیصر بھوپالی ۔ قیمت ایک روپیہ ——

—— (دیوان غالب مطبوعۂ جرمنی) ——

غالب کے کلام کی جو قدر اور مانگ ہے ہر صاحب ذوق جانتا ہے ، ان کے دیوان کا ایک اڈیشن نفاست پسند طبائع کے لئے جرمنی کے مشہور کاویانی پریس میں جامعہ ملیہ نے چھپوایا تھا جو ہاتھوں ہاتھہ نکل گیا ۔ دوسری بار پھر اسی اہتمام و نفاست سے طبع ہوا ہے ۔ ٹائپ ، کاغذ ، چھپائی ، جلد ، سائز ، ہر چیز دیدہ زیب و دلفریب ہے ۔ قیمت چار روپے ——

المشــــــــــــــــــتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

——— (محشر خیال) ———

یہ سید سجاد انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چند دلکش ادبی و اصلاحی مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دہلی نے خاص اہتمام سے چھپوایا ہے۔ سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خوش گفتار ادیب تھے ' ان کے مضامین میں خاص قدرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے - یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار ہے ' جس کو سید منظور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے - لکھائی چھپائی بہت پاکیزہ ' سائز مختصر ' جلد نہایت نفیس ' اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے - قیمت دو روپیہ آٹھ آنے —

——— (چمن) ———

یہ نہایت چھوٹا سا حسین و جمیل مجموعہ اساتذۂ اردو کے پاکیزہ کلام کا انتخاب ہے کارڈ سائز پر نہایت اعلیٰ طباعت و کتابت کے ساتھ عید کے موقعہ پر دوست احباب کو پیش کرنے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے قیمت ۵ آنے —

——— (دیوان حالی) ———

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی مرحوم کے قطعات غزلیات ' قصیدے ' مرثیے ' ترکیب بند ' رباعیاں ' تاریخیں اور متفرق اشعار قیمت ڈیڑھ روپیہ —

——— (مٹریکولیشن کا نصاب اردو) ———

مجلس نصاب اردو جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی ہدایت کے مطابق مولانا مولوی عبدالحق صاحب بی - اے (علیگ) آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو نے مرتب کیا - قیمت دو روپے —

——— (معراج العاشقین) ———

حضرت مخدوم ابوالفتاح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز (رح) کی تصنیف ہے - اس میں حضرت کے بعض مواعظ و ارشادات قدیم اردو یعنی

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

دکنی اردو میں لکھا ہے - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو کی تصحیح و ترتیب اور مقدمے کے ساتھ چھپی ہے - قیمت ۹ آنے —

—— (وقائع عالمگیر) ——

حضرت اورنگ زیب سلطان ہند عالمگیر کے وقائع زندگی جو خود ان کے مکاتیب اور مستند مورخین کی روایات پر مبنی ہیں - اور جن سے ان کے حقیقی کیریکٹر، رواداری، عدل جوئی اور تشریع مذہبی کا کافی ثبوت ملتا ہے - مرتبۂ چودھری نبی احمد صاحب سندیلوی مجلد ۲ روپے —

—— (افغان بادشاہ) ——

اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خاں کی عظیم الشان جدید داستان حیات ہے - اس لاجواب کتاب کو محمد حسین خاں بی - اے (علیگ) ڈائرکٹر جنرل پبلک انسٹرکشن افغانستان نے اردو عربی زبان سے مرتب کیا ہے ، شائقین سیر و تاریخ کے لئے خصوصاً اور کافۂ مسلمین کو عموماً لازم ہے کہ اس کتاب کو غور سے مطالعہ فرما کر استفادہ کریں - قیمت فی جلد دو روپے آٹھ آنے —

—— (عروس ادب) ——

مولوی سید ناظرالحسن صاحب هوش بلگرامی کے اخلاقی ادبی تاریخی اور سیاسی مضامین کا مجموعہ - حجم ۲۲۴ صفحہ - سائز ۲۶ × ۲۰ کاغذ عمدہ سفید ، لکھائی چھپائی بہت خوشنما - قیمت فی جلد دو روپے —

—— (خیالات اورنگ) ——

مشہور امریکن مصنف واشنگٹن اورنگ کے بعض دلچسپ مضامین کا بامحاورہ اردو

المشتہر ——————————————————

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

ترجمہ از مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا وکیل غازی آباد ضلع میرٹھ قیمت ۸ آنے —

—— (سیر المصنفین) ——

جس میں نثاران اردو کے حالات زندگی اور اردو زبان کی عہد بعہد کی ترقی و تبدیلی کا ذکر کیا گیا ہے - مصنفۂ مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا بی - اے (علیگ) قیمت دو روپے

—— (مصنوعی بیوی) ——

مشہور ہر دلعزیز مغربی ناولسٹ آر ' ایچ ' بول کے ایک نہایت دلچسپ انگریزی ناول " هزمیک بی لیو وائف " کا اردو ترجمہ از مولوی عباس حسین صاحب " لطفی " قیمت ۱۲ آنے —

—— (خواتین انگورہ) ——

مولفۂ سلا توحیدی صاحب - ترکی کی مشہور و معروف خواتین کے کارنامے - اس کتاب سے آپ کو معلوم ہوگا کہ موجودہ جد و جہد میں ترکی خواتین نے کس جوش اور قابلیت سے حصہ لیا ہے - قیمت ایک روپیہ —

—— (جہاں آرا بیگم) ——

جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں کی سوانح عمری جو نہایت مستند تاریخوں سے لکھی گئی ہے - مولفۂ مولوی ضیاالدین احمد برنی صاب بی اے قیمت ۸ آنے —

—— (ناٹک کتھا) ——

مولفۂ محمد عمر نور الہی صاحبان قدیم ہندوستانی ڈراموں کی کہانیاں نہایت دلچسپ پیرایے میں اس چھوٹی سی کتاب میں جمع کردی گئی ہیں - قیمت فی جلد آٹھ آنے —

—— (سفیر اودھ) ——

آخری بادشاہ اودھ سلطان عالم واجد علی شاہ کے سفیر مولوی محمد مسیح الدین خاں بہادر مرحوم کے خود نوشت حالات - مطبوعۂ الناظر پریس لکھنو قیمت فی جلد ایک روپیہ —

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(دارالمصنفین اعظم گڑھ)

تاریخ فقہ	۴ روپیہ
خلفاے راشدین	۳ روپے ۸ آنے
مہاجرین	۴ روپے
سیرۃ النبی حصۂ اول	۴ روپے
سیرۃ النبی حصۂ دوم	۳ روپے ۸ آنے
سیرۃ النبی حصۂ سوم	۲ روپے
شعرالعجم مکمل ۵ حصے	۱۳ روپے
الکلام	۲ روپے
اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے	۸ روپے
انقلاب الامم	۲ روپے
مکالمات برکلے	ڈیڑھ روپیہ
سیر الصحابیات	۲ روپے ۴ آنے
روح الاجتماع	۲ روپے
ابن رشد	۲ روپے
گل رعنا	۵ روپے
سیر الانصار حصۂ اول	۳ روپے ۸ آنے
سیر الانصار حصۂ دوم	۳ روپے ۸ آنے
شعرالہند حصۂ اول	۴ روپے
شعرالہند حصۂ دوم	۴ روپے

(جامعۂ ملیہ دہلی)

تاریخ نجد	۱ روپیہ
عربوں کا تمدن	۲ روپے ۸ آنے
تاریخ فلسفۂ اسلام	۲ روپے
تاریخ الدولتین	۲ روپے
سیرۃ الرسول	ڈیڑھ روپیہ
خلافت راشدہ	۲ روپے
خلافت بنی امیہ	ڈیڑھ روپیہ
خلافت عباسیہ	۲ روپے
خلافت عباسیۂ بغداد	۲ روپے
خلافت عباسیۂ مصر	۲ روپے
مبادی معاشیات	۱ روپیہ
دنیا کے بسنے والے	۴ آنے
قواعد عربی	۲ روپے
اسلامی تہذیب و قومی تعلیم	۴ آنے
ترکوں کی کہانیاں	۴ آنے
تاریخ ہند قدیم	۱ روپیہ

(الناظر پریس ۔ لکھنؤ)

فسانۂ جوش	۱ روپیہ
مجموعۂ قصائد مومن	۱۲ آنے
گوتم بدھ	۴ آنے
مسالک النظر فی نبوت سیدالبشر	۴ آنے
حکایۃ لیلیٰ و مجنوں	۴ آنے
مقتل فریب مغربی معمل خانے	۴ آنے
وکرم اروسی	۱ روپیہ ۸ آنے
فلسفیانہ مضامین عبدالماجد صاحب	۱ روپیہ ۸ آنے

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

تاریخ عرب مجلد ۷ روپے ۸ آنے
موازنۂ انیس و دبیر ۳ روپے
مقدمۂ شعر و شاعری ۱ روپیہ ۴ آنے
اصول الاسخ ۶ آنے
مسلمانان اندلس ۱ روپیہ
اسرار رنگون ۱ روپیہ
خوان دعوت ۱ روپیہ
مصدوهی شوهر ۲ آنہ
الاحسان ۸ آنے
ارض نہرین ۴ آنے
حیات نظامی ۳ آنے
خطاب ۳ آنے
میلاد نبوی ۳ آنے
فریاد امت ۳ آنے

(نظامی پریس بدایوں)

قاموس المشاهیر جلد اول ۹ روپے
قاموس المشاهیر جلد دوم ۶ روپے
نکات غالب مجلد ۱ روپیہ
دیوان غالب مشرح مجلد ۲ روپے ۸ آنے

دیوان جان صاحب مجلد ڈیڑھ روپیہ
دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنے
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن) قیمت ۲ روپیہ
خطوط سر سید قسم اول ۳ روپے
خطوط سر سید قسم دوم ۲ روپے
لیتھو گرافی مجلد ۱ روپیہ ۸ آنے
انتخاب زرین مجلد ۲ روپے
قصائد ذوق ۲ روپے
مراثی میر انیس جلد اول مجلد ۱۰ روپے
مراثی انیس جلد دوم قسم دوم ۸ روپے

(تصانیف نور الہی و محمد عمر صاحبان)

موجودہ لندن کے اسرار ۱ روپیہ ۴ آنے
ناٹک ساگر (یعنی دنیا ئے ڈراما کی تاریخ)
مجلد ۳ روپے ، غیر مجلد ۲ روپے ۸ آنے
تمن تو پیاں ۸ آنے
غدر کی موت ۳ آنے
قزاق ۸ آنے
بگڑے دل ۸ آنے

المشـــــــــــــــــــتهر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) —

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اپنے ان مہربان معاونین کی فہرست مرتب کر رہی ھے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو ' وہ بغیر ان سے دوبارہ دریافت کئے ' تیار ہوتے ہی ان کی خدمت میں بذریعہ وی پی روانہ کردی جایا کرے۔ ہمیں امید ھے کہ قدر دانان زبان اردو ہمیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیدیں گے کہ ان کے اسمائے گرامی اس فہرست میں درج کر لئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شائع ہو' فوراً بغیر دریافت کئے روانہ کر دی جایا کرے ۔ یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ہوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ہوجاےگی ۔ ہمیں امید ھے کہ ہمارے وہ معاونین جو اردو کی ترقی کے دل سے بہی خواہ ہیں' اس اعانت کے دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے ۔

ان معاونین کی خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شائع ہوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کر کے روانہ ہوں گی ۔

رسالہ اُردو کے خریداروں کے ساتھہ خاص رعایت

رسالۂ اُردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اردو کی شائع کی ہوی کتابیں فی روپیہ چار آنے کمی قیمت کے ساتھہ دی جائیں گی ۔ امید ھے کہ ناظرین اس رعایت سے فائدہ اٹھائیں گے ۔

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ہوتی ہیں ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جا سکتی ۔

المشتہر

منیجر انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد (دکن)